روزنِ خیال سے

آزاد کشمیر، گلگت بلتستان اور پاکستان کے آئینی
تعلقات کے پسِ منظر میں لکھے گئے مضامین

جسٹس (ر) سیّد منظور حسین گیلانی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: روزنِ خیال سے

مصنف: جسٹس (ر) سیّد منظور حسین گیلانی

تاریخ اشاعت: مارچ 2013ء

ناشر: کشمیر پبلشرز میرپور

فہرست

الف۔ حرفِ آغاز — ڈاکٹر مقصود جعفری

ب۔ حرفِ تحسین — حضور امام کاظمی

ج۔ پیش لفظ — جسٹس (ر) سید منظور حسین گیلانی

❖ کشمیریات

1... یوم یکجہتی کشمیر

2... بیس کیمپ؟

3... کیمپوں میں آباد کشمیری مہاجرین کی شناخت

4... انتفادہ کشمیر۔۔۔اور پاکستان کی ذمہ داریاں

5... ڈوگرہ سرٹیفکیٹ۔۔۔اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

6... وزیر اعظم آزاد کشمیر کا انتخاب اور بیس کیمپ

7... یوم تاسیس، یوم سیاہ اور قومی دھارا

8... کشمیر کو صوبہ بنانے کی سازش

9... کشمیر دوراہے پر

10... کراچی معاہدہ۔۔۔معاہدوں کی داستان

11... قومی دولت کی لوٹ مار میں اتفاق رائے

12... اسلامی نظریاتی کونسل آزاد کشمیر کا سیاسی جلسہ

13... آزاد کشمیر کونسل کے انتخابات کا سیاسی اور اخلاقی پہلو

14... آزاد کشمیر الیکشن قومی دھارے میں

15... ریاست کے آزاد حصے قومی دھارے میں کس طرح شامل ہو سکتے ہیں؟

16... خطاب

17... کشمیر پر پاکستان کی قومی پالیسی کیا ہے؟

18... کیا ریاست جموں و کشمیر کے آزاد حصے آئینی معمہ ہیں یا پاکستان کا حصہ

19... ریاست کے آزاد اور مقبوضہ حصوں کے انتظامی ڈھانچے
20... ریاست کے قومی دھارے میں شامل ہونے کا کیا مطلب ہے؟
21... سیاچین اور آزاد علاقوں پر ہندوستانی دعویٰ

❖ پاکستانیات

1...16 اگست 1971 سقوط ڈھاکہ
2... آزاد کشمیر پاکستانی سینٹ میں
3...پاکستان مسلم لیگ ن کے پہلے یوم تاسیس پر قائد مسلم لیگ کے نام
4...جنرل مشرف کی کشمیر پالیسی
5... کیا یہ صحیح ہے؟
6... مکانوں میں نئے رُوزن لگا دو۔ہوا کا رخ بدلتا جا رہا ہے
7... سپریم کون ہے ۔۔پارلیمنٹ یا عدلیہ؟
8...وزیراعظم اور توہین عدالت
9...مولانا طاہرالقادری،ایجنسیاں اور بیرونی قوتیں
10...بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی
11... دوراندیشی کا موازنہ

❖ مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ نون

1... مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ؟
2... آزاد کشمیر میں مسلم لیگ (نون) کا قیام،استحکام پاکستان اور راشیلشمونٹ
3...تبدیلی ناگزیر ہے

❖ قانون اور انصاف

1...انصاف
2...جج کیس میں سپریم کورٹ آزاد کشمیر کا فیصلہ
3... آزاد کشمیر میں عدلیہ کی زبوں حالی

4... جوڈیشل ملازمین کے مطالبات، اعلیٰ عدلیہ میں تقرریاں اور صدر ذوالقرنین

5... میڈیکل کالج کے طلباء پر ہائی کورٹ کا فیصلہ

6... کوٹہ سسٹم اور آزاد کشمیر سپریم کورٹ

7... دو چیفس کے خطاب

8... بیوروکریسی ۔ او ۔ ایس ۔ ڈی اینڈ رول آف لاء

9... ہندوستانی شہری

10... بنگلہ دیش ماڈل

11... لاڈ نذیر احمد، ناپسندیدہ شخصیت

❖ سفر نصیب

1... وادی کشمیر میں 55 دن

2... اور کمان پل کا تالا کھل گیا

3... گلگت بلتستان میں دو ہفتے

❖

حرفِ آغاز

جسٹس (ر) سید منظور حسین گیلانی سے میرا تعارف 1992ء سے ہے، جب میں وزیر اعظم آزاد کشمیر کی مشاورتی ٹیم میں شمولیت کی بدولت مظفر آباد میں مقیم تھا۔ وہ جتنے باہر سے خوبصورت ہیں اس سے زیادہ حسن باطن سے اللہ نے انھیں نوازا ہے۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ ایک گلِ نوشگفتہ کا تبسم ان کی شخصیت کی جاذبیت اور وجاہت کا غماز ہے۔ بحیثیت قانون دان ان کی شہرت اور قابلیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے اور بحیثیت ایک جسٹس ان کی دیانت وفطانت بر زبانِ ہر خاص و عام تھی۔ وہ ایک قابل، ذہین وفطین، با اصول، باوقار اور صاحب کردار شخصیت کے طور پر آزاد کشمیر میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اعلیٰ حسب ونسب کا عکس ان کے افکار واعمال سے جھلکتا ہے۔

جسٹس سید منظور حسین گیلانی ایک صاحب مطالعہ شخصیت کے علاوہ ایک فعال ومتحرک صائب الرائے ذہنی رسا کے مالک بھی ہیں۔ وہ چیئرمین ایسوسی ایشن فار دی رائٹس آف دی پیپل آف جموں کشمیر ہیں۔ ایک قانون دان کی حیثیت سے انہوں نے اپنے کالموں میں آزاد کشمیر کی سیاسی، آئینی، جمہوری، تاریخی، اقتصادی اور قانونی جہات کا عرق ریزی سے جائزہ لیا ہے۔ ان کے یہ کالم روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ سیاست اور روزنامہ جموں کشمیر وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کالموں میں غیر جانبدارانہ تجزیہ اور منصفانہ تبصرہ ہے جو ان کے انصاف پسند ذہن کا عکاس ہے۔ یہ فکری اور نظری دیانت داری ہر کسی کے نصیب میں نہیں ہوتی۔ جسٹس صاحب نے ان کالموں میں نہایت مفید تجاویز دی ہیں، جو پاکستان اور آزاد کشمیر کے عوام کی بہتری کے لیے ہیں۔ ایک آئینی اور قانونی ماہر کی حیثیت سے یہ تجاویز صائب اور مستند ہیں۔ ان کی سفارشات اور تجاویز کی عکاسی درج ذیل شعر کرتا ہے، جسے انھوں نے خود نقل کیا ہے۔

مکانوں میں نئے روزن لگا دو ہوا کا رخ بدلتا جا رہا ہے

جسٹس صاحب مکان کی تبدیلی کے نہیں بلکہ ضرورت کے مطابق نئے روزن لگانے کا درس دے رہے ہیں، جسے سمجھنے کے لیے صاحبانِ بصیرت کی ضرورت ہے۔ جس کے خاتمہ کے لیے موجِ صبا ضروری ہے۔

ڈاکٹر مقصود جعفری (راولپنڈی)

حرفِ تحسین

آزاد کشمیر کی عدالتی تاریخ میں جو باوقار اور باصلاحیت جج گزرے ہیں ان میں جناب منظور حسین گیلانی صاحب کی شخصیت کے بعض پہلو کشمیری قوم کے لیے باعث صد افتخار ہیں، گیلانی صاحب کو نقطہ فہمی وراثت میں ملی ہے، آئینی و قانونی امور پر ان کی گرفت سب حلقوں میں مسلمہ ہے، انتظامی صلاحیتیں اور ژرف نگاہی ان کی قد آور شخصیت کا خاصہ ہیں۔

ریٹائرمنٹ کے بعد گیلانی صاحب نے کالم نویسی کا سلسلہ شروع کیا تو کشمیریات، پاکستانیات اور قانون وانصاف کو بطور خاص موضوع سخن بنا کر اظہار خیال کیا، مجھے گاہے گاہے ان کے ارشادات پڑھنے کا موقع ملتا رہا، ہر کالم کو تاروپود کے اعتبار سے ایک جامع فکر کے مترادف محسوس کیا۔ میں ان کالموں کو پڑھنے کے بعد سوچ رہا تھا کہ ان موضوعات پر پیش کیے گئے نقطہ نظر پر خیال آرائی کی جائے، لیکن مصروفیات کا اژدھام سدراہ رہا۔۔۔پھر ایک دن گیلانی صاحب کا فون آیا "حضرت صاحب کہاں ہیں؟" وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔اس کے بعد ان کی رہائش گاہ پر متذکرہ کالم ڈمی کتاب کی شکل میں دیکھے۔۔۔۔

جسٹس ریٹائرڈ منظور حسین گیلانی صاحب نے یوم یکجہتی کشمیر کے پس منظر اور پیش منظر کو بڑے سلیقے سے بیان کیا ہے، پھر بیس کیمپ کے احوال پر بھی مخصوص تناظر میں فکر انگیز باتیں لکھی ہیں، مہاجر کیمپ میں ترک سکونت کر کے آنے والے کشمیریوں کی شناخت کے حوالے سے توجہ طلب امور اجاگر کیے ہیں۔ کشمیر کی تحریک حریت کے خدوخال اور نشیب وفراز بھی موضوع بحث رہے ہیں۔

پاکستانیات، کشمیریوں کے رگ و پے میں گندھی ہوئی ہے، چناں چہ گیلانی صاحب نے پاکستان کی قومی ذمہ داریوں کے لیے قابل عمل مستقر کی نشاندہی کی ہے، کشمیری حمیت کی جھلک مختلف کالموں میں دیکھی جا سکتی ہے، سقوط ڈھاکہ کو 16 اگست 1971ء کے حوالہ سے زیر بحث لایا گیا ہے۔

سقوط ڈھاکہ کے محرکات کو نظر انداز کرتے ہوئے، قومی سلامتی سے متعلق پالیسیوں کو ترتیب دیتے وقت، ان محرکات کو پیش نظر نہ رکھنا محض کوتاہ اندیشی ہے۔۔۔جنرل مشرف صاحب کی کشمیر پالیسی بھی پوری

احتیاط سے گیلانی صاحب کے پیش نظر رہی ہے۔ان کالموں میں بدلتے ہوئے عالمی حالات کا فکر انگیز احاطہ کرتے ہوئے نئی جہتیں اور نئی سمتیں تعین کرنے کی تحریک کی گئی ہے،جدت پسندی کے لیے ترغیب کا منفرد اور قابل رشک پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔

مکانوں میں نئے روزن لگا دو

ہوا کا رخ بدلتا جا رہا ہے

کتاب میں ایک کالم کا عنوان ہے" آزاد کشمیر میں عدلیہ کی زبوں حالی"اس عنوان میں جس کیفیت پر اظہار خیال کیا گیا ہے اس میں کہیں کہیں اس کرب کی جھلکیاں بھی ہیں جو ایک Committed آدمی کو صراط مستقیم سے ہٹانے پر پیش آتا ہے۔

آزاد کشمیر کی عدلیہ کے ساتھ سیاسی قائدین کا جو طرز عمل رہا ہے اس کا مفصل تجزیہ بھی ان کالموں میں موجود ہے،ایک کالم میں مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ "ن" کی قرابتیں اور تفاوتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔

ان کالموں میں مقبوضہ کشمیر کے احوال کا تذکرہ بھی ملتا ہے،ایک کالم کا عنوان ہے "وادی کشمیر میں 55 دن" گلگت بلتستان کے سفر کی روائیداد بھی خوب صورت انداز میں لکھی گئی ہے،سفری واقعات پڑھتے ہوئے گیلانی صاحب کے ذوق جمال کا بھی پتا چلتا ہے۔

آزاد کشمیر کے لوگوں میں بڑھتا ہوا احساس محرومی اُس مرحلے میں داخل ہو گیا ہے جہاں اس سے صرف نظر کرنا دانش مندی پر مبنی رویہ نہیں، چنانچہ آزاد کشمیر کی آئینی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے پاکستان کے اعلیٰ اداروں میں کشمیریوں کی نمائندگی کو متذکرہ احساس محرومی کے سدباب کے طور پر تجویز کیا گیا ہے۔گیلانی صاحب نے جس محل سے حالات کا مشاہدہ کیا ہے،اس کا تقاضا یہی ہے کہ پاکستان کی سینیٹ،قومی اسمبلی اور دیگر قومی اداروں میں کشمیریوں کو مناسب نمائندگی دے دی جائے،تاکہ کشمیری پاکستان کے قانون ساز اور پالیسی ساز اداروں میں اپنی رائے کا حق استعمال کر سکیں،کشمیریوں کی عزت نفس کا تقاضا ہے کہ ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے،صدر پاکستان،وزیراعظم پاکستان،چیئرمین سینیٹ اور سپیکر قومی اسمبلی کے انتخاب میں جب آزاد کشمیر کے اراکین کا ووٹ دیگر صوبوں کے اراکین کے ہم پلہ ہوگا تو پھر ان کے حقوق اور رائے کا احترام بھی یقینی ہو جائے گا ورنہ آزاد کشمیر کے لوگوں کو ایک بڑے ملک کی کالونی میں رہنے کا مسلسل احساس رہے گا،جسے ضمیر فروشوں کے ضمیر خرید کر زائل نہیں کیا جا

سکتا۔ آزاد کشمیر کے لوگ کشمیر کونسل کی موجودہ کیفیت سے مطمئن نہیں، کیوں کہ کشمیر کونسل کو قانون سازی کا جو اختیار دیا گیا ہے اس کا استعمال کشمیریوں کی خواہشات اور امنگوں کے مطابق نہیں، کشمیر کونسل کے استبداد سے آزاد کشمیر کے عوام کی حمیت پر کاری ضرب پڑتی ہے، گیلانی صاحب نے پاکستانی اداروں میں آزاد کشمیر کے عوام کی نمائندگی سے متعلق تجاویز کو احسن انداز میں پیش کیا ہے، موصوف کے طرز استدلال سے پاکستان کے ساتھ ان کی دائمی محبت کا پتہ چلتا ہے اور پھر آزاد کشمیر کے عوام کی عزت نفس کے لیے ان کی پُر از حکمت قلمی جدوجہد، بہ ہر پہلو قابل صد ستائش ہے۔

گیلانی صاحب کا تخصص یہ ہے کہ وہ ہمیشہ قلم و قرطاس سے وابستہ رہے ہیں، وہ اپنا نقطہ نظر دلائل اور اعداد و شمار سے آراستہ کر کے پیش کرتے ہیں، تاریخ انہیں زندہ رکھے گی۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما
(اقبال)

حضور امام کاظمی
مظفر آباد

پیشِ لفظ

مقبوضہ کشمیر میں میری ابتدائی زندگی کے تیس سالوں میں سے دس سال شعوری اور عملی زندگی کے تھے جن میں کالج اور یونیورسٹی کی سرگرمیوں اور سیاست کے علاوہ 1970 تا 1976 تک وکالت کے پیشہ سے وابستگی رہی ۔مقبوضہ کشمیر اور ہندوستان کے آئین اور قانونی معاملات اور وہاں کی عملی زندگی سے بھی وابستہ رہا ہوں ۔1976 سے تا دم تحریر آزاد کشمیر اور پاکستان میں سیاسی اور عملی زندگی کے علاوہ آزاد کشمیر کے اندر اعلیٰ ترین عدالتی عہدوں سے وابستہ رہ کر ریاست کے دونوں حصوں اور ہندوستان اور پاکستان اور ان کے زیرِ انتظام ریاست کے دونوں حصوں میں ان کی آئینی حیثیت کا دلچسپی سے مطالعہ اور تقابلی جائزہ لیتا رہا ۔زیرِ نظر کتاب آزاد کشمیر کی عدلیہ کے اعلیٰ ترین عہدہ سے ریٹارمنٹ کے بعد میرے تجربات اور تجزیات پر مبنی ان کالموں پر مشتمل ہے جو مختلف قومی اخباروں میں شائع ہو چکے ہیں ۔اخبار صرف ایک دن کی کتاب ہوتی ہے، لیکن ہر کالم ہر روز کی تاریخ کا حصہ ہوتا ہے جو اگر مربوط کتابی صورت میں محفوظ نہ کیا جائے تو گوشۂ گمنامی کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ کتاب، صاحبِ کتاب سے زیادہ لمبی عمر پاتی ہے ۔

اس میں کوئی ابہام نہیں کہ ریاست جموں و کشمیر کا ہر ذرّہ متنازعہ لیکن ایک دوسرے کا جزو لاینفک ہے ۔ہندوستان اور پاکستان کے زیرِ انتظام منقسم ریاست کا حتمی حل لوگوں کی آزادانہ مرضی کے مطابق سلامتی کونسل کی مسلمہ قراردادوں کی روشنی میں ہونا باقی ہے ۔لیکن اس میں بھی کوئی ابہام نہیں کہ ریاست کے دونوں منقسم حصوں کا نظم و نسق وہ ملک چلاتا ہے جس کے زیرِ کنٹرول یہ علاقے ہیں اور اس کنٹرول کو بین الاقوامی حیثیت دونوں ملکوں کے مابین سلامتی کونسل کے زیرِ اہتمام 1949 کے جنگ بندی معاہدے نے دی ہے جس کو عرفِ عام میں حدِ متارکہ اور 1972 کے بعد ایل ۔او ۔سی (LOC) کہتے ہیں ۔اس حقیقت کے پیشِ نظر یہ علاقے پاکستان کا صوبہ تو نہیں لیکن حصہ ضرور ہیں ۔آئینی معاملات میں میرے عدالتی فیصلے ان ہی خطوط پر ہیں ۔

ہندوستان نے ریاست کو اپنے آئین کے تحت اپنی ریاست یا صوبہ قرار دیا ہے لیکن ہندوستانی آئین کے اس حصے کا اطلاق کشمیر پر نہیں ہوتا جس کے تحت باقی ہندوستانی ریاستوں یا صوبوں کا نظم و نسق چلایا جاتا ہے اس حد تک ریاست کا اپنا آئین ہے جبکہ وفاقی معاملات کی حد تک ہندوستانی آئین کے ان حصوں کو صدرِ جمہوریہ ہند انتظامی حکم کے تحت کشمیر میں نافذ کرتے ہیں ۔جس کا اختیار ان کو ہندوستان کے آئین کی دفعہ 370 دیتی ہے ۔یہ آئینی صورتِ حال ہمارے فاٹا جیسی ہے ۔

ہندوستان کی اِس سیاسی پالیسی کے برعکس کہ پوری ریاست جموں وکشمیر اس کا حصہ ہے ،اس کا آئین اس کے مغائر ہے جس کی مختلف دفعات کے تحت پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کے حصوں کو ریاست کی تعریف سے خارج کیا گیا ہے ۔جبکہ پاکستان کے آئین کے کسی حصہ کا اطلاق ریاست کے آزاد حصوں پر نہیں ہوتا ۔لیکن ان کا نظم ونسق حکومت پاکستان کی طرف سے دیئے گئے آئینی ڈھانچے کے تحت چلایا جاتا ہے ۔جس کے تحت وفاقی نوعیت کے معاملات بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت پاکستان کے اختیار میں ہیں جبکہ مقامی نوعیت کے معاملات پر قانون سازی مقامی اسمبلیاں کرتی ہیں ۔لیکن ان کا عملی نفاذ بیوروکریسی کی مشینری کے ذریعہ ہوتا ہے جس کے سربراہ حکومتِ پاکستان کی طرف سے مامور کیے جاتے ہیں ۔جو آزاد کشمیر حکومت کے پاس جواب دہ نہیں ہوتے اور نہ ہی وفاقی معاملات کے بارے میں حکومت پاکستان آزاد کشمیر کے کسی نمائندہ ادارے کے پاس جواب دہ ہے ۔آزاد کشمیر اسمبلی کے اندر بھی 1/4 حصے ممبران اسمبلی اور 25 فیصد ریاستی ملازمتیں ریاست کے ان باشندوں کے لئے مختص ہیں جو پاکستان کے مختلف صوبوں میں آباد ہیں ۔ان کا آزاد کشمیر کے مقامی نفع ونقصان میں سوائے غمی خوشی میں فون کے ذریعہ شرکت کے اور کوئی عمل دخل نہیں ہے اور ان صوبوں کے ڈومیسائل ہونے کی بناء پر وہاں کے مقامی سیاسی اور آئینی زندگی کا حصہ ہیں نہ کہ آزاد کشمیر کا جبکہ مرکزی حکومت میں آزاد کشمیر کے باشندوں کے لئے کوٹہ میں بھی یہ شامل ہوتے ہیں جو صرف آزاد کشمیر کے باشندوں کا حق ہے ۔کشمیر کے ساتھ ان کا تعلق صرف ان مفادات کی وجہ سے ہے ۔آزاد کشمیر اسمبلی میں مہاجرین کشمیر مقیم پاکستان کی جو نشستیں مختص ہیں اُن کا انتخابی عمل پاکستانی انتظامیہ کا مرہون منت ہوتا ہے ۔چنانچہ ایسے منتخب ممبران آزاد کشمیر حکومت کو حکومت پاکستان کا محتاط بنائے رکھتے ہیں ۔

آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی اس وقت ایک جیسی آئینی پوزیشن ہے ۔ان کو پاکستان کے آئین میں اس لئے شامل نہیں کیا گیا ہے کہ اس سے پاکستان اور کشمیر کے سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت قومی موقف پر حرف آسکتا ہے ۔جو ایک غلط مفروضہ اور محض بیوروکریسی کے ذریعہ ان علاقوں پر کنٹرول رکھنے کے لیے گھڑا گیا ہے ۔اگر بغیر آئینی پوزیشن کے ان علاقوں میں وہ سارا کچھ ہو رہا ہے جو باقی صوبوں میں آئین کے تحت ہوتا ہے تو وہی صورت حال آئین میں درج کرنے سے موقف کس طرح متاثر ہوسکتا ہے؟ ۔بلکہ اس سے بے لگام بیوروکریسی اور انتظامیہ کی جواب دہی اور عام لوگوں کی فلاح وبہبود مضمر ہے جو حق خودارادیت کا لازمی جزو ہے جس کے حصول کے لئے پاکستان کی سلامتی اور اقتصادی پوزیشن اور علاقوں کی آزادی کے ثمرات داؤ پر لگے ہیں ۔سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت کشمیر کے مسئلہ کے حتمی حل تک ان علاقوں کے لئے نظم ونسق کے لئے

کوئی ہدایت یا رہنما اصول نہیں ہیں جن کا پاکستان پابند ہو اس لئے یہاں 1948 سے لے کر آج تک مختلف آئینی اور انتظامی طریقے رائج ہوتے رہے اور ہر نئے طریقے پر Status quo کی حامل قوتیں یہی دلیل دے کر مخالفت کر رہی ہیں کہ کشمیر کا مسئلہ متاثر ہو جائیگا۔کشمیر کے مسئلہ کے مضبوطی اور حل پاکستان کی اقتصادی، سفارتی اور سیاسی طاقت سے وابستہ ہے ۔جس کو ان علاقوں کے قومی سطح پر زیادہ نمائندہ رول سے ہی تقویت مل سکتی ہے، اس کو دبانے سے نہیں ۔اس صورت حال کے ساتھ آج تک ہم نے حقوق سے محرومی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کیا اب حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو بدلنے کا وقت ہے ۔

کسی جانب تو ہونا ہی پڑے گا　　محبت درمیاں کا راستہ نہیں ہے

آئینی اصلاحات ایک ارتقائی عمل ہے اور لوگوں کا قومی زندگی کے ہر ادارہ میں زیادہ سے زیادہ نمائندہ کردار اور ایمپاورمنٹ ۔یو۔این۔(UN) چارٹر کا حصہ ہے ۔اس کا کسی بھی دلیل سے انکار ممکن نہیں ہے ۔جبکہ آزاد کشمیر کے آئین کی بنیاد ہی یو۔این ریزولوشن ہیں جو یو۔این چارٹر کا حصہ اور اس کے تابع ہیں ۔مقبوضہ کشمیر کے ہندوستانی قومی اداروں میں نمائندگی، اس کے ہندوستان کا صوبہ بنانے اور وہاں کے لوگوں کے ہندوستانی آئین کے تحت الیکشن میں حصہ لینے سے کشمیر کا متنازعہ کردار ختم نہیں ہوا بلکہ ہندوستانی قومی سطح کے اداروں پر کشمیریوں کے حقوق کی بات کرنے سے مسئلہ کشمیر زیادہ نمایاں ہوتا ہے ۔مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی کے ممبروں کی کشمیر کی آئین سے اٹوٹ انگ کی شق نکالنا، افضل گورو کی سزا ختم کرانا، ہندوستانی فوجیوں پر لگام ڈالنے کی آواز، باقی تحریک سے زیادہ نمایاں اور با اثر ہے ۔نمائندگی کا حق روزمرہ کے معاملات چلانے کے لئے ہوتا ہے یہ حق خود ارادیت کا متبادل نہیں ۔مقبوضہ کشمیر میں 60 فیصد لوگ ہندوستانی انتخاب میں حصہ لیتے ہیں اور آزادی کی تحریک بھی چلاتے ہیں ۔ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام کی تحریک کے دوران مسلم لیگ اور کانگرس کی لیڈرشپ ملکہ برطانیہ سے وفاداری کا حلف لینے کے باوجود آزادی کی تحریک چلاتے رہے ۔خود کشمیر کے اندر مہاراجہ سے آزادی کی تحریک چلانے والی داعی جماعت مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس مہاراجہ کے ہی نافذ کردہ آئین کے تحت حلف لینے کے باوجود تحریک آزادی چلاتے رہے ۔گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کے تحت ہندوستان کی آزاد اور خودمختار ریاستوں جموں وکشمیر، قلات، حیدرآباد، بہاولپور وغیرہ کو مرکزی اسمبلی میں نمائندگی کا حق دیا گیا تھا جس سے ان کی آزادی کے متاثر ہونے کا کسی نے اعتراض نہیں کیا ۔آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان پر حکومت پاکستان اور اس کے دفاعی، انتظامی اور سیاسی اداروں کا دائرہ کار پر محیط ہے ۔پاکستانی وزیراعظم اور پارلیمنٹ کے چھ ممبران ان علاقوں کی کونسل کے ممبران ہیں پاکستان میں مقیم کشمیری باشندوں کو صوبائی اور مرکزی

اسمبلی کے ممبران منتخب کرنے کا حق حاصل ہے۔ریاستی باشندوں کو پاکستان کی سول اور فوجی بیوروکریسی میں وہی حقوق حاصل ہیں جو باقی پاکستانیوں کو حاصل ہیں تو ان علاقوں اور یہاں کے لوگوں کو کس جرم کی پاداش میں ان حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے جو باقی ریاستی باشندوں اور ملک کے دیگر حصوں کے لوگوں کو حاصل ہیں؟

حکومت پاکستان، کشمیر کونسل، قومی سیاسی جماعتیں، آزاد کشمیر کی اعلیٰ بیوروکریسی اور حکومت کے منتخب اکابرین الغرض آزاد کشمیر سے متعلق تمام سرگرمیاں اسلام آباد سے مظفر آباد کے نام پر ہوتی ہیں تو قومی دھارے میں شامل ہونے سے حجاب کیوں؟ خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں، قومی اسمبلی میں موجود لوگ کشمیر اور مسئلہ کشمیر سے نابلد اور لاتعلق ہیں جس کی بھرپور نمائندگی کشمیری باشندے ہی کر سکیں گے۔ہندوستان بین الاقوامی سطح کے وفود میں کشمیر سے منتخب نمائندوں کو پیش کرتا ہے جبکہ پاکستان میں کشمیریوں کی آئینی نمائندگی غیر کشمیری کرتے ہیں۔

حکومت پاکستان کی طرف سے جاری کردہ 1971 کے نوٹیفکیشن کے تحت آزاد کشمیر کو صوبہ کے برابر درجہ دیا گیا ہے جس کی بناء پر اس کے اوپر صوبے کی تمام تر ذمہ داریاں عائد ہیں لیکن صوبائی حقوق سے محروم ہے۔کیوں؟ اس میں قصور پاکستان کا نہیں بلکہ ہماری لیڈرشپ کا ہے جو شارٹ کٹ کے ذریعہ اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اس کی تازہ ترین مثال حال میں وزیر امور کشمیر کے بیان کے باوجود کہ آزاد کشمیر اسمبلی میں آئین کی ترمیم تجویز کرنے والی کمیٹی کی روشنی میں ترامیم کی جائیگی کمیٹی کے ساتھ بڑی پارٹیوں نے تعاون نہیں کیا اور کمیٹی نے کوئی تجویز پیش نہیں کی تاکہ سٹیٹس نہ بدل جائے جس کے ساتھ ان کے مفادات وابستہ ہیں۔پاکستان کے آئین میں اٹھارویں ترمیم کے بعد وہاں کے صوبے ہندوستانی صوبوں سے زیادہ با اختیار ہو گئے ہیں۔لیکن آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کا آئینی ارتقا منجمد ہے۔حکومت پاکستان ان علاقوں کی دفاعی، سیکورٹی اور اقتصادی ترقی کے لئے وہ سب کچھ کر رہی ہے جو باقی صوبوں کے لئے ہو رہا ہے لیکن یہ ان علاقوں میں کسی آئینی رول سے محروم ہے۔کیا یہ پاکستان کی قومی سلامتی کے مفاد نہیں ہے؟ ہندوستان سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مفاد کشمیر کو اپنے آئین میں درج کر کے پوری دنیا میں اس کا دفاع کر رہا ہے اور اسی Pretext پر سیاچن پر قبضہ اور کرگل کی چوکیاں خالی کرائیں۔پاکستان کیا کلیم کرتا ہے؟ کیا یہ قومی سلامتی کے مفاد نہیں ہے؟

جب پاکستان کے لیڈر کشمیر کی آزادی کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد مقبوضہ کشمیر ہے اور سوائے آزادی پسند کشمیری تنظیموں کے کوئی کشمیری جماعت آزاد کشمیر کی آزادی کی نہیں بلکہ مقامی سیاست کے لئے مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی بات کرتے ہیں اور آزاد کشمیر کے آئین کے تحت ایسا کرنے کے پابند ہیں کیونکہ الحاق

پاکستان کو کوئی سیاسی جماعت یا شخص چیلنج نہیں کر سکتا۔ کشمیر کی آزادی کی بات تو سب کرتے ہیں لیکن آزاد علاقوں کے گنجلک آئینی معاملات، یہاں کے لوگوں کے حقوق، ان کے پاکستان کے ساتھ آئینی تعلقات استوار کرنے کی بات کوئی نہیں کرتا جس کو ترجیح اوّل ہونا چاہیے تھی کیونکہ یہ علاقے یہاں کے لوگوں نے آزاد کر کے پاکستان کے سپرد کیے ہیں جن کو وہ تمام حقوق حاصل کرنے کا حق حاصل ہے جو پاکستان کے باقی لوگوں کو حاصل ہیں۔ ان علاقوں کو ماڈل بنائے بغیر مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کو راغب نہیں کیا جا سکتا جو موازنہ کر کے ہی فیصلہ کریں گے۔

میں نے اپنے تجربات اور ادراک کی بناء پر اس صورت حال کو اپنے کالموں کا موضوع بنا کر ایک بحث کا آغاز کر کے قوم اور قومی لیڈروں کو دعوت فکر دی ہے کہ ریاست کے آزاد حصے چوراہے پر کھڑے ہیں ان کی سمت آئین کے تحت مقرر کی جائے تا کہ ان کو صوبہ بنائے بغیر کشمیر کے مسئلے کے حتمی حل تک کم از کم وہ حقوق حاصل ہوں جو ملک کے باقی حصوں کو حاصل ہیں جن میں پارلیمنٹ۔ این ای سی، این ایف سی۔ سی سی آئی۔ ارسا۔ بجلی اور گیس کے امور میں نمائندگی سرفہرست ہیں۔ ان حقوق کی حد تک پاکستانی آئین کی دفعات کا ان علاقوں پر اطلاق ہونا چاہیے جبکہ باقی معاملات مقامی آئین کے تحت ہی چلنے چاہئیں۔ اس سلسلے میں AR JK نے ایک مکمل مسودہ بنا کر شائع کر دیا ہے جو www.arjk.org پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آزاد کشمیر اور پاکستان میں مسلم لیگ (ن) کے انتخابی منشور میں اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے ان علاقوں کو اکنامک کونسل، ارسا۔ فنانس کمیشن، کونسل آف کامن انٹرسٹ میں نمائندگی دینے کا عندیہ دیا گیا ہے لیکن یہ پاکستان کے آئین میں ترمیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

میں ان کالموں کو کتابی صورت دینے اور اس کتاب کی اشاعت کو ممکن بنانے پر ساجد گیلانی، شوکت سلہریا اور ان سب لوگوں کا ممنون ہوں جنہوں نے اس سلسلے میں میری مدد کی۔ اللہ سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

جسٹس (ر) سید منظور حسین گیلانی

E.mail: manzoorgillani@hotmail.com

Address:1-Shukat Lines Near Neelum

Stadium Muzaffarabad.

Mobile: 0300-53-11390Res No: +92(5822)920784

کشمیریات

یوم یکجہتی کشمیر

ہر سال 5 فروری کو کشمیر کی تاریخ میں یکجہتی کشمیر منانے کی کوئی آئینی، تاریخی یا قومی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی اس دن کشمیر کی تحریک یا تاریخ سے وابستہ کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔ 1975 میں عبداللہ اندرا معاہدے کے خلاف بھٹو صاحب مرحوم کی اپیل پر 28 فروری بروز جمعہ ملک گیر ہڑتال کی گئی تھی اور کشمیر میں مکمل قبرستان جیسی خاموشی تھی جو پاکستان کی طرف سے یکجہتی کا اظہار اور کشمیریوں کی طرف سے پاکستان کی آواز پر لبیک کا مظاہرہ تھا۔ 5 فروری کی مختصر سی تاریخ یہ ہے کہ 1989 کے بعد جب مقبوضہ کشمیر میں جہدوجہد آزادی نے مسلح شدت اختیار کی اس کے نتیجے میں ہندوستان نے اس تحریک کو دبانے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں فوج میدان میں اتار دی جس نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ نوجوان کشمیری پناہ لینے کے لئے پاکستان اور اس کے زیر انتظام علاقوں میں ہزاروں کی تعداد میں داخل ہونے لگے جن کے رہنے سہنے، کھانے پینے اور دیگر ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ملک بھر میں ایک لہر پیدا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی مقبوضہ کشمیر کے اندر چلنے والی تحریک کے حق میں ملک بھر میں لوگ مختلف طریقوں سے اپنے ہمدردی کے جذبات کے اظہار کے لئے امڈ آئے۔ اس جذبے کو قومی تحریک میں داخل کرنے کے لئے جماعت اسلامی کے سربراہ قاضی حسین احمد صاحب نے 5 فروری 1990 کے دن ملک بھر میں کشمیریوں کے ساتھ یکجہتی کے اظہار کے لئے اپیل کی۔ اس وقت پنجاب میں میاں نواز شریف صاحب کی حکومت تھی جنہوں نے اپیل کو سرکاری پذیرائی بخش کر اس کی بھرپور حمایت کا اظہار کیا اس طرح ملک بھر میں ایک جذباتی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مرکز میں اس وقت محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت تھی جنہوں نے بھی اس بڑھتی ہوئی عوامی تحریک میں اپنا حصہ ڈالا اور ہفتہ یکجہتی کشمیر کا اعلان کر دیا۔ اس طرح 5 فروری 1990 کو پہلی بار پوری پاکستانی قوم اور دنیا بھر میں مقیم پاکستانی اور کشمیری اس روز یوم یکجہتی کشمیر مناتے ہیں اور یہی اس کا پس منظر ہے۔ ساری سیاسی جماعتیں جلسے جلوس ملک بھر میں ہاتھوں کی زنجیر بنا کر، اخبارات خصوصی شمارے شائع کر کے ریڈیو اور ٹیلی وژن خصوصی پروگرام ترتیب دے کر اس دن کو خالصتاً کشمیر کے لئے وقف کرتے ہیں۔ پاکستانی قوم کی کشمیر کے ساتھ یکجہتی پاکستانی قیادت کے موقف اور آئین سے بھی واضح ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا ہے۔ 1947 سے آج تک پاکستان کی ہر حکومت نے دنیا کے ہر فورم پر کشمیریوں کے حق خودارادیت کی حمایت میں ایک فریق کے طور اپنا کردار ادا کیا، کشمیر کی مخاصمت کی وجہ سے

ہندوستان کے ساتھ تین جنگیں لڑی گئیں۔اس وقت تک پاکستان سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق کشمیریوں کو حق خودارادیت دینے کے لئے ہرلحاظ سے کمٹیڈ ہے۔پاکستان کے آئین کی دفعہ 257 میں اس بات کی گارنٹی دی گئی ہے کہ جب کشمیری پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کریں گے تو پاکستان کے ساتھ الحاق کی شرائط کشمیریوں کی مرضی کے تابع ہونگی۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ پاکستان کی ساری قوم اور ساری سیاسی جماعتوں کو قومی سطح پر صرف دو باتوں پر اتفاق ہے ان میں سے سرفہرست کشمیریوں کے حق خوادارادیت کی حمایت اور دوسرا میاں محمد نواز شریف کے ہندوستان کے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں ایٹمی دھماکے کرنا۔یہ اتفاق کی بات ہے یوم یکجہتی کشمیر وزیراعلیٰ پنجاب کی حیثیت سے سرکاری طور منانے اور بھارتی ایٹمی دھماکوں کا جواب وزیراعظم پاکستان کے طور کرنے کا اعزاز کشمیری نژاد میاں محمد نواز شریف کو حاصل ہے۔اس بات کا قوی امکان ہے کہ اگر پاکستان میں مسلم لیگ ن کی حکومت بن جائے تو کشمیر اور کشمیر کے مسائل حل کے لئے نئی راہیں کھل جائیں کیونکہ میاں صاحب ہی واحد شخص ہیں جنہوں نے شدت پسند ہندوستانی لیڈر اٹل بہاری واجپائی کو مینار پاکستان پر لے جا کر پاکستان کو تسلیم کرایا اور ہندوستان میں بی جے پی ہی وہ واحد جماعت ہے جس کی ہندوستان کے عام لوگوں میں جڑیں مضبوط ہیں اور ہندوستان کے لوگوں کو ہر بات منوانے کی پوزیشن میں ہے۔ہندوستان کی اسٹیبلشمنٹ بھی بھرپور طریقے سے اس جماعت کی پشت پر ہے۔

(روزنامہ 05 فروری 2011)

☆☆☆☆☆

بیس کیمپ؟

آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر ریاست کے ان حصوں پر مشتمل ہے جو 1947 میں ڈوگرا حکمران کی قلمرو سے آزاد کروائے گئے تاہم ان میں شمالی علاقہ جات ''گلگت بلتستان'' کے علاقے شامل نہیں کی گئے گئے ہیں جو مملکت پاکستان میں الگ یونٹ کے طور شامل ہیں بہر حال ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہیں۔

آزاد ریاست کی حکومت کو سیاست دان بیس کیمپ کے طور موسوم کرتے ہیں یعنی یہ کہ آزاد حکومت پوری ریاست کی نمائندہ حکومت ہے۔ اس فلاسفی کی بنیاد 24/اکتوبر 1947 کا ڈیکلریشن ہے جس کے تحت عبوری حکومت قائم کی گئی اس کا ایک حصہ یوں ہے۔

> "The provisional Government entertains sentiments of the utmost friendliness and good will towards its neighboring dominions of India and Pakistan and hopes that both dominions will sympathies with the people of Jammu & Kashmir in their efforts to exercise their birth right of political freedom. The provisional Government is further anxious to safeguard the identity of Jammu & Kashmir as political entity"

مرحوم کے ایچ خورشید کے نظریہ کی بنیاد 24/اکتوبر کے ڈیکلریشن کا یہی حصہ تھا لیکن مرحوم کو علیحدگی پسند قرار دیکر دیوار سے لگایا گیا جبکہ اس دستاویز کی بنیاد پر آج تک حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر اس دن کو یوم تاسیس کے نام سے مناتی ہے اور یہ یقیناً یوم تاسیس ہے، کیونکہ اسی روز کشمیر کے اس حصے کے عوام نے جبر سے آزادی حاصل کر کے اپنی نمائندہ حکومت بنائی۔ نمائندہ اس لئے کہ اس کے سربراہ ریاست جموں وکشمیر کی اسمبلی کے منتخب ممبر سردار محمد ابراہیم خان مرحوم کو اس کا صدر بنایا گیا تھا۔ اگر اس کے بعد کی آئینی یا قانونی دستاویزات اسی ڈیکلریشن سے مطابقت رکھتیں تو یہ بات یقیناً کہی جا سکتی تھی کہ آزاد کشمیر ریاست جموں وکشمیر کا بیس کیمپ ہے لیکن آئینی اور زمینی حقائق اسی کے برعکس ہیں۔ اس ڈیکلریشن کے ایک کلاز میں حکومت سازی کے بارے میں یوں اعادہ کیا گیا ہے۔

> "The Provisional Government which is assuring the

administration of the state is most emphatically not a communal Government. It will include muslims as will as non-muslims in the provisional cabinet which will serve the people, the temporary purpose of restoring law and order in the state and enable the people to elect by their free vote a popular legeslature and a popular govt."

اس کے برعکس رولز آف بزنس کے تحت سال 1964 تک آزاد کشمیر میں بدوں الیکشنز حکومت سازی منسٹری آف کشمیر افیئرس سے منظور شدہ مسلم کانفرنس ہی کرتی رہی جس کا انچارج ایک جوائنٹ سیکرٹری ہوا کرتا تھا۔قائد مسلم کانفرنس چوہدری غلام عباس مرحوم تو تحریک آزادی کے حوالہ سے الیکشن کے حق ہی میں نہیں تھے۔سال 1964 میں پہلی بار سٹیٹ کونسل کے منتخب ممبران میں سے کسی کو صدر نامزد کیئے جانے کا اختیار چیف ایڈوائزر کو دیا گیا جو جوائنٹ سیکرٹری منسٹری آف کشمیر افیئرس ہوا کرتا تھا۔سال 1970 میں پہلی بار ایک باوقار ایکٹ نافذ کیا گیا جس کے تحت حکومت آزاد کشمیر کو 24/اکتوبر کے ڈیکلریشن کے قریب قریب تو نہیں لیکن اندرونی خودمختاری دی گئی تاہم چیف ایڈوائزر کا عہدہ اس پر بھی حاوی رہا۔1974 میں عبوری آئینی ایکٹ کے نام سے جو قانون دیا گیا اس کے تحت حکومت پاکستان کو آزاد کشمیر کونسل کے نام پر بالواسطہ وہ سارے اختیارات دیئے گئے جو باقی صوبوں میں براہ راست حکومت پاکستان کو حاصل تھے۔اس طرح آزاد کشمیر حکومت پاکستان کا بالواسطہ ایک انتظامی حصہ بن گیا اس کے بعد 24/اکتوبر کا ڈیکلریشن کی Redundent ہو گیا ہے۔ڈیکلریشن کی رو سے آزاد حکومت فی الواقع پاکستان سے ماوراء آزاد خطہ کی حیثیت رکھتی جس کو سیاست دان آج تک اسی طور پیش کرتے ہیں لیکن آئینی حقیقت یہ ہے کہ ریاست کے یہ حصے شروع دن سے ہی مملکت پاکستان کے protectorate کے طور چلے آرہے ہیں۔ان علاقوں کے نظم ونسق اور انتظام انصرام ان کے لئے رولز آف بزنس یا قوانین حکومت پاکستان کی جانب سے بنائے اور نافذ کئے جاتے رہے ہیں جن کے تحت حکومت کی تشکیل عمل میں آتی رہی اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم ہے۔حکومت پاکستان کے دیئے ہوئے عبوری آئین ایکٹ 1974 کے تحت فیڈرل نوعیت کے تمام امور کے اختیارات بلا واسطہ اور بالواسطہ حکومت پاکستان براہ راست یا آزاد کشمیر کونسل کے ذریعہ استعمال کرتی ہے۔حکومت پاکستان کے تقریباً وہ سارے ادارے اس ریاست میں operate کرتے ہیں جو باقی صوبوں میں کرتے ہیں اور اس ریاست کو ملک کے باقی انتظامی یونٹس کے مطابق چلایا جاتا ہے جس کی بنیاد حکومت پاکستان کے کیبنٹ ڈویژن کا نوٹیفیکشن مجریہ 11 مئی

1971 ہے جس کے تحت قرار دیا گیا ہے کہ

> "Azad Jammu & Kashmir is to be brought into the mainstream general administration of Pakistan and it should for all practical purpose be treated like any other province of the federation"

اس آئینی حقیقت کی روشنی میں آزاد کشمیر یا اس کی حکومت کو ریاست کی آزادی کا بیس کیمپ کہنا تجاہلِ عارفانہ ہے۔ ملک یا علاقے نافذ العمل قوانین سے پہچانے جاتے ہیں سیاسی نعرہ بازی سے نہیں۔ زمینی حقائق کے برعکس نعرہ بازی نوجوانوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرتی ہے۔ قومی لیڈرشپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔

قانون کے طالب علم کی حیثیت سے مجھے اس بات سے کوئی سرکار نہیں کہ یہاں کا سیاسی سیٹ اپ کیسا ہونا چاہیئے البتہ یہ Concern ضرور ہے کہ رائج الوقت آئین اور قانون کی روشنی میں اس کا مقام کیا ہے اور اس مقام کے تقاضے کس طرح پورے کیئے جا سکتے ہیں۔ میں اس سے قبل بھی کئی کالموں میں تحریر کر چکا ہوں کہ پاکستان اور آزاد کشمیر کی آئین کی روشنی میں آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ ہے جس کو صوبے کے برابر سمجھا جاتا ہے لیکن اس کو صوبے کا درجہ اور حقوق حاصل نہیں ہیں۔ جب تک سسٹم یہی ہے اور جب تک پوری ریاست جموں وکشمیر کا فیصلہ نہیں ہو جاتا اس کی روح کا تقاضا ہے کہ ریاست کے ان حصوں کی مرکزی پارلیمنٹ میں بھی اسی طرح نمائندگی ہونی چاہیئے جس طرح باقی صوبوں یا فاٹا کے علاقوں کو دی گئی ہے کیونکہ مرکز یہاں پر وہ سارے اختیارات استعمال کرتا ہے جو باقی صوبوں میں کرتا ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ پالیسی سازی اور فیصلہ سازی میں یہاں کے لوگوں کو شامل نہ کیا جائے۔ جب پوری ریاست آزاد ہو کر پاکستان کے ساتھ حتمی الحاق کریگی، جیسا کہ سلامتی کونسل کی قراردادوں اور پاکستان کے آئین کی دفعہ 257 کا تقاضا ہے، اس صورت میں بھی ریاست کو وہی مقام ملے گا جو ایک فیڈریٹنگ یونٹ کا ہو سکتا ہے، تو اس وقت تک ریاست کے ان حصوں کو قومی دھارے سے الگ رکھ کر مستقبل میں الگ ہونے کی temptation کیوں اور کس سازش کے تحت دی جا رہی ہے؟ ملکی سطح کی سیاسی جماعتیں جو ان علاقوں میں بھی قائم ہیں ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس حقیقت کا ادراک کریں اور عام لوگوں کو بیس کیمپ کی دھوکہ دہی سے نکال کر ان کی قومی شناخت کا بندوبست کریں۔ کیونکہ اب ان علاقوں کا نظم ونسق یوم تاسیس کی قرارداد کے مطابق نہیں، بلکہ اس کے برعکس آئین 1974 کے تحت چلایا جا رہا ہے جس کی دفعہ 6 کے کلاز (2) کے تحت واضح طور درج ہے کہ

"No person or political party in Azad Jammu & Kashmir roale be permitted to propagate against or take part in actirities prejudicial or determinately to the ideology of the state's accession to Pakistan"

نافذ العمل قانون کی روشنی میں اختلافی نکتہ نظر کا خیر مقدم کیا جائیگا۔

(روزنامہ سیاست 04 نومبر 2010)

☆☆☆☆☆

کیمپوں میں آباد کشمیری مہاجرین کی شناخت

1988 سے شروع ہونے والی مسلح جدوجہد کے نتیجے میں کشمیر کے سرحدی علاقوں کے آبادی اور شہری علاقے کے نوجوانوں نے ہندوستانی ظلم وستم سے بچنے کے لئے آزاد کشمیر میں پناہ لی جن کو آزاد کشمیر کے مختلف اور مخصوص کیمپوں میں آباد کیا گیا جن کو مہاجر کیمپس کہا جاتا ہے۔اگر چہ ان کی کثیر تعداد کیمپس سے باہر اور ملک کے دیگر حصوں میں بھی آباد ہے۔ان لوگوں کے پاس دو چوائسز تھیں۔ایک یہ کہ ہندوستان کی فوج کے تابع رہ کر زندگی گزاری جائے اور ان کا ہر حکم مانا جائے یا اپنے گھر بار چھوڑ کر پاکستان میں کشمیر کے آزاد علاقے میں پناہ لیں۔غیرت مندی اور سنت نبوی ﷺ کا تقاضا تھا کہ ہجرت کی جائے اور سنت ہی کا تقاضا تھا کہ ان کو آبرومندانہ طریقے سے نہ صرف پناہ دی جائے بلکہ آباد بھی رکھا جائے جو نہ صرف بحیثیت مسلمان بلکہ آزاد کشمیر میں نافذ آئین کے تحت بھی ریاستی باشندہ ہونے کے لحاظ سے وہ ریاست کے کسی بھی حصے میں آباد ہونے کا حق رکھتے ہیں۔آزاد کشمیر ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے متعدد فیصلوں کے ذریعہ ان لوگوں کے حقوق کو تسلیم کر کے حکومت آزاد کشمیر اور پاکستان کو پابند کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو اسی طرح کے حقوق فراہم کئے جائیں جو آزاد کشمیر میں آباد دیگر ریاستی باشندوں کو حاصل ہیں جس میں پشتنی باشندہ ریاست کا سرٹیفکیٹ، نیشنل شناختی کارڈ، پاسپورٹ، مقامی اور فنی سکولوں اور کالجوں میں بچوں کے داخلے، سرکاری اداروں میں نوکریاں، ووٹر لسٹ میں اندراج وغیرہ۔ان کی ایک نسل یہاں پیدا ہو کر جوان ہو گئی ہے جبکہ بائیس سالہ عرصہ قیام کے بعد یہ لوگ سماجی، مقامی اور سیاسی طور یہاں کی سوسائٹی کا حصہ بن گئے ہیں اور پاکستان کے دیگر حصوں میں بھی آباد ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو مہاجر بھی نہیں بلکہ بلا گھر کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ لوگ ریاست کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں آ کر آباد ہوئے ہیں۔ان لوگوں کے کئی بچے بچیوں نے فنی کالجز سے تعلیم حاصل کر کے ملک کے مختلف حصوں میں خدمات انجام دینا شروع کر دی ہیں، کئی لوگوں نے کروڑوں کے کاروبار شروع کیئے ہیں اور اکا دوکا لوگ پاکستانی پاسپورٹ پر بیرون ملک چلے گئے ہیں جہاں سے بھی زرمبادلہ آزاد کشمیر، پاکستان میں اپنی فیملیز کو بھیجتے ہیں۔

گذشتہ دو سال سے شکائتیں سننے میں آئی ہیں کہ حکومت نے ان لوگوں کو قومی شناختی کارڈ جاری کرنا بند کر دیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو پاسپورٹ بھی نہیں مل سکتا اور ملک کے موجودہ سیکورٹی

صورتحال کے پیش نظر ملک بھر میں بدوں شناختی کارڈ ٹریول کرنا بھی ممکن نہیں ہے۔آزاد کشمیر کی واضح آئینی اور قانونی پوزیشن اور عدالتی فیصلوں کی موجودگی میں ایسا کرنا نہ صرف غیر آئینی بلکہ یہ غیر اخلاقی، بلا جواز اور ملکی سلامتی کے بھی منافی عمل ہے۔

ادھر ہندوستان کی مقبوضہ ریاست کی حکومت نے ہندوستانی حکومت کی اجازت اور ایماء پر ایک پالیسی ترتیب دے کر 1988 کے بعد مقبوضہ ریاست سے ہجرت کر کے پاکستان میں آباد ہونے والے لوگوں کو آبادکاری کا اعلان کیا ہے۔ میں ذاتی علمیت اور کیمپوں میں رہنے والے کشمیری مہاجرین کی نفسیات سے واقفیت کی بنا پر بلا خوف تردید یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس جھانسے میں یہ لوگ نہیں آئیں گے،اگر یہ ایسے ہوتے تو گھر بار چھوڑ کر کیمپوں میں کیوں آباد ہوتے۔ریاست کے دیگر حصوں یا ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں چلے جاتے جیسا کہ کشمیری غیر مسلموں نے کیا۔لیکن اندیشہ ہائے دور دراز کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ایک طرف قومی شناخت سے سرکاری طور انکار کیا جا رہا ہے۔دوسری طرف سے شناخت دینے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔انتھرو پالجسٹس کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان ہمیشہ شناخت کی تلاش میں ہی رہتا ہے۔اگر خدانخواستہ کسی وقت کسی نے بھی یہ پیشکش قبول کی تو کیا قومی سلامتی کو خدشات لاحق نہیں ہو جائیں گے؟اگر ان لوگوں کے انسانی اور شہری حقوق کو خاطر میں نہیں لایا جاتا کیا اس حقیقت کا کوئی ادراک نہیں کرنا کہ اس سے قومی سلامتی کو کسقدر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے؟

مقبوضہ کشمیر سے پاکستان یا آزاد کشمیر آنے والے لوگ پاکستان کے سٹیزن شپ ایکٹ کی دفعہ 14-B کے تحت پاکستان کے شہری اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت بھی ان کے حقوق مسلمہ ہیں جو بطور سٹیٹ سبجیکٹ پاکستان کے شہری ہیں۔ان لوگوں کا سٹیٹس افغان مہاجرین جیسا نہیں ہے اور نہ ان کا طرز عمل اور کمٹ منٹ ویسی ہے۔افغان مہاجرین یا مجاہدین کی طرح یہ لوگ پاکسان کے لئے کسی بدنامی یا پریشانی کا باعث بھی نہیں بنے ہیں۔اپنا ہنر اور علم لے کر یہاں کی سوسائٹی کو مستفید کر رہے ہیں۔ان لوگوں کو شناختی کارڈ سے محروم کرنے کی پالیسی کسی نادانی، کج فہمی یا آئین، قانون اور عدالتی فیصلوں سے لاعلمی کی بناء پر کیا گیا ہے۔جو نہ صرف غلط بلکہ قومی سلامتی کے خلاف عمل ہے۔پاکستان کشمیریوں کے حقوق کی جنگ لڑ رہا ہے جن لوگوں نے ہندوستانی ظلم وستم سے بچ کر یہاں پناہ لی ہے وہ بھی کشمیری ہیں ان کہ حقوق سے محروم کرنا نا قابل فہم بات ہے۔آزاد کشمیر کے وزیراعظم بلند بیانی میں تصوراتی دینا میں رہنے والوں کو بھی حقوق دے رہے ہیں پاکستان میں موجود حریت کانفرنس کے لوگ بھی ان ہی لوگوں میں سے ہیں، کیا وہ اس ناانصافی اور حق تلفی اور

اس کے قائم رہنے سے مرتب ہونے والے نتائج کا ادراک نہیں رکھتے ؟

(روزنامہ سیاست 08 جنوری 2011)

☆☆☆☆☆

انتفادہ کشمیراور پاکستان کی ذمہ داریاں

زندہ قومیں اپنی ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھ کر مستقبل کو سنوارتی ہیں،ہمیں بھی اس سلسلہ میں کوئی استثنیٰ حاصل نہیں ہے۔اخباروں اور ٹی وی مذاکروں میں کشمیر میں انتفادہ کے حوالہ سے یہ بات پڑھنے اور سننے میں آرہی ہے کہ کشمیر میں آزادی کی نئی لہر بصورت انتفادہ شروع ہوچکی ہے۔ لہریں ہمیشہ موجزن نہیں رہتیں۔ گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔سکوت بھی نئی لہر کی تیاریوں کا ایک مرحلہ ہوتا ہے۔کشمیر میں لہروں نے کبھی سکوت نہیں پکڑا البتہ ان کو over take کرنے کی کوشش کی گئی۔جن میں سے کچھ نے Hit back کیا اور کچھ نے ان کو تہیز بخشی۔مثلاً 1947 میں اگر وادی کشمیر میں قبائلی مددگاروں نے لوٹ مار، عصمت دری ایک دوسرے کے اوپر سبقت لینے کی کوشش نہ کی ہوتی تو وادی کشمیر کے لوگوں نے شیخ عبداللہ مرحوم کے فیصلے کے تحت کبھی پناہ نہ لی ہوتی اور جنگ آزادی کو قبائلی ریڈ کا نام نہ دیا ہوتا،جس پر اب کشمیری قوم نادم بھی ہے۔یہ ایک عارضی سکوت تھا چنگاری وہیں رہی اور انتفادہ جاری رہا 1965 ,1989 اور کارگل کے معرکوں میں اگر کشمیریوں کے نام پر بے دریغ بندوق کا استعمال نہ کیا گیا ہوتا تو ہندوستان کو کشمیر کے چپے چپے میں فوج کی بساط پھیلانے کا بہانہ ملتا۔ 1947 کے جہاد میں اگر پاکستان نے جنگ بندی کا معاہدہ نہ کیا ہوتا تو وادی کشمیر کو پاکستان کا حصہ بننے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔1961 میں بھارت چین جنگ کے دوران اگر پاکستان نے اپنا رول ادا کیا ہوتا تو کشمیر کے مسئلہ کا حل اس وقت یقینی ہوگیا ہوتا جس پر شیخ عبداللہ نے کہا تھا کہ ''جنگ کے ذریعہ کشمیر لینے کی پاکستان کی بس ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئی ہے''۔آزادی کی لہروں کے عروج کے زمانے میں اگر پاکستان، ہندوستان کے بات چیت کے جھانسے میں آکر بھارت کو ریلیف نہ دیتا اس کے پاؤں کشمیر میں کبھی جم نہ سکتے۔1953 میں شیخ عبداللہ کی برطرفی اور گرفتاری، 1962 میں موئے مقدس کی بے حرمتی 2009 میں شرائن بورڈ کے خلاف تحریک اور اب چار ماہ سے غیر متزلزل تحریک کے دوران اگر پاکستان سلامتی کونسل کے تحت اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا تو بھی بہت کچھ ہونے کا امکان تھا اور ہے۔آخری تین تحریکیں indigence , spontaneous اور non-violent ہیں جن کے دوران ہندوستانی تشدد کو کسی مہذب ملک، بلکہ ہندوستان کی سول سوسائٹی نے بھی تسلیم نہیں کیا۔حتیٰ کے ہندوستانی فوج کے سربراہ اور وزیر داخلہ نے بھی اعتراف کرتے ہوئے مسئلے کو سیاسی طور حل کرنے پر زور دیا۔اس کو بھارت کی شکست کے طور پر exploit کرنے کے بجائے حقیقت پسندی کی طرف

ایک قدم کے طور تسلیم کر کے اس کو مزید آگے بڑھنے کے لئے نہ صرف مجبور بلکہ آمادہ بھی کرنا چاہیئے ۔اس میں پوائنٹ سکورنگ والی بات نہیں ہونی چاہیئے ۔پاکستانی اور بھارتی سول سوسائٹی کے ذریعے، دنیا کی انسانی حقوق کی تنظیموں کی مدد لیکر ہندوستان کی حکومت پر دباؤ بڑھانے کی ضرورت ہے ۔تذلیل کرنے سے جذبات میں شدت اور انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔کشمیری لوگوں کی تحریک سے پاکستان کو سبق سیکھنا چاہیئے جو صرف یہ نعرہ لگا رہے ہیں ''بھارتیو کشمیر چھوڑ دو'' ۔یہ سلامتی کونسل اور ہندوستانی لیڈروں کی قراردادوں اور وعدوں کے عین مطابق ہے ۔پاکستان کو بھی اس لائن پر چلنے کی ضرورت ہے ۔کشمیر کی تحریک صحیح سمت میں جا رہی ہے اس کی حوصلہ افزائی سفارتی اور سیاسی مدد کی ضرورت ہے جو سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت پاکستان کی ذمہ داری ہے ۔

جہاں تک انتفادہ کا تعلق ہے یہ کشمیر میں سوائے 1989 تا 1994 اور کچھ بعد تک، ہمیشہ جاری رہا ہے ۔انتفادہ کو کشمیری زبان میں ''کینی جنگ'' stone war کہتے تھے ۔ہم نے بھی اپنے سکول ۔کالج اور اس کے بعد بندوق کے داخل ہونے تک اس کو جاری رکھا ۔ہندوستان نے اس جنگ کے مقابلے کے لئے پولیس اور زیادہ سے زیادہ پیرا ملٹری فورس رکھی تھی لیکن جب بندوق درمیان میں آ گئی اور ''پتھر'' پس پشت چلے گئے تو ہندوستانی فوج اور اس کے جدید ترین ہتھیاروں نے جگہ لے لی جس نے لاکھوں لوگوں کی جان ۔لاکھوں کو معذور اور اپاہج کر دیا ہے اور درمیان کی ایک نسل ہی غائب کر دی ہے ۔لہٰذا اب کشمیریوں کو باہر سے کنٹرول کرنا چھوڑ دیں، ان کو ان کے حال پر چھوڑیں، اور ان کو stone war کے ذریعہ اپنی تحریک چلانے دیں ۔ان کو کسی ایجنسی کے ذریعہ یا کسی ایک گروپ کو دوسرے گروپ پر ترجیح دے کر آپس میں لڑانے یا ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش نہ کی جائے ۔اس انتفادہ کو high light کرنے میں ان کی مدد کی جائے اور دنیا کی توجہ اس پر مبذول کروائی جائے ۔کشمیری جس حال میں بھی ہندوستان سے آزاد ہونا چاہتے ہیں ان کو اس میں کامیاب ہونے دیں ۔ہندوستان نے بالآخر کشمیر کو چھوڑنا ہے یہ میرا ایمان ہے ۔بہتر ہے کہ ہندوستان اچھے دوستوں کی طرح الگ ہو جائے اور پاکستان کشمیریوں کے ہر فیصلے کو خندہ پیشانی سے قبول کرے ۔ایسا کشمیر جس میں ہندوستانی فوج نہیں ہوگی وہ ہر لحاظ سے پاکستان ہی ہوگا ۔

پارلیمنٹ آف پاکستان نے کشمیر کے حالات کے حوالہ سے ایک متفقہ قرارداد پاس کی ہے جو خوش آئند بات ہے حکومت پاکستان نے اپنا سکوت توڑا ہے ۔اتنا ہی کافی نہیں ہے ۔پاکستان اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے کشمیر کا کیس یو این میں لے جائے ۔ اور یہ مطالبہ کیا جائے کہ ہندوستان کشمیر میں 1947 کی پوزیشن بحال کرے کیونکہ اب معاملہ فوجوں کے نکالنے یا AFSPA یا دیگر قوانین کی خاتمے کا نہیں، بات اس

کے آگے بڑھ گئی ہے۔ایسا مطالبہ کرنا بھی ہندوستان کے کشمیر میں رہنے کو جواز بخشتا ہے۔ دنیا بھر میں پاکستانی سفارت خانوں میں کشمیر کے لئے خصوصی ڈیسک قائم کیئے جائیں جو کشمیریوں پر ہونے والے ظلم کو آشکارہ کر کے دنیا کی حمایت حاصل کریں۔بھارتی پارلیمنٹ کی 1994 کی قرارداد کے مقابلے میں قومی اسمبلی کم از کم اس قرارداد کا اعادہ کرے جو 1957 میں سلامتی کونسل نے پاس کر کے ہندوستان کے کشمیر پر دعوے کو رد کیا تھا۔ بہتر ہوگا کہ کشمیر کے مسئلے کو دنیا میں اجاگر کرنے کے لئے کشمیری نژاد لوگوں کی مدد کی جائے جو اس معاملے کو دنیا کے پلیٹ فارم پر اجاگر کریں جس کی بین الاقوامی سطح پر پذیرائی اور اثر بھی ہوگا۔

آزاد کشمیر کی حکومت اور مقامی اقتدار کی سیاست کرنے والی جماعتوں کے مقامی ایجنڈے ہیں جن کا آزاد کشمیر کا آئین اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت کشمیر کے بارے میں کوئی رول نہیں ہے بلکہ اس کی ممانعت ہے۔ان کا شور وغل مقامی consumption کے لئے ہے۔ہاں بیرون ملک آباد کشمیری اپنا رول ادا کر رہے ہیں اور ان کو ایسا کرنے کے لئے حکومت پاکستان برسرپیکار کشمیریوں کی خواہش کے مطابق رول ادا کرنے کے لئے مدد کرے۔آزاد کشمیر کی مقامی سیاست کرنے والی جماعتیں بیرون ملک آباد کشمیریوں کو اپنی جماعتوں کے لئے نہیں بلکہ برسرپیکار کشمیریوں کی مدد کے لئے ان کے ایجنڈے پر کام کرنے پر مامور کریں۔ان سے چندہ لینے کے بجائے ان کی مدد کی جائے کہ وہ یہی چندہ مقبوضہ کشمیر کی تحریک کے لئے استعمال کریں۔کشمیر کے نام پر کافی کمائی ہوگئی ہے۔اب اس کمائی کے سود پر گزارہ کریں ایسا نہ ہو کہ اصل زر بھی واپس دینا پڑے جس کا وقت قریب آگیا ہے۔

حکومت پاکستان کو چاہیئے کہ وہ آزاد کشمیر کی حکومت کو نہ صرف سلامتی کونسل کی قراردادوں کے عین مطابق empower کرے بلکہ اس سے بڑھکر رول دے تاکہ مقبوضہ کشمیر کے برسرپیکار نوجوانوں کے لئے پاکستان Firist option بن جائے۔جو فیڈرل سبجیکٹ حکومت پاکستان کے بالواسطہ اور بلاواسطہ کنٹرول میں ہیں۔ان کی حد تک آزاد کشمیر کے لوگوں کو اس وقت تک پاکستان کی پارلیمنٹ اور حکومت میں نمائندگی دی جائے جب تک پاکستان ہندوستان اور کشمیری، کشمیر کے بارے میں حتمی فیصلہ نہیں کر لیتے اور تینوں فریق جو بھی فیصلہ کریں وہ یو این کی گارنٹی سے ہونا چاہیئے۔سلامتی کونسل کی قراردادوں اور کشمیریوں کی قربانیوں نے ہی کشمیر کا مسئلہ قائم کیا ہے اور ان ہی کی وجہ سے اس کا قانونی اور سیاسی وجود قائم ہے۔پاکستان اس مرحلہ پر ہندوستان کے ساتھ بات چیت کے کسی جھانسے میں آکر انتفادہ کو کمزور اور کشمیریوں کو بدگمان نہ کرے۔ جب کشمیری ہندوستان کے ساتھ بات چیت پر آمادہ ہوں تب ہی پاکستان بھی ہو اس کے لئے کشمیریوں کو مجبور نہ کیا جائے۔

یہ ان کی تحریک ہے اور ان کو ہی چلانے دی جائے وہ اپنے حقائق کا بہتر ادراک رکھتے ہیں ہم اپنی مقامی سیاست ،اقتدار اور منفعت کے حوالے سے فیصلے کرتے ہیں جن کو بر سر پیکار کشمیریوں پر نہ ٹھونسا جائے۔

آزاد کشمیر کے کچھ لیڈروں اور جماعتوں کے بیانات مشاہدے میں آئے ہیں کہ جنگ بندی لائن توڑ دی جائے یا مارچ کیا جائے ۔مارچ ضرور کریں لیکن ایسی غیر ذمہ دار حرکت نہ کریں جس سے مملکت پاکستان کی بین الاقوامی ذمہ داریوں اور انڈیا پاکستان معاہدوں پر حرف آئے ۔مثلاً 1949 کا جنگ بندی معاہدہ، شملہ معائدہ یا بعد ازاں Memorandum of understanding وغیرہ یہ حکومت پاکستان کی بین لاقوامی ذمہ داریاں ہیں ان کی خلاف ورزی ہندوستان کو جارحیت کرنے اور کشمیریوں کو مزید پیسنے کا جواز مہیاء کرے گی ۔ذمہ دار جماعتوں اور لیڈروں کو ذمہ داری کا مظاہرہ کرنا چاہیئے ۔آزاد کشمیر میں مرکزی جماعتوں کی اس سے بھی زیادہ ذمہ داریاں بنتی ہیں ۔ وہ آگے آ کر مرکز میں اپنے پارلیمنٹریز کو سرگرمی سے رول ادا کرنے پر مجبور کریں ۔پاکستان میں آباد کشمیری اور مہاجر نشستوں پر آزاد کشمیر اسمبلی میں ممبران یہ رول ادا کریں۔

مسلم لیگ (ن) اگر اس مرحلے پر میدان میں آجاتی ہے تو تحریک کو مہمیز ملے گی۔کشمیر کو ایک کشمیری نژاد ہندوستانی پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے سحر کا اسیر بنایا ہے جس کا توڑ دوسرا کشمیری نژاد میاں محمد نواز شریف ہی ہوسکتا ہے ۔یہ بجا ہوگا کہ قائداعظم نے کسی مرحلے پر کہا تھا کہ مسلم کانفرنس ہی مسلم لیگ کی قائمقام ہے ۔لیکن کون سی مسلم کانفرنس جنرل ایوب کی، جنرل ضیاء کی، جنرل پرویز مشرف کی ۔چوہدری شجاعت کی PNA کی تحریک کو چھوڑ کر بھاگنے اور اب پیپلز پارٹی میں شامل ہونے والی مسلم کانفرنس؟ حقائق کا ادراک کیا جائے یہی قومی مفاد ہے ۔پاکستان سے یکجہتی وہاں کے عوام سے یکجہتی ہے جو جماعتیں بناتے ہیں حکومتوں سے نہیں جو غاصبوں کے پاس بھی رہی ہیں اور حال ہی میں بیدخل کیئے گئے ایک ایسے غاصب کے پاس بھی جس نے آئین اور عدلیہ پر بھی ایمرجنسی لگا کر مارشل لاء لگایا جس کا ملٹری ڈیموکریسی والوں اور کچھ کشمیری جماعتوں نے خیر مقدم کیا۔ٹھو ۔فاعتبر و یا اولابصار ۔

(ڈیلی خبرنامہ 23 ستمبر 2010)

ڈوگرہ سرٹیفکیٹ

ع اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

ہندوستانی مقبوضہ کشمیر کی حکومت نے 25/مارچ 2011 کو ایک فرمان حکومت کے ذریعہ صوبہ جموں میں رہنے والے لوگوں کے لئے ''ڈوگرہ سرٹیفکیٹ'' جاری کرنے کے لئے مقامی تحصیلداروں کو اختیار دیکر صوبہ جموں کے ہر اس ریاستی باشندے کو اس سرٹیفکیٹ کا مستحق قرار دیا جو 1944 سے صوبہ جموں میں رہائش پذیر ہے۔ ریاستی وزیر مال رمن بھلا نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس سرٹیفکیٹ کی بناء پر اس صوبے کے لوگ فوج اور نیم فوجی اداروں میں بھرتی کا استحقاق رکھیں گے حالانکہ سرینگر میں فوج کے ترجمان نے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ فوج میں بھرتی کے لئے ایسے کسی سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔

ڈوگرہ عرف عام میں جموں کے اس ہندو خاندان کو کہتے ہیں جس نے معاہدہ امرتسر کے ذریعہ کشمیر کو خرید کر ریاست جموں وکشمیر کی بنیاد ڈالی۔ جبکہ تاریخی اعتبار سے صوبہ جموں کے جنوبی علاقے جو پنجاب سے ملتے ہیں میں رہنے والے بلا تمیز مہذہب ڈوگرہ کہلاتے ہیں۔ لیکن اس تاریخی حیثیت کو ایک صد سالہ ڈوگرہ حکمران نے واضح طور پر جھٹلایا کیونکہ صرف حکمران خاندان ڈوگرہ مانا جاتا رہا اور تمام سرکاری عہدوں پر صرف جموں کے ڈوگرہ حکمران خاندان یا درجہ اول ہندو راجپوت فائز رہے۔ حکمران ڈوگرہ خاندان ریاست جموں وکشمیر میں باقی علاقوں اور قومیتوں کے لئے ظلم، بربریت اور جبر کی علامت سمجھا جاتا تھا جس کی حکمرانی سے نجات کے لئے جملہ مسلمانان کشمیر اور دیگر غیر مسلم بھی برسر پیکار رہے۔ اس اعتبار سے یہ سرٹیفکیٹ ماضی کی تاریخ کو دھرانے کے مترادف ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

مقبوضہ ریاست کی حکومت میں شامل جماعتوں کے علاوہ باقی تمام جماعتوں نے اس اقدام کی مخالفت اور مزاحمت کی ہے جبکہ حریت کانفرنس کے رہنماوں نے اس کو وحدت کشمیر کے خلاف ایک سازش قرار دیا ہے۔ حکومت ہندوستان اور ریاست میں اس کے ہمنواوں پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ وادی کشمیر اور اس کے ملحقہ صوبہ جموں اور لداخ میں شامل مسلم اکثریتی علاقے کسی طور بھی ہندوستان کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں اور یہ آگ ٹھنڈا ہونے کو آتی ہی نہیں۔ اس خدشہ کے پیش نظر یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ مقامی اور عالمی

دباؤ کے تحت اگر ہندوستان کو ریاست کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ہی پڑے تو یہ علاقے اس پیکج میں سے الگ رکھے جائیں۔اس سے پہلے لداخ کے لئے ہندوستانی حکومت نے Hill Autonomous Council کا اجراء کیا ہوا ہے اور عملی طور یہ علاقہ سرینگر کی حکومت کے بجائے دہلی کی حکومت کے ساتھ ہیں۔اس قسم کی تاریخ صوبہ جموں کے لئے رقم کی جارہی ہے اور اس سرٹیفکیٹ کا اجراء اس کی طرف پہلا قدم ہے تاکہ وادی کشمیر اور تحریک کو Isolate کیا جائے۔

زمینی اور تاریخی حقائق اس بات کے گواہ ہیں کہ کشمیر صرف ان علاقوں کا نام ہے جو وادی کشمیر اور اس سے ملحق صوبہ جموں کے وہ مضافاتی علاقے ہیں جو دریائے چناب اور پیر پنجال کے درمیان واقع ہیں جن میں پونچھ سے لیکر کشتواڑ کی درمیانی پٹی واقع ہے۔یہ علاقے مقامی راجوں کے زیر نگین ضرور رہے مگر ریاست کشمیر کے والی کے باجگذار کے طور۔

جہاں تک وحدت کشمیر کا تعلق ہے اگر چہ یہ ایک فرضی اور متضاد داستان نہیں بھی، لیکن ہمہ گیر حقیقت بھی نہیں ہے۔کشمیر کی وحدت اگر کوئی ہے تو وہ محض ان علاقوں کے ایک حکمران کے قلمرو میں شامل ہونے کی وجہ سے ہے اور وہ بھی ایک ایسی دستاویز کے تحت (معاہدہ امرتسر) جس کو اہلیان کشمیر غلامی کی دستاویز کہتے اور آج تک اس کو طعن وملامت کا شکار بنایا ہوا ہے۔اگر وہ دستاویز غلط اور غیر اخلاقی تھی تو اس کے تحت وجود میں لائی گئی ریاست کا کیا اخلاقی اور قانونی جواز ہے؟ اسی معاہدے کے ذریعے کشمیریوں کو سکھوں سے آزادی ملی گو کہ یہ کڑاہی سے چولھے میں گرنے کے مترادف ہے۔اس معاہدے میں کہوٹہ پکھلی اور ہزارہ کے علاقے بھی کشمیر میں شامل تھے جن کا بعد میں میرپور کے مضافاتی علاقوں سے تبادلہ کیا گیا۔لہذا وحدت کی رٹ سیاسی بیان بازی کی حد تک درست لیکن تاریخی اور زمینی حقائق سے کلہم مطابقت نہیں رکھتی۔آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے صف اول کے لیڈر پس پردہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں لیکن برسر عام سیاسی مصلحتوں کے تحت ایسا کہتے نہیں۔قومی معاملات میں مصلحتیں قوموں کو اندھیروں میں دھکیلتی ہیں۔حقائق کو تسلیم کرنے سے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں۔گاندھی جی بھی تو ہندوستان کے بٹوارے کو گئو ماتا کا بٹوارہ کہتے تھے لیکن بالآخر تسلیم کرنا پڑا اور پھر پاکستان کے حصہ کی رقم واگزار کرنے کے لئے مرن بھرت بھی کیا۔پاکستان نے اپنے اٹوٹ انگ مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کے طور تسلیم کرلیا۔

اسی طرح ریاست کشمیر کی تحریک آزادی کشمیر سے خائف ہونے کی بناء پر ہندوستان کی حکومت کو ڈوگرہ سرٹیفکیٹ اور لداخ ہل کونسل وغیرہ کے نام پر ریاست کو تقسیم کرنے کا ارادہ ہے تو برملا کہے جس پر بات

ہونی چاہیے۔ کشمیر اور ہندوستان و پاکستان کی لیڈر شپ جو اندرون خانہ ایسی باتیں کرتے ہیں کو بھی حقائق کا ادراک کر کے سوچنا چاہیئے کہ ہندوستان کی تقسیم کے وقت گلی محلے بھی تقسیم ہوئے نا مک ٹوئیاں مارنے کے بجائے جغرافیائی اور تاریخی حقائق کی بناء پر کوئی پائیدار حل تلاش کرنے میں کیا امر مانع ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت 12 اپریل 2011)

☆☆☆☆☆

وزیراعظم آزاد کشمیر کا انتخاب اور بیس کیمپ

26 جولائی 2011 کو آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی نے گیارویں وزیراعظم کا انتخاب کیا جس میں بجا طور پر پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے چوہدری عبدالمجید کو منتخب کیا گیا جو اکثریتی پارٹی کے نامزد امیدوار تھے۔ چوہدری صاحب کہنہ مشق سیاسی ورکر اور آزاد کشمیر اسمبلی میں سال 1985 سے مسلسل ممبر چلے آرہے ہیں۔ پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے صدر کی حیثیت سے جمہوری روایات کے مطابق وزیراعظم بننا ان ہی کا استحقاق تھا۔ ان کے انتخاب کے بعد رسمی کارروائی کے طور چند ممبران اسمبلی، جس میں ایوان کے دونوں حصوں کے ممبران تھے، نے اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ اکثر چہرے جانے پہچانے اور سابقہ یا اس سے قبل کی اسمبلی کے ممبر رہ چکے ہیں۔ کچھ نئے چہروں نے بھی اپنے جذبات کا اظہار یقیناً بڑی اعتمادی سے کیا۔ اللہ کرے حکومتی اور حزب اختلاف کے ممبران اپنی اپنی ذمہ داریاں بخوبی انجام دیں اور جمہوری روایات کو برقرار رکھیں۔ مجھے تقریباً سب ممبران کی تقریر سننے کا موقع ملا جنہوں نے آزاد کشمیر کے آزادی کے بیس کیمپ کے الفاظ بالتکرار دہرائے ان الفاظ یا اس سیاسی نعرے کا قانونی اور سیاسی پس منظر میں ادراک کیا جانا وقت اور حقائق کا تقاضا ہے۔

آزاد کشمیر حکومت کا قیام 24 اکتوبر 1947 کے ڈیکلریشن کے ذریعہ عمل میں آیا۔ اس کے چند الفاظ جن کو بیس کیمپ کے مترادف سمجھا جا سکتا ہے یوں ہیں۔

> "The provisional Government entertains sentiments of the utmost friendliness and Good will towards its neighbouring dominions of India and Pakistan....."

ان الفاظ کی روشنی میں آزاد کشمیر ایک آزاد اور خودمختار حکومت کے طور معرض وجود میں آئی جس کی بنا پر اس کو بیس کیمپ کے الفاظ سے نوازا گیا گو کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ان الفاظ نے اپنی افادیت اس وقت کھو دی جب 13 اگست 1948 اور اس کے بعد UNCIP ریزولیشنز کے تحت ریاست کے آزاد علاقے پاکستان ہائی کمانڈ کے سپرد کیئے گئے اور 29 جولائی 1949 کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ عمل میں آیا جس کے تحت دونوں ملکوں کے زیر کنٹرول ریاست کی حد بندی کی گئی۔ اس کے بعد کراچی معاہدے کے تحت آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان کے درمیان اختیارات کی تقسیم کی گئی اس معاہدے کے بعد حکومت پاکستان کی منسٹری آف کشمیر افیرس کی منظوری سے آزاد کشمیر کے صدر کا تقرر کیا جانے لگا جو سلسلہ ایکٹ

1970 تک کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا جس کے بعد صدارتی الیکشن براہ راست ووٹ سے عمل میں لایا گیا۔ حکومت پاکستان کے کیبنٹ ڈویژن سے 11 مئی 1971 کے نوٹیفیکشن کے ذریعہ آزاد کشمیر کو ایک صوبے کے برابر درجہ دیا گیا۔ جس کے متعلقہ الفاظ یوں ہیں۔

"It should for all practical purposes be treated like any other province"

اس نوٹیفیکشن کے دوسرے حصے میں ہدایت کی گئی ہے کہ

"..... Every ministry in the field of its special responsibility should look upon and deal with Azad Kashmir as if it were another administrative unit of the country....."

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کی 1988 کی حکومت نے 6 جون 1988 کو اسی طرز کا دوسرا نوٹیفیکشن جاری کیا۔ اتفاق کی بات ہے دونوں موقعوں پر آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی حکومت تھی جو سب سے زیادہ ''بیس کیمپ'' کی دعویدار ہے۔ 1974 کے آئین کے تحت جو بھٹو صاحب شہید نے دیا تھا کی رو سے فیڈرل طرز کے تمام اختیارات وزیراعظم پاکستان کو چیئرمین کشمیر کونسل کے نام پر تفویض کیئے گئے اور آزاد کشمیر حکومت کے پاس صوبائی طرز کے اختیارات ہیں جن کی نگرانی بھی فیڈرل بیوروکریسی کرتی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت بھی آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی حکومت تھی۔

ان قانونی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں آزاد کشمیر کو آزادی کا بیس کیمپ کہنا آنکھوں میں دھول نہیں بلکہ مرچیں جونکنے کے برابر ہے۔ بہہ جانے والے پانی زبان سے نکلے الفاظ اور بندوق سے نکلی ہوئی گولی واپس نہیں آتے جو Arrangement مختلف قانونی اور سیاسی دستاویزات کے تحت عمل میں آئے ہیں ان کو پاکستان کے آئین میں ترمیم کر کے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو خصوصی درجہ دیکر اس وقت تک قومی آئینی دھارے میں شامل کیا جائے جب تک پورے کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوتا اور کشمیر پاکستان کے آئین کی دفعہ 257 کے تحت الحاق کی شرائط طے نہیں کرتے۔ پاکستان مسلم لیگ آزاد کشمیر نے اپنے منشور میں پاکستان کے قومی اداروں نیشنل فنانس کمیشن، اکانومک کونسل، ارسا، کونسل آف کامن انٹرسٹ، منگلا ڈیم کی رائلٹی وغیرہ میں نمائندگی کا وعدہ کیا ہے جو آئین میں ترمیم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ آزاد کشمیر کے الیکشن میں 90% سے زیادہ ووٹ پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان مسلم لیگ اور الحاق پاکستان کی داعی جماعت مسلم کانفرنس نے حاصل کیئے ہیں ان کی ہی زمہ

داری بنتی ہے کہ آزاد کشمیر کے لوگوں کو Empower کرنے کے لئے قومی سطح پر پاکستان اور مقامی سطح پر آزاد کشمیر کے آئین میں ترمیم ممکن بنائیں تا کہ یہاں کے لوگ بھی ان فیوض سے مستفید ہوں جو ملک کے باقی صوبے اور ہم وطن حاصل کر رہے ہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت 28 جولائی 2011)

☆☆☆☆☆

یوم تاسیس، یوم سیاہ اور قومی دھارا

27/اکتوبر 1947 کو مہاراجہ کشمیر کے غیر آئینی اور غیر اخلاقی الحاق نامہ کی بنیاد پر ہندوستان نے مقبوضہ ریاست جموں وکشمیر پر بذریعہ فوج قبضہ کرلیا اس دن کو ہم یوم سیاہ کے طور پر مناتے ہیں جبکہ اس سے قبل ریاست کے آزاد حصوں پر مشتمل حکومت 24/اکتوبر 1947 کو قائم کی جا چکی تھی اور مہاراجہ ریاستی دارالخلافہ سرینگر چھوڑ چکا تھا۔ریاست کے سواد اعظم نے 29 جولائی 1947 کو قرارداد الحاق پاکستان کے بعد 24/اکتوبر 1947 کی حکومت کے قیام کے ذریعہ اپنی سمت کا تعین کر دیا تھا۔اس دن کو ہم یوم تاسیس کے طور مناتے ہیں۔اس وقت تک ریاست کے آزاد حصوں کے عام لوگوں کے قول وفعل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ ان کی Choice صرف پاکستان ہے جبکہ ایک مخصوص لیڈرشپ اس حقیقت کو اپنی ذاتی اعتراض کی خاطر متنازعہ بنا رہی ہے جس کی پشت پناہی مملکت کی اسٹیبلشمنٹ کے کچھ نا عاقبت اندیش لوگ اپنے معمولی ذاتی اغراض کے لئے کر رہے ہیں جس وجہ سے ریاست کے آزاد حصوں کو مملکت پاکستان کے اندر وہ مقام نہیں مل رہا جو ملک کے باقی انتظامی یونٹس کا ہے۔ریاست کی یوتھ اپنی اور اپنی ریاستی شناخت کی تلاش میں ہے۔ کئی لوگوں کو 24/اکتوبر کو ایک SMS موصول ہوا ہے جس سے لوگوں کے جذبات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔sms کو ہو بہو پیش کیا جا رہا ہے۔

> "Buhat afsos ki bat ha aj agr 14 August ya 23 march hota to suba se le k sham tk wishing msg frwd hote rhte mgr aj hamri apni azadi ka din 24 october ha r kisi kashmiri ko koi khbr ni ha. any way i'm kashmiri n i wish u independence day 24th oct".

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ علاقے 'ہندوستان کے آئین' بین الاقوامی قانون اور پاکستان کے آئین کی روح کے مطابق پاکستانی ہونے کے باعث قومی دھارے میں شامل ہو کر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی شناخت اور ان حقوق سے مستفید ہو سکتے ہیں جو مہذب دنیا کے لوگوں کو میسر ہیں۔اس وقت ان علاقوں میں رہنے والے یا اس کے حوالے سے دنیا میں مقیم ریاستی باشندے وہ مقام نہیں رکھتے جو مملکت پاکستان کے صوبوں کے لوگوں کو اندرون اور بیرون ملک حاصل ہیں حالانکہ یہ لوگ رنگ۔نسل۔زبان۔اہلیت اور علم و

حکمت کی بناء پر اپنے دیگر ہم وطنوں سے کسی طور کم نہیں ۔ایک ہی یونیورسٹی اور اکیڈمی سے فارغ تحصیل دو الگ الگ رویہ کے شکار ہیں جبکہ دونوں کو ذمہ داریوں کے لحاظ سے یکساں ٹریٹ کیا جاتا ہے یہ محض ایک رویہ کی وجہ سے ہے جو چند سیاست دان اپنی اجارہ داری قائم کرنے اور رکھنے کے لئے اسٹیبلشمنٹ کے ذریعہ روا رکھے ہوئے ہیں جبکہ عوام الناس اور اس انتظامی ڈھانچہ کے علاوہ مملکت پاکستان اور لوگوں پر اس کے منفی اثرات گہرے ہوتے جا رہے ہیں ۔لوگوں کی مملکت پاکستان اور کشمیر کی آزادی سے جذباتی وابستگی کی بناء پر یہ باور کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے کہ اگر اس ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی لائی گئی تو یہ دونوں cause متاثر ہو جائیں گے ۔

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

حالانکہ 1947 سے لے کر آج تک کئی دفعہ ان علاقوں کے انتظامی ڈھانچوں میں تبدیلی لائی جا چکی ہے جن سے کسی طور بھی اس علاقے کے لوگوں کی مملکت پاکستان اور کشمیر کاز سے وابستگی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ مثلاً 1947 سے 1970 تک آزاد کشمیر میں صدارتی طرز حکومت تھا اور زیادہ عرصہ تک صدر صرف اس شخص کو منتخب کیا جاتا رہا جو مسلم کانفرنس کے اس دھڑے کا نامزد ہوتا جس کو منسٹری آف کشمیر افیئرز نے تسلیم کیا ہو ۔اس کے بعد 1975 میں پارلیمانی نظام لایا گیا جس میں صدر کے علاوہ وزیر اعظم کا عہدہ بھی تخلیق کیا گیا۔ 1977 میں آئین میں انتہائی غیر اخلاقی ۔غیر انسانی اور غیر آئینی ترمیم کرتے ہوئے صدر اور وزیر اعظم کا عہدہ ختم کر کے منتظم اعلی کا عہدہ تخلیق کیا گیا جس کو اسمبلی کے سپیکر کے علاوہ دیگر جملہ حکومتی اختیارات حاصل رہے 1985 میں پھر پارلیمانی نظام وجود میں آیا جو اس وقت تک چل رہا ہے 2006 کے جعلی اور meneoured الیکشن کے نتیجہ میں جو اسمبلی وجود میں آئی وہ اس وقت تک چار بار وزیر اعظم تبدیل کر چکی ہے اور معزز ممبران اسمبلی کو اس بات پر کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں ۔اس کی ایک خاص وجہ ہے کہ کئی اسمبلی ممبران کے خلاف انتخابی عذر داریاں اس وقت تک زیر سماعت ہیں۔ چیف الیکشن کمشنر جسکو الیکشن میں دھاندلی کرانے کے صلے چیف جسٹس آزاد کشمیر بنایا گیا، نے بحیثیت چیف جسٹس پہلے تو الیکشن ٹریبونلز پر ناجائز اثر ڈال کر سمری سماعت کے طور پر عذر داریوں کے من مانے فیصلے کرائے اور ان کے خلاف اپیلیں اپنے پاس دبا رکھیں جن کی سپریم کورٹ میں ماسوائے ایک دو اپیلوں کے کسی جج کے پاس سماعت کی باری ہی نہیں آنے دی گئی اور اس طرح ممبران کو بلیک میل کیا۔

اسی طرح گلگت بلتستان میں مدت دراز تک فرنٹیئر کرائم ریگولیشنز نافذ کر کے جنگل کا قانون روا

رکھا جس کے بعد لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت رسمی طور مقامی انتظامی سربراہ مقرر کیا جاتا رہا لیکن اصل اختیارات منسٹری آف کشمیر کے پاس ہی رہے۔ وہاں کے لوگوں میں یہ بات زبان زد عام تھی جو کرے گا KANA کرے گا۔ یہ ذو معنی بات طنزاً کہی جاتی ہے کہ حکومت کرنے والے کانے ہیں یعنی انصاف نہیں کرتے۔ اب وہاں آزاد کشمیر طرز کا ڈھانچہ بنا کر انتظامی سربراہوں کو گورنر اور وزیر اعلیٰ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ بھی اس صدی کا سب سے بڑا فراڈ ہے کہ نام تو دیئے گئے لیکن مقام وہ نہیں ہے جو ملک کے باقی صوبوں کا ہے یہی حالت آزاد کشمیر کے انتظامی سربراہوں کا ہے جو نام کے طور پر صدر اور وزیر اعظم ہیں لیکن مقام لوکل لیول کی اتھارٹی کا بھی نہیں ہے لیکن یہ عمل ناجائز بھی نہیں کیونکہ مملکت پاکستان کے آئین میں اس قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ان لوگوں کا مقام ملکی سیاست میں ان کے اپنے مقام سے وابستہ ہے ملک کے آئین اور قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہیں اسی لئے آزاد کشمیر کے ایک بڑے قد کے لیڈر نے کہا تھا کہ ان علاقوں کا مقام ایسا ہی رہنا جہاں کبھی ہم اوپر اور کبھی وہ۔ اس وقت گلگت بلتستان کے گورنر اور وزیر اعلیٰ کا مقام (مرتبہ نہیں) آزاد کشمیر کے صدر اور وزیر اعظم سے اعلیٰ ہے کیونکہ ان کا ملک میں تعلق حکمران پیپلز پارٹی سے ہے۔ اس کے پس پردہ ایک نفسیاتی حکمت بھی کارفرما ہے وہ یہ کہ ملک میں سول اور پولیٹیکل بیوروکریسی اس رقبہ اور آبادی کے علاقوں کے گورنر اور وزیر اعلیٰ کے نام کو تو ہضم کر سکتے ہے۔ صدر اور وزیر اعظم کے نام کو ہضم کرنا ان کیلئے مشکل ہے۔ ملک کا صرف ایک ہی صدر اور ایک ہی وزیر اعظم ہے۔ گو کہ ان علاقوں کا مقامی انتظام ہو بہو صوبائی طرز پر ہے لیکن مرکزی آئین میں صوبے کا درجہ نہ ہونے کی وجہ سے بطور حق یہ لوگ کوئی بات منوانے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوتے۔ بالخصوص وہ جن کی اخلاقی اور سیاسی پوزیشن بھی کمزور ہو۔

اس سارے عمل یا بدعملی کے باوجود اگر کشمیر کا زمتار نہیں ہوا تو اس کو ترتیب دے کر ایک مرکزی سسٹم کے ساتھ آئین کے تحت منسلک کرنے سے اس میں نئی روح اور جان پڑے گی۔ کوئی کمزوری نہیں آئے گی۔

ہماری خواہش کے مطابق پورے کشمیر کے حل ہونے کا معاملہ دو چار دنوں کی بات نہیں ہے۔ عقلمندوں نے اس گتھی کو سوچ کے الجھایا ہے۔ اس نے حل ضرور ہونا ہے لیکن یہ اسوقت تک ممکن نہیں جب تک پاکستان اقتصادی اور سیاسی طور پر اتنا مضبوط نہ ہوگا جتنا ہندوستان ہے۔ اگرچہ ملک کی فوج ہندوستان کے برابر ہے۔ اگر پاکستان چاہے بھی مقبوضہ کشمیر کے لوگ اس مسئلہ کو ہندوستان کی شرائط پر ختم نہیں ہونے دیں گے لیکن جب تک پاکستان اقتصادی طور پر اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہوگا سیاسی اور انتظامی انصاف کے اصولوں کو پورا نہیں کرے گا اور کشمیر پر اپنے موقف پر جم کر ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کرے گا اس وقت تک کچھ ممکن نہیں

ہوسکتا۔کیاان حالات میں ریاست کے آزاد خطے کے لوگوں کے حقوق کو اس کا hostage رکھنا مناسب ہے ۔ہرگز نہیں۔اس کا ادراک کیا جانا لازمی ہے۔قومی نوعیت کے مسائل کو قومی مفاد میں حل کرنے میں وقت لگتا ہے لیکن اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان 'وصبرو وصابرو ورابطو' پر ایمان رکھنا ضروری ہے تب ہی فلاح ممکن ہے۔سپین اور فرانس کے درمیان ایک چھوٹے سے علاقے انڈورا کا تنازعہ 803 میں شروع ہوا اور 1993 میں حل ہوا۔میکاؤ اور ہانگ کانگ کے لئے چین کو صدیوں انتظار کرنا پڑا۔میرا ایمان ہے کہ کشمیر کا مسئلہ یقیناً حل ہوگا جس میں 80% دخل کشمیریوں کی استقامت کا ہے جو وہ صدیوں سے دکھا رہے ہیں اور بیس فیصد پاکستان کی غیر متزلزل موقف پر قائم رہنے میں ہے۔

حالات اور عقلمندی کا تقاضا ہے کہ ان علاقوں کو سیاسی انتظامی اور اقتصادی طور پر اتنا مضبوط اور قابل رشک بنایا جائے کہ رائے شماری کے وقت مقبوضہ ریاست کے لوگوں کی پاکستان پہلی ترجیح بن جائے۔ریاست کا فیصلہ نہ معلوم ہماری کس نسل کے لوگوں نے کرنا ہے۔لیکن بہرحال یہ 1947 یا 1972 کی طرح کے لوگ نہیں ہونگے وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ گلوبل اکانومی اور انسانی حقوق کو سامنے رکھ کر کریں گے۔عقیدے۔نظریے یا جذبات سے نہیں یہ سوچ صرف میری عمر کے لوگوں کی پہلی نسل تک قائم رہے گی اس کے بعد کی نسلیں فیصلے عالمی تناظر کے حوالے سے کریں گے انکی پیش بندی کی جانی لازمی ہے۔

میں اپنے تجربے اور عقیدے کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ان معاملات کو جتنا جلدی ہو سکے حل کیا جانا چاہیے وہ کیسے ممکن ہے اس کے لیے ذہن بنانے اور رویہ تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔جو کچھ عملی طور پر ہو رہا ہے، in practice ہے اور جس سے لوگ مانوس ہیں اس کو مناسب ردوبدل کے ساتھ پاکستان کے آئین کے تحت تحفظ دے کر باقی جملہ اختیارات پارلیمنٹ آف پاکستان کے آئین کی دفعہ 258-257 کے تحت ان علاقے کے لوگوں کو منتقل کر دئے جائیں۔مرکزی نوعیت کے اختیارات جو ایک فیڈرل سیٹ اپ میں ہوتے ہیں۔وہ مرکزی آئین کے تحت مرکز کے حوالہ کر کے ان کے صحیح استعمال کو یقینی بنانے کے لئے ان علاقے کے لوگوں کو مرکزی پارلیمنٹ میں اس وقت تک نمائندگی دی جائے جب تک پوری ریاست کے لوگ اپنے مستقبل کا حتمی فیصلہ نہیں کرتے۔ان اختیارات کے تعین کی بنیاد سلامتی کونسل کی قرارداد یں۔کراچی ایگریمنٹ۔مہاراجہ کے جوں کے توں معائدے اور آئین پاکستان کی حالیہ اٹھارویں ترمیم کی روشنی میں بھی کیا جا سکتا ہے۔اس طرح وہ بے ترتیبی یعنی حکومت پاکستان۔آزاد کشمیر کونسل۔آزاد کشمیر حکومت اور منسٹری آف کشمیر افیئرز کے معاملات ریگولیٹ ہو جائینگے اور overlaping, overstepping, oversight ختم ہو جائے گی اور

منزل کا تعین ہو جائیگا جس سے یہ علاقے اور یہاں کے لوگ ایک نمبر شمار ہونگے جو مملکت پاکستان کے مفاد میں ہے۔اس سلسلے میں کلیدی کرداران سیاسی جماعتوں نے ادا کرنا ہے جو ملک گیر ہیں جن میں پیپلز پارٹی، جمعیت العلمائے پاکستان، جمعیت اہلحدیث، جماعت اسلامی اور اب ملک کی سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ (ن) کے آزاد کشمیر میں قیام کے بعد اس کی قیادت نے کرنا ہے۔اتفاق کی بات ہے کہ اس کی قیادت ایسے شخص کے پاس ہے جو کشمیری نژاد ہے۔مقبوضہ کشمیر کو کشمیر نژاد پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنے عشق کا اسیر بنایا اب پاکستانی کشمیری میاں محمد نواز شریف نے اس کو اپنے عشق کے ذریعہ آزاد کرانا ہے اور، کشمیری اس کے ساتھ عشق بھی کرتے ہیں جس کی اس نے لاج رکھنی ہے ملک گیر جماعتوں کا فائدہ ملک کو اور بالخصوص کشمیر کو اس وقت ہوسکتا ہے جب ان جماعتوں کے ذریعہ کشمیر کے لوگ پارلیمنٹ پاکستان میں پہنچیں گے۔کشمیر میں ان جماعتوں کی تنظیمیں گداگری کا نہیں بادشاہ گری کا رول ادا کریں بیرون ملک پاکستانی کشمیریوں کے جلسے جلوسوں کے ذریعہ مرکزی قیادت کو خوش کر کے اپنے ذاتی مفادات حاصل کرنے مزدور پیشہ لوگوں کی جیب کاٹ کر اپنے محلات بنانے اور مرکزی قیادت پر جوتے برسوانے کے بجائے ان علاقوں کو ملکی سطح پر مقام دلانے کا ادراک کریں۔یہ وقت کا تقاضا ہے وگرنہ لوگ آگے نکل جائیں گے۔لیڈر اور جماعتیں ہاتھ ملتے اور ایڑیاں رگڑتے رہ جائیں گے۔آئیں خودغرض لیڈروں اور ان کی ساتھی اسٹیبلشمنٹ کے فریب سے نکل کر غیر آئینی اور غیر اخلاقی الحاق نامہ کے جواب میں ریاست کے ان حصوں کو قومی دھارے میں شامل کر کے اپنی منزل کے تعین کا غیر مبہم اظہار اور اپنی شناخت قائم کریں۔

کیا اس انتظام سے مسئلہ کشمیر متاثر ہوگا اس کا تجزیہ ان شاءاللہ اگلے کالم میں کیا جائیگا۔میری ہر بار کوشش اور قارئین سے درخواست ہوتی ہے کہ اس قومی معاملہ میں اپنی رائے بھی دیں تا کہ ان معاملات میں جنہوں نے بہر حال ہونا ہے' اتفاق رائے پیدا ہو سکے اس گزارش کا دوبارہ اعادہ کرتا ہوں مجھے مدلل اختلافی رائے پڑھ اور سن کر بہت خوشی ہوگی۔میں پھر یہی کہوں گا۔

مکانوں میں نئے روزن لگا دو
ہوا کا رخ بدلتا جا رہا ہے

کشمیر کو صوبہ بنانے کی سازش

مسلم کانفرنس کے صدر سردار عتیق احمد خان اور ان کی جماعت کا ہر کس و ناکس تواتر سے یہ بیان داغ رہا ہے کہ ''کشمیر کو صوبہ بنانے کی سازش کی جارہی ہے جس کو وہ کامیاب نہیں ہونے دیں گے''۔ اگر تو کشمیر کو ہندوستان کا صوبہ بنانے کی سازش کی جارہی ہے تو پوری قوم اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے عتیق احمد خان کے ساتھ ہے وگرنہ یہ کشمیر تو پاکستان کے نام پر آزاد ہوا ہے۔ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کو سردار عتیق احمد خان کی جماعت کی 1971 اور 1988 کی حکومتوں کے دوران ہی پاکستان کا صوبہ بنایا گیا ہے اور مکمل طور اس طرز پر چلایا جا رہا ہے۔ حکومت پاکستان کے کیبنٹ ڈویژن نے 11 مئی 1971 اور 06 جون 1988 کو دو الگ الگ نوٹیفکیشن جاری کئے ہیں جن کا حرف بہ حرف اردو ترجمہ یوں ہے۔ ''ہر منسٹری (پاکستان کی) اپنی خصوصی ذمہ داریوں کے فیلڈ میں آزاد کشمیر کو اس طرح دیکھے اور چلائے جیسے کہ یہ پاکستان کا ایک انتظامی یونٹ ہے۔ مرکزی وزارتیں آزاد کشمیر میں ویسے ہی اختیارات استعمال اور کردار ادا کریں جیسا کہ وہ پاکستان کے دیگر انتظامی یونٹس کی نسبت کرتی ہیں اور اس کو تمام عملی مقاصد کے لئے وفاق کا ایک صوبہ تصور کیا جائے''۔

آزاد کشمیر کا نظم و نسق ذمہ داریوں کی حد تک بعینہ اس طرح چلایا جاتا ہے جس طرح کے باقی صوبے لیکن آزاد کشمیر ویسا با اختیار نہیں بلکہ بالکل نہیں جیسا کہ باقی صوبے ہیں بلکہ باقی صوبوں کے مقابلے میں، یہاں مرکز کی گرفت نہ صرف حد سے زیادہ بلکہ بے جا بھی ہے۔ آزاد کشمیر کو کسی باقی صوبوں کی طرح مرکز کے کسی ایسے آئینی ادارے میں نمائندگی نہیں ہے جہاں پالیسی اور فیصلہ سازی کی جاتی ہے۔ مثلاً پارلیمنٹ، اکنامک کونسل، فنانس کمیشن، قومی مفاد کی کونسل، ہائیڈل جنریشن پالیسی، ارسا وغیرہ۔ یہاں پر مرکزی حکومت براہ راست اور کشمیر کونسل کے نام پر کنٹرول کے علاوہ مرکزی جماعتوں کی قیادت کی بھی سخت گرفت ہے۔ مرکزی حکومت کے اعلیٰ عہدیداران مثلاً چیف سیکریٹری، انسپکٹر جنرل آف پولیس۔ ایڈیشنل چیف سیکرٹری ترقیات، سیکرٹری مالیات اکاونٹنٹ جنرل جو عملی طور آزاد کشمیر کے انتظام و انصرام اور مالیاتی نظام کو کنٹرول کرتے ہیں آزاد کشمیر کی حکومت کی مرضی کے بغیر تعینات کئے جاتے ہیں جو آزاد کشمیر حکومت کے پاس جواب دہ نہیں ہیں۔ عتیق احمد خان کو صوبہ بنانے کی سازش کا واویلا کرنے کے بجائے ان نوٹیفکیشنز کو آئینی تحفظ دینے اور ان کے تقاضے پورا کرنے کی مہم چلانی چاہیے جو ان کی 70 اور 80 کی دہائی میں حکومتوں کے دوران جاری ہوئے

ہیں ۔ان کو ایسا کرنے کی جرات اور صلاحیت ہے ۔ہندوستان نے مقبوضہ کشمیر کو ہندوستان کی باقی ریاستوں کی طرح مرکز کے ہر ادارے میں مکمل نمائندگی دی ہے ۔اس کے باوجود کشمیر کے لوگ ہندوستان کے ساتھ کسی طور پر رہنا نہیں چاہتے بلکہ قومی دھارے میں شامل جماعتیں نیشنل کانفرنس اور پی ۔ڈے ۔پی بھی ریاستی انتظام وانصرام میں تبدیلی چاہتے ہیں ۔اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے 1952اور 1957 کی قراردادوں کے تحت ریاست کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کو باطل بھی قرار دیا ہے ۔جس کے باوجود ہندوستان نے ریاست کو قومی دھارے میں شامل رکھا ہے ۔

اس کے برعکس آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے غالب اکثریت پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور اس میں خوش بھی ہے لیکن اس حق سے محروم ہے ۔گذشتہ انتخاب میں دونوں علاقوں کے لوگوں نے مرکزی جماعتوں کے حق میں ووٹ دیکر ریاستی جماعت کو عملاً مسترد اور مرکز کے ساتھ پیوستہ ہونے کا فیصلہ دیا ہے میں آزاد کشمیر میں برسر اقتدار پیپلز پارٹی اور حزب اختلاف کی بڑی جماعت مسلم لیگ (ن) کی قیادت پر بھی شک کروں گا اگر وہ ان ڈیفکیشنز کے تقاضے پورے کرتے ہوئے آزاد کشمیر کے لوگوں کو بااختیار رہنانے کی کوشش نہیں کرتے گو کہ مسلم لیگ نون کے انتخابی منشور میں یہ شامل ہے لیکن اس کے لئے کوئی تحریک نظر نہیں آتی ۔ مرکزی جماعتوں کی قیادتیں اس معاملے کو اپنے اقتدار اور اختیار کے حوالے سے نہیں بلکہ ریاستی لوگوں کے حقوق اور ملکی سلامتی کے حوالے سے دیکھیں ،کشمیر کے نوجوانوں میں یہ بات راسخ ہوتی جا رہی ہے کہ کشمیر کے دونوں حصوں کی قیادت ذاتی اغراض کی خاطر مسئلہ کے حل میں رکاوٹ ہے ۔آزاد کشمیر کی قیادت کو یہ بات محل نظر رکھنی چاہیے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کے تحت گو کہ ریاست جموں وکشمیر برٹش انڈیا کی ریاست نہیں تھی لیکن اس کے باوجود بھی اس ایکٹ کے شیڈول ایک کے تحت ریاست کو مرکزی قانون ساز اسمبلی میں چار اور کونسل آف سٹیٹس میں تین نشستیں حاصل تھیں ۔

پاکستان کے آئین کی دفعہ 257 کے تحت ریاست کے لئے یہ گارنٹی موجود ہے کہ پاکستان کے ساتھ الحاق کی صورت میں شرائط ریاستی عوام کی مرضی کے مطابق طے کی جائیں گی ۔ریاست کے جو حصے آزاد ہو کر اپنی مرضی سے پاکستان کے زیر انتظام ہیں ان پر عبوری شرائط کے تحت بھی اس دفعہ کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور کم از کم اتنا کچھ دیا جا سکتا ہے جو ملک کے باقی صوبوں/انتظامی یونٹس کو دیا گیا ہے ۔اس میں رکاوٹ صرف وہ چند لوگ ہیں جو سیاسی اور سرکاری اختیار بغیر کسی جواب دہی کے استعمال کرنا چاہتے ہیں ۔غالب اکثریت کی قیمت پر چند لوگوں کی خوشنودی ملکی سلامتی کے لئے چیلنج بن سکتی ہے ۔کشمیر کے دونوں حصوں میں نوجوان ریاست

کی خوداختیاری کا دونوں ملکوں کی باقی ریاستوں/صوبوں سے تقابلی جائزہ لے رہے ہیں ملک کے وسیع تر مفاد میں اس سلسلے میں سبقت لے جانا وقت کا تقاضا ہے ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی ترجیحات بدل جائیں اور ہم پیچھے رہ جائیں ۔اس کا ادراک کیا جائے۔

(روزنامہ نوائے وقت 20جولائی 2012)

☆☆☆☆☆

کشمیر دوراہے پر

کشمیر کا مسئلہ آزاد کشمیر یا مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کا ہی نہیں بلکہ ایک عالمی مسئلہ ہے جس نے برصغیر کے دو متحارب ممالک کو ایٹمی طاقت اور اس سارے خطے کو دنیا کی توجہ کا مرکز بنا دیا ہے۔ اس کو ہندوستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کی جہد و جہد اور پاکستان اور دنیا بھر میں آباد کشمیریوں کی بھرپور حمایت سے دنیا کی نظروں میں تو ایک حل طلب مسئلے کے طور زندہ رکھا جا سکتا ہے، لیکن عالمی طاقتوں کی مداخلت کے بغیر اس کا حل ممکن نہیں ہے۔ دنیا کے طاقت ور ترین ملک چین نے تائیوان، ہانگ کانگ، میکاؤ کے حل کے لئے کئی صدیاں لگا دیں۔ سپین اور فرانس کے درمیان انڈرا کے معاملہ میں کئی صدیاں لگ گئیں۔ آئیرلینڈ، خود ہندوستان کی آزادی یا پاکستان کے قیام کی تحریک تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔ کشمیر کا مسئلہ بھی یقیناً حل ہو گا لیکن اس کے لئے واضح منزل یا نشان منزل اور اس کے حصول کے لیے مسلسل کوشش کی ضرورت ہے۔

سچی بات یہ کہ ریاست جموں و کشمیر مختلف جغرافیائی اکائیاں لسانی مہذبی فرقہ بندی اور دیگر عوامل کے حوالہ سے تضادات کا مجموعہ ہے۔ یہ قدرتی ملک نہیں ہے بلکہ ایک بادشاہ یا راجہ کی فہم و فراست اور توسیع پسندی کے ذریعہ نیم خود مختار ریاست کے طور وجود میں آنے والی ریاست ہے۔ یہ عجیب تضاد اور اتفاق ہے کہ معاہدہ امرتسر جس کے تحت ریاست جموں و کشمیر وجود میں آئی ہے اس کو کشمیری غلامی کی دستاویز کہتے ہیں لیکن ریاست کی شناخت یا تشخص اسی کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے زیر انتظام ریاست کے مختلف حصوں اور اس میں بسنے والے لوگوں کی ترجیحات مختلف ہیں۔ آزاد کشمیر کے لوگ گلگت بلتستان کو ریاست کشمیر کا حصہ کہتے ہیں، جبکہ وہ ماننے کو تیار نہیں حالانکہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت ان کو ریاست سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ آزاد کشمیر کی لیڈرشپ پاکستان میں اپنے اپنے مفادات اور وجوہات کی بناء پر مکمل طور ضم ہونے کو تیار نہیں لیکن عام لوگ تیار ہیں۔ گلگت بلتستان کے لوگوں اور لیڈرشپ کی یہ ترجیح اول ہے۔ حالیہ سیاسی انتظام جس میں ان کو نام کے علاوہ کچھ نہیں ملا، لیکن وہ اس میں بھی بہت فخر اور خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ہندوستان کے زیر انتظام کشمیر میں جموں کے خطے کی ہندو اکثریت ہندوستان میں مکمل طور ضم ہونا چاہتی ہے جبکہ پیر پنجال اور وادی چناب کے کچھ حصے اور پوری وادی کشمیر ہندوستان سے مکمل آزادی چاہتی ہے لیکن اس کے بعد کیا ہونا چاہیئے اس میں اختلافات اور تضادات کا شکار ہیں۔ بہر حال وہ ہندوستان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔

تاریخی اعتبار سے کشمیر صرف یہی علاقے اور کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ اس کو کشمیر سمجھتی ہے۔لداخ کا خطہ مکمل طور ہندوستان کی مرکزی حکومت ساتھ union territory کے طور پر رہنا چاہتا ہے۔ایسے حالات میں زمینی حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا اقوام عالم کے لئے اتنا آسان نہیں ہے۔اس گتھی کو عقلمندوں نے بہت سوچ سمجھ کر الجھایا ہے اس لئے اس کے حل کے لئے بھی ویسی ہی فہم وفراست اور عقلمندی کی ضرورت ہے۔

لیکن کیا اس معاملے کے حتمی حل تک ریاست کے جو حصے آزاد ہیں ان لوگوں کے حقوق کو یرغمال رکھنا چاہیئے؟ ہرگز نہیں۔کنفیوژن آزاد کشمیر کی لیڈرشپ نے پیدا کیا ہے جو اپنے اقتدار کے کھیل کے لئے کشمیر، کشمیریوں اور پاکستان کو اپنے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں اور اس گنجلک صورت حال کا پاکستان کی مرکزی حکومت کے ساتھ جس گروپ کی زیادہ قربت ہو جائے وہ فائدہ اٹھاتی ہے۔برسر اقتدار گروپ کو سب کچھ ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے۔اور اقتدار سے محروم گروپ کو اندھیر نگری نظر آتی ہے۔الغرض خوب اور نا خوب ذاتی مفادات سے وابستہ ہے۔آزاد کشمیر میں ایک ہی موقف رکھنے والا شخص صرف سردار خالد ابراہیم ہیں جس کی Commitment بڑی واضح ہے لیکن لوکل پارٹی اور اپنے اصولوں پر سختی سے قائم رہنے کی وجہ سے مرکز میں ان کا وہ اثر رسوخ نہیں ہے۔سردار صاحب آزاد کشمیر کا الگ تشخص بحال رکھتے ہوئے مرکز کے ساتھ واضح خطوط کے ساتھ منسلک رہنا چاہتے ہیں جبکہ جماعت اسلامی آزاد کشمیر جمعیت العلماء (ف) بھی تقریباً یہی نظریہ رکھتے ہیں۔اب ایک واضح موقف لیکر راجہ فاروق حیدر نکلے ہیں۔یہ اسی قیادت اور پارٹی سے الگ ہونے والے شخص ہیں جس نے آزاد کشمیر اور مرکز کے معاملات کو گنجلک رکھ کر مرکز کی ہر حکومت کے ساتھ ساز باز کر کے سرکاری اور سیاسی طور آزاد کشمیر کے اقتدار پر آج تک قبضہ کر رکھا ان کے سابق قائد سردار عبدالقیوم صاحب کی فلاسفی یہ ہے کہ یہ تعلقات ایسے ہی رہنے چاہیں ''کبھی ہم اوپر کبھی وہ اوپر'' بالفاظ دیگر سودے بازی ہوتی رہے لوگ اور ملک جائیں بھاڑ میں۔فاروق حیدر پارٹی کے اندر رہتے ہوئے یقیناً بے باکی کا مظاہرہ کرتے رہے اور قومی سطح پر 2010 میں ایک واضح موقف لیکر بہت نمایاں ہوئے جس کی وجہ سے ریاست کے اندر اور ملک بھر میں توجہ کا مرکز بن گئے جس بناء پر میاں نواز شریف نے AJK میں ان کو اپنی پارٹی کی قیادت کے قابل سمجھا اور پارٹی بنائی۔جس ناانصافی اور ظلم کے خلاف خالد ابراہیم نے 2006 میں آواز اٹھائی اور اس کی بنیاد ڈالنے اور آبیاری کرنے میں اس ناچیز نے خشت اول رکھی، اس کی تکمیل فاروق حیدر نے 2010 میں ممکن بنائی جو مرکز کو ہضم نہیں ہوئی۔راجہ فاروق حیدر بھی نظریاتی طور پاکستان کے اندر اپنا تشخص قائم رکھتے ہوئے مرکزی قومی اداروں میں نمائندگی چاہتے ہیں اسی لئے مسلم لیگ کے آئین میں ترمیم کر کے آزاد کشمیر کو صوبے کا درجہ دیتے ہوئے تنظیمی طور باقی

صوبوں سے الگ مقام دیا گیا ہے۔ یہ لوگ قریب قریب ہیں جبکہ پاکستان پیپلز پارٹی کا موقف بڑا واضح ہے وہ اس علاقے کو ایک صوبہ کا درجہ دے رہی ہے اور اپنا تشخص پاکستان سے وابستہ رکھا ہے۔ زمینی حقائق اور عملی صورت بھی یہی ہے۔

آزاد کشمیر کی لیڈرشپ کا المیہ ہے کہ حکومت یا مملکت پاکستان سے وہ سارا کچھ لینا چاہتے ہیں جو باقی صوبوں کو مل رہا ہے، لیکن اپنی شرائط پر، وہ ممکن نہیں۔ ملک کے باقی صوبوں کو جو کچھ مل رہا ہے وہ ملک کے آئین کے تحت صوبے کے طور مل رہا ہے جب تک آزاد کشمیر ملک کے آئین کے اندر داخل نہیں ہوگا وہ کچھ بطور حق قیامت تک نہیں مل سکتا۔ رعایت یا خیرات کے طور اس سے زیادہ ملتا ہے لیکن وہ پیسے نکے کی صورت میں Political empowerment کے طور پر نہیں۔ کشمیر کے جو لوگ پاکستان کے مختلف صوبوں میں آباد ہیں ان کو تین حکومتوں سے حقوق مل رہے ہیں۔ مقامی صوبائی حکومت سے، مرکزی حکومت سے اور بطور سٹیٹ سبجیکٹ آزاد کشمیر کی حکومت سے وہ اسی حالت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ محرومیوں کا شکار آزاد کشمیر میں رہنے والے تمام لوگ ہیں اور ملکوں کی تقدیر کا فیصلہ عوام کرتے ہیں، اشرافیہ نہیں۔ بنگلہ دیش، مشرقی یورپ، جرمنی، USSR، تیونس، مصر اور اب بحرین، اُردن اور یمن میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ عام لوگوں کے حقوق سے محرومی کا ردعمل ہے۔ آزاد کشمیر میں جن لوگوں کو علیحدگی پسند، آزادی پسند یا نیشنلسٹ کہا جاتا ہے یہ لوگ پیدا کیئے جا رہے ہیں۔ اور ان کو پاکستان مخالف کیا جا رہا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ ایسے حقوق کے طلبگار ہیں جو مملکت پاکستان کے اندر رہتے ہوئے ان کو بطور حق مل جانا چاہیے۔ اور یہ سب کا تقاضا ہے لیکن اظہار کے طریقے مختلف ہیں۔

آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کا پاکستان کے زیر انتظام ہونا ایک بین الاقوامی ارینجمنٹ ہے۔ پاکستان ان علاقوں پر زبردستی قابض نہیں ہے اندرون ملک ان علاقوں کو حکومت پاکستان نے آئینی اور قانونی الفاظ کی ہیرا پھیری کے ساتھ ایک صوبائی درجہ دیا ہوا ہے لیکن لوگوں اور مقامی حکومت کو ملک کے اندر صوبائی حقوق حاصل نہیں ہیں جس وجہ سے نوجوانوں میں resentment اور frustration ہے۔ جو عمل برسرزمین ہو رہا ہے اس کو آئینی طور مربوط کیا جانا لازمی ہے تاکہ کسی مقامی یا مرکزی پارٹی کو ان علاقوں کی اندرونی خودمختاری میں مداخلت کی گنجائش ہی نہ رہے اور جو معاملات مرکز کے پاس ہیں ان کی نسبت پالیسی، قانون اور فیصلہ سازی میں ان علاقوں کے لوگوں کی نمائندگی ہر سطح پر اس وقت تک ضروری ہے جب تک مسئلے کا حتمی حل نہیں ہو جاتا۔ مرکزی سطح پر ان معاملات کے حوالے سے کیئے گئے فیصلوں سے عام لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ مقامی حکومتیں اس میں بے بس ہیں اور مرکزی میں غلط فیصلوں کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے ان لوگوں کو کوئی فورم میسر نہیں ہے۔

میں ذاتی طور 2006 سے مرکزی حکومت سے لیکر سپریم کورٹ آف پاکستان اور قومی اداروں سے ناانصافیوں کا ازالہ کروانے کی تگ ودو کرتا رہا لیکن سب کچھ صدا بہ صحرا ثابت ہوا۔حتیٰ کے قومی میڈیا نے بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔ مشرف اوران کی بدعملیوں کا خمیازہ اس وقت تک ہماری اسمبلی ،حکومت اور عدلیہ بھگت رہی ہے ۔جبکہ ذمہ داری حکومت پاکستان کی ہے۔

جس طرح بتدریج ان آزاد علاقوں میں آئینی اصلاحات ہوتی رہی ہیں اسی طرح ایک قدم اور آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔قانون اور رسم ورواج بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ارتقاء پذیر رہتے ہیں اگر اس ارتقائی عمل کو روکا جائے تو بالاخر ریاست متاثر ہوتی ہے۔سکوت کو توڑنا مشکل کام ضرور ہے لیکن اس پر اڑے رہنے میں نقصانات بہت زیادہ ہیں علامہ اقبال نے خوب کہا ہے۔

آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

میں ریاست کے دونوں حصے کی تاریخ اور حالات کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے عالمی حالات کی بدلتی ہوئی صورتحال،جس کا آنکھوں دیکھا حال کیمرہ کی آنکھ اور اس کے پس پردہ آواز باقی دینا کے ساتھ ساتھ سن رہا ہوں کی روشنی میں اپنے عقیدے اور بقائمی ہوش وحواس کہتا ہوں کہ اس گھمبیر صورتحال سے جتنا جلدی ممکن ہو نکلنا چاہیئے ۔سلامتی کونسل کی قراردادوں کے پس منظر اوران کا ازسرنو اعادہ کرتے ہوئے ،ان علاقوں کی مقامی حکومتوں کو کم از کم اتنا با اختیار کیا جائے جتنے ملک کے باقی صوبے ہیں آزاد کشمیر کونسل کو ختم کر کے مرکزی نوعیت کے معاملات براہ راست مرکز میں رکھ کر یہاں کے لوگوں کو ان معاملات میں قانون سازی، پالیسی سازی اور فیصلہ سازی میں شامل کیا جائے اوران معاملات کی گارنٹی پاکستان کے آئین کے ذریعہ دی جائے ۔اس سے کشمیر کا مسئلہ نہیں بلکہ چند سوداگر سیاست دانوں کا روزگار اور حیثیت متاثر ہوگی۔پاکستان کی قومی قیادت اپنے اپنے مفادات میں اتنی الجھی ہوئی ہے کہ اس معاملے کو یا تو سمجھنے کو تیار نہیں یا انہیں سمجھ نہیں آتا یا سمجھ کر اس کو نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ ان علاقوں کے لوگوں کے ووٹ کے وہ مرکز میں محتاج نہیں ہیں اس لئے یہاں کے لوگوں کی بات میں وقعت نہیں۔

یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ سلامتی کونسل کی قراردادیں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ہیں، کشمیر ان کا موضوع ہے ۔اگر یہ دو ملک کل آپس میں اپنی اپنی شرائط اور مفادات کے مطابق مسئلے کے حل پر متفق ہو کر ریاست کے مختلف حصوں کو ادھر ادھر ضم کر دیتے ہیں اس وقت کیا ہوگا؟مشرف کا Out of box solution

یہی تھا جس کو آزاد کشمیر سے ملٹری ڈیموکریٹس اور مقبوضہ کشمیر سے بھی ایک گروپ کی حمایت حاصل تھی جس نے 9 مارچ کی ایمرجنسی کا بھی خیر مقدم کیا تھا۔ کشمیر پر ہندوستان کی مسلمہ قومی اور آئینی پوزیشن یہ ہے کہ پوری ریاست جموں وکشمیر اس کا حصہ ہے جبکہ پاکستان کی مسلمہ پوزیشن یہ ہے کہ ریاست جموں وکشمیر متنازعہ ہے اور آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان اس کا حصہ نہیں ہیں۔ خاکم بدہن اگر ان علاقوں میں کوئی غیر ملکی فوج اترتی ہے تو پاکستان بین لاقوامی برادری کے سامنے کیا کیس لے کر جائے گا؟ کیا اس کا کسی کو ادراک ہے؟ آئین میں ان علاقوں کو پاکستان کے زیر انتظام ایک یونٹ کے طور تسلیم کیا گیا تو ان سب اندیشہ ہائے دور دراز کا امکان نہیں رہے گا۔ ہندوستان کے آئین میں ریاست کی حد تک یہ بات کشمیر اسمبلی کی مرضی کے تابع ہے کہ ریاست کے حدود میں ردوبدل ریاستی اسمبلی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ لیڈر اور لوگ اپنی ذات اور جماعت سے بالاتر ہو کر اس کا خیال کریں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔ گزشتہ دنوں پروفیسر عطاء الرحمان نے چونکا دینے والی علمی اور سائنسی بات کہی کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر آج تک جتنا علم آیا ہے آئندہ دس سال میں اس سے دوگنا ہو جائیگا۔ یہ علم منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ کیا ہم اس دھماکے کو ہضم کرنے کے لئے تیار ہیں؟ اس کا ادراک حاصل کیا جانا لازمی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت 22,21 فروری 2011)

☆☆☆☆☆

کراچی معاہدہ.....معاہدوں کی داستان

برس ہابرس سے نوجوان معاہدہ کراچی کے خلاف جلسے جلوس کر کے اس کی منسوخی کا مطالبہ کرتے چلے آرہے ہیں ان میں سے جو برسر روزگار ہو جاتے ہیں وہ اس نعرہ سے دستبردار اور نئے لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ان لوگوں کو آزاد کشمیر یا گلگت بلتستان میں انتظامیہ کے لوگ حقارت سے نیشنلسٹ،قوم پرست یا علیحدگی پسند کے خطابات سے نوازتے ہیں۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ معصوم نوجوانوں حقوق سے محرومی کے باعث ایسا کرتے ہیں اور اقتدار پرست ان کا حوا دکھا کر حکومت پاکستان کو ان لوگوں کے جوش وجذبے سے خائف کر کے اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کرتے ہیں۔آزاد کشمیر کے کچھ چوٹی کے لیڈروں کے ساتھ ذاتی تعلق کی بناء پر مجھے اس سلسلے میں کافی حقائق کا علم ہے لیکن خوف فساد خلق سے نہ کہنے میں ہی سلامتی ہے۔غیر ریاستی جماعتوں کے پر چاک پس پردہ ان سرگرمیوں کے محرک ہیں جو ان نوجوانوں کو ''غیر ریاستی'' کا مطلب ''غیر ملکی'' کے طور باور کراتے ہیں جبکہ ایجنسیوں کے اہلکاروں کو اپنی حب الوطنی کا جھوٹا فریب اور ریاست کے تشخص کا پر فریب فارمولہ دے کر اپنے آپ کو منظور نظر اور ان معصوم لوگوں کو وطن دشمن کہتے ہیں۔

ریاست جموں وکشمیر میں معاہدوں کی ایک لمبی تاریخ ہے جن میں سے ایک معاہدہ امرتسر بھی ہے ان نوجوانوں کے ادراک کے لئے تاریخ کی کتابوں میں محفوظ چند معاہدوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ یہ نوجوان حقائق سے آگہی حاصل کر کے اپنے حقوق کی جہد وجہد کریں۔

ریاست جموں وکشمیر بظاہر کسی ایک اکائی کا نام نہیں ہے بلکہ مختلف رجواڑوں،جاگیروں اور علاقہ پر مشتمل ایک ریاست تشکیل پائی ہے۔صوبہ کشمیر تو کئی ہزار سال سے اپنی الگ شناخت رکھتا ہے اور یکے بعد دیگرے مختلف خاندانوں کے زیر تسلط ایک ملک کے طور چلا آرہا تھا۔جو جموں کے ساتھ معاہدہ امرتسر 1846 کے بعد شامل ہوا۔جہاں تک جموں کا تعلق ہے یہ ڈوگرہ حکمرانوں کے تسلط میں ''معاہدہ قبولیت'' محررہ 17 نومبر 1820 میں آیا جو میاں کشور سنگھ میاں گلاب سنگھ،میاں دھیان سنگھ اور میاں سچیت سنگھ نے بحق راجہ رنجیت سنگھ کے حق میں تحریر کیا تھا جس کے تحت رنجیت سنگھ نے جموں کے کچھ علاقے درج بالا ڈوگرہ بھائیوں کو دیئے۔دوسرا اقرار نامہ/ معاہدہ ان کے ہی مابین 18 نومبر 1822 کو عمل آیا جس کے تحت ان لوگوں نے جموں کے بقیہ علاقے حاصل کر کے رنجیت سنگھ کے مکمل غلام کے طور رہنے کا عہد نامہ تحریر کر دیا اور تخت لاہور کے لئے ہر

جگہ خدمات انجام دینا قبول کیا۔ان تینوں بھائیوں نے آہستہ آہستہ جموں خطے کے دیگر حصوں مثلاً سامبہ، رام نگر، رجوری، ریاسی، پونچھ اور پھر جنرل زورآور سنگھ کے ذریعہ لداخ اور بلتستان پر بھی قبضہ کرلیا۔ادھر صوبہ کشمیر گلاب سنگھ کی مدد سے افغانوں کی غلامی سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگیا تھا۔ جب سکھوں نے انگریزوں کے ہاتھوں گلاب سنگھ کی مدد سے شکست کھائی تو سکھوں نے معاہدہ لاہور مورخہ 9 مارچ 1846 کے تحت اپنے زیر نگیں دریائے ستلج اور بیاس کے درمیان کے تمام علاقے بشمول کشمیر اور ہزارہ بحق ایسٹ انڈیا کمپنی بطور تاوان جنگ منتقل کردیئے۔اس کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کی منافقانہ خدمات کے عوض اس کے حق میں جموں کی مکمل حکمرانی منتقل کی گئی جس کے علاوہ معاہدہ امرتسر کے ذریعہ دریائے راوی کے مغربی اور دریائے سندھ کے درمیانی علاقے بحق مہاراجہ گلاب سنگھ بالعوض مبلغ 75 ہزار روپے منتقل کردیئے۔ان علاقوں میں پکھلی اور ہزارہ کے علاقے بھی شامل تھے جس پر ان علاقے کے لوگوں نے احتجاج کیا کہ وہ گلاب سنگھ کی حکمرانی میں نہیں رہیں گے جس کے نتیجے میں 05 مارچ 1847 کو دریائے جہلم کے مغرب میں واقع علاقہ ہائے کہوٹہ، پکھلی و ہزارہ تا دریائے سندھ کا تبادلہ دریائے جہلم کے مشرق میں وقع علاقہ جات سے کیا گیا جن میں بھمبر، میرپور اور نوشہرہ کے علاقے شامل ہیں۔اس پس منظر میں ڈوگرہ مہاراجہ کے زیر تسلط ان علاقوں پر مشتمل ریاست جموں وکشمیر وجود میں آئی جو 14 اگست 1947 تک اس کے قبضہ میں رہی۔دلچسپ بات یہ ہے کہ کشمیر کے مسلمان سکھ حکمرانوں کے خلاف برسرپیکار تھے جس کو سکھوں کی غلامی سے نکال کر معاہدہ امرتسر کے ذریعے ڈوگروں کو دیا گیا۔کیا معاہدہ امرتسر سکھوں سے آزادی کی دستاویز ہے یا ڈوگرہ کی غلامی کی، یہ نقطہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

ہندوستان کی تقسیم کے وقت ریاست جموں وکشمیر کے جو حصے آزاد ہوئے ان میں اس وقت آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی دو الگ الگ حکومتیں قائم ہیں۔آزاد کشمیر میں 24/اکتوبر 1947 کو حکومت قائم ہوئی جبکہ شمالی علاقہ جات میں شامل علاقوں کے راجوں نے الگ الگ معاہدوں کے ذریعے حکومت پاکستان سے الحاق کیا جن کو اس وقت تک منظور نہیں کیا گیا۔اس کے برعکس معاہدہ کراچی 1949 کے ذریعے حکومت پاکستان نے گلگت بلتستان کے علاقوں کو مقبوضہ ریاست جموں وکشمیر کا حصہ تسلیم کرتے ہوئے ان کی دفاعی اور جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے براہ راست اپنے زیر انتظام رکھا۔یہ کوئی نئی بات نہیں یہ علاقے پہلے بھی برطانوی حکومت کے زیر انتظام تھے جس کے ختم ہونے کے بعد حکومت کشمیر نے ان کو اپنے انتظامی کنٹرول میں لیا لیکن وہاں کے سکاؤٹس نے ان کو آزاد کروا کر پاکستان سے الحاق کیا جس پر ابھی تک عمل نہیں ہوا ہے اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے پیش نظر ایسا ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک پاکستان کشمیر کے بارے میں اپنا قومی موقف سلامتی کونسل

کی قراردادوں سے منسلک رکھتا ہے۔

کشمیر کے حوالہ سے دستاویزی صورت میں آزاد کشمیر میں معاہدہ کراچی آخری جبکہ مقبوضہ کشمیر میں 1952 میں شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان دہلی معاہدہ پہلا اور 1974 میں اندرا عبداللہ آخری معاہدہ ہے۔ 1947 سے 1949 تک کے سیاسی، قومی اور بین الاقوامی حالات کے پس منظر میں معاہدہ کراچی سے بہتر اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا تھا جس کی رو سے سوائے دفاع، امور خارجہ اور کرنسی کے باقی سارے اختیارات حکومت آزاد کشمیر کو دیئے گئے تھے۔ اس کے بعد کی آئینی دستاویزات کے ذریعہ آزاد کشمیر حکومت کے اختیارات محدود کئے گئے بلکہ حکومت پاکستان نے یک طرفہ ٹریفک قائم کر لی ہے اور اس میں اختیارات کا منبع مختلف نالوں سے حکومت پاکستان ہی ہے۔ قومی سطح پر پالیسی اور فیصلہ سازی میں آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے لوگوں کے شامل نہ ہونے کی وجہ سے نوجوانوں میں اضطرابی کیفیت پائی جاتی ہے جو مستقبل قریب میں بڑھتی جائے گی جس کا ادراک کیا جانا لازمی ہے۔ آج بھی اگر کراچی معاہدہ کی روح کے مطابق آئین بنایا جائے تو آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو مکمل مساوی اندرونی خودمختاری حاصل ہوگی جس کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے نوجوان اضطراب کا شکار ہیں۔ میرے خیال نوجوان معاہدہ کو پڑھے بغیر ہی اس کی منسوخی کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ سیاست دانوں کا مفاد تو اس میں ہے کہ کنفیوژن قائم رہے اور وہ پاور بروکرز کے ساتھ ساز باز کر کے اقتدار پر قابض ہو جائیں لیکن نوجوانوں کے مستقبل کا سوال ہے۔ ان کو خود اس کا مطالعہ کر کے اپنے اور اپنی ریاست کے بارے میں رائے قائم کرنی چاہیئے۔ اس افتراق کے عالم میں کشمیر کے حتمی حل تک ان علاقوں کو اپنا متنازعہ تشخص بحال رکھتے ہوئے پاکستان کے آئین میں صوبے کے برابر حقوق حاصل کرنے کے لئے قومی دھارے میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ اس وقت تک عملی طور بغیر کسی آئینی گارنٹی اور استحقاق کے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ ملک کے دوسرے شہریوں کی طرح حقوق حاصل کرنے سے ہمارے علاقوں کے 90 فیصد مسائل حل ہو جائیں گے اس وقت ان علاقوں پر تمام صوبائی ذمہ داریاں عائد ہیں لیکن صوبائی حقوق نہیں ہیں اس کے لئے عملیت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مکالمہ شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت 07 مئی 2011)

قومی دولت کی لوٹ مار میں اتفاق رائے

اس عنوان سے میری مراد وہ لوٹ مار نہیں ہے جن کا عام حالات میں سیاستدان ایک دوسرے کے خلاف الزامات لگاتے رہتے ہیں بلکہ اداروں کے ذریعہ لوٹ جس میں سارے سیاست دان ''مجموعی قومی مفاد'' میں متفق ہیں ۔میں آج صرف دو اداروں کا ذکر کرونگا۔ان میں سرفہرست کشمیر لبریشن سیل ہے ۔میرے خیال میں یہ ادارہ مسلم کانفرنس کی 1985 سے 1990 تک کی گورنمنٹ میں سردار سکندر حیات خان صاحب نے تشکیل دیا تھا۔جس کا مقصد نیک اور یہ ادارہ تحریک آزادی کشمیر کے حوالہ سے ایک علامت بن گیا تھا۔اس زمانے میں اس کا دائرہ کار کشمیر پر ریسرچ تحریک کے حوالہ سے لوگوں کی آگہی ۔واقف کار لوگوں کے ذریعہ مسئلہ کشمیر پر یورپ، امریکہ اور عرب ممالک میں وفود کی ترسیل تھا۔نامور اور ٹھوس لوگ اس کی تنظیم اور ادارت میں شامل تھے ۔کئی پڑھے لکھے لوگوں نے اس ادارے کا قد کاٹھ اور نام بنایا ملک عبدالرشید خان صاحب اس کی سرپرستی کرتے تھے جو بذات خود کشمیر کے حوالہ سے ایک ادارہ ہیں ۔1990 کے بعد کی حکومتوں کے دوران مقبوضہ کشمیر میں عسکری اور سیاسی تحریک کے دوران اس ادارہ کے دائرہ کار میں وسعت آ گئی جس کی ذمہ داری میں حریت پسندوں اور دیگر تنظیموں کے لوگوں کی کفالت اور مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے مظالم کی وسیع سطح پر تشہیر اور ترویج بھی شامل تھی ۔اس کے بعد اس ادارہ کو وافر فنڈز بھی مہیا کئے گئے جن کے ذریعہ لوگوں کی مدد کی گئی اور اس کے کارندوں نے ہاتھ بھی خوب رنگے ۔لاکھوں ڈالر بلا حساب کتاب کے ہضم کئے گئے اور جب حساب کتاب کی بات ہونے لگی تو اس کے ''دور'' تک جانے کا خوف دلا کر چیپٹر کلوز ہو گیا ۔لیکن یہ ادارہ خفیہ امداد کا ایک ذریعہ بھی بن گیا جو بعد ازاں مکمل انڈسٹری کی صورت اختیار کر گیا ۔فی الوقت اخباری اطلاعات کے مطابق حکومت وقت کے ورکرس کو نوازنے کے لئے کاڈینیٹر، مشیر اور پتہ نہیں کس کس نام سے بھرتی کی لوٹ سیل لگی ہے ۔جس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے حکومتی فنڈس کے علاوہ دیگر سرکاری ملازمین کی تنخواہ سے ماہوار غالباً 2 سے 5 فیصد کٹوتی بھی ہوتی ہے ۔مہنگائی کے اس عالم مین خون پسینے کی محنت اور مقابلے کے امتحان پاس کر کے نوکریاں حاصل کرنے والوں کی تنخواہ پر مفت خورے بغیر کسی محنت مشقت کے آن پڑے ہیں جو سوائے زندہ یا مردہ باد کے کچھ نہیں جانتے قومی دولت کا زیاں اور ادارہ جس مقصد کے لئے بنایا گیا اس کی بے توقیری قابل افسوس ہے ۔اس سے بھی زیادہ افسوس ناک امر یہ ہے کہ ہم عصر سیاست دان خاموش رہ کر اس پر متفق ہیں جس

کی محض ایک وجہ ہے کہ جب ان کی باری آئیگی وہ اس تاریخ کو اپنے ورکرس کے لئے دہرائیں گے۔ یکے دزدبا شد دگر پردہ دار۔

دوسرا ادارہ شریعت کورٹ کا ہے۔شریعت کا نام لگا جنرل ضیاالحق نے پاکستان میں جس کی توسیع جنرل حیات خان مرحوم نے آزاد کشمیر میں اسی نام سے کی اور ایک ادارے کی بنیاد رکھی ممکن ہے مقصد نیک ہوتا لیکن آزاد کشمیر میں جس طریقہ سے یہ ادراہ استمال کیا جاتا ہے وہ قابل افسوس ہے، پاکستان میں تو پھر تھوڑی بہت حیاء کی جاتی ہے کہ اس نام کی عدالت میں ایک معروف طریقہ کار کے مطابق معروف قانون دان (جو قانون دانی کی وجہ سے قانون دان ہیں)اور علمائے دین کی تقرری کی جاتی ہے اور وہ بھی ایک خاص مدت کے لئے یعنی Tenure کے لئے ،جبکہ آزاد کشمیر میں سردار عبدالقیوم خان صاحب نے ہائی کورٹ کے ایک عارضی جج سے اپنے حق میں علمائے دین کی نشست پر فیصلہ حاصل کر کے اس ایک شخص کو قانون میں ترمیم کر کے شریعت کورٹ کا مستقل جج مقرر کرائیا جو بالکل صوابدیدی پوسٹ پر بھرتی کے طریقہ کار کے مطابق ہے اور اس بدعت کو آنے والی ساری حکومتوں نے اپنا لیا تقرری کا یہ طریقہ عملاً ویسا ہی ہے جیسے کشمیر لبریشن سیل میں کوا ڈینیٹرس کی بھرتی کی جاتی ہے۔جبکہ ان کی تنخواہ اور مراعات اور پنشن ہائی کورٹ کے جج کے برابر ہے اس کے برعکس ہائی کورٹ کے جج کے لئے چیف جسٹس صاحب کی سفارش، وزیراعظم کی ایڈوائس، ایجنسیوں کی رپورٹ، کشمیر کونسل کی ایڈوائس بھی لازمی ہے۔ان مرحلوں سے گذر کر فائض ہونے والے کو لبریشن سیل کی طرز پر بھرتی ہونے والے کے برابر کر دیا گیا۔اس طرح تو نائب قاصد، چوکیدار اور کلرک کی تقرری بھی نہیں ہوتی۔جن کے لئے بھی ایک طریقہ کار مقرر ہے۔المیہ یہ ہے کہ اس پر پھر سب سیاست دان متفق ہیں کیونکہ اپنی اپنی باری پر ان کے لئے بھی ایسا کرنے کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔میری سربراہی میں ہائی کورٹ کے فل بینچ نے سال 1998 میں شریعت کورٹ اور اس میں تقرریوں کو غیر آئینی اور غیر اسلامی قرار دیا تھا کیونکہ اسلامی ریاست میں جس کا دین ہی اسلام ہے، شرعی عدالت کے قیام سے یہ تصور ملتا ہے کہ ملک میں شرعی اور غیر شرعی نظام بیک وقت رائج ہیں جو آئین کے بنیادی ڈھانچے اور روح کے خلاف ہے۔اسوقت سپریم کورٹ نے اس فیصلہ کو بوجوہ منسوخ کر دیا جس کی وجوہات میں یہاں درج کرنا مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ فیصلہ کرنے والے دونوں جج صاحبان اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اور وہ جج بھی فارغ ہو گئے ہیں۔اگر یہ بدعت قائم رکھنی ضروری ہے تو اس میں تقرری کا طریقہ کار ہائی کورٹ جیسا مقرر کیا جائے اور مستند تعلیم کے حامل علمائے دین اور اسلامی یونیورسٹی سے فارغ تحصیل ایسے لاء گریجویٹس کو جنہوں نے دس سال پریکٹس کی ہو یا ضلع قاضی یا سیشن جج کا تجربہ ہے کی تقرری ہونی چاہیے۔جب تک اسطرح

نہیں کیا جاتا چیف جسٹس صاحبان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسے لوگوں سے حلف نہ لیں اور پیشہ ور وکلاء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کو یقینی بنائیں۔

لیکن اس کا ادراک کون کرے؟ لوٹ مار پر سب متفق ہیں، پہلی اس طرح کی تقرری کے بعد جس پر سب نے تنقید کی تھی، پانچ حکومتیں آئیں اور چلی گئیں اور سب نے یہی کچھ کیا۔!!

(روزنامہ سیاست 04دسمبر 2012)

☆☆☆☆☆

اسلامی نظریاتی کونسل آزاد کشمیر کا سیاسی جلسہ

آزاد کشمیر کے آئین کی دفعہ 32 کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کو ہی آزاد کشمیر کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل مقرر کیا گیا ہے جبکہ آزاد کشمیر میں 1980 میں آرڈیننس کے ذریعے جو 1997 میں ایکٹ بنایا گیا آزاد کشمیر میں متوازی اسلامی نظریاتی کونسل بنائی گئی ہے اس آئینی تضاد کو دور کرنے کے لئے ہماری تنظیم ARJK نے آئین کی دفعہ 32 میں پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل کے بجائے آزاد کشمیر کونسل بنانے کی تجویز مرتب کی ہے تا کہ اس ادارے کو آئینی بنانے کے علاوہ آئینی تضاد کو دور کیا جائے ۔1997 کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی اسلامی نظریاتی کونسل کو دفعہ 4 کے تحت چار فرائض سونپے گئے ہیں (1) حکومت کو قران وسنت میں درج اصولوں کے مطابق آزاد کشمیر کے لوگوں کو زندگی گزارنے کی سفارش کرنا (2) صدر یا حکومت کو کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے بارے میں مشورہ دینا (3) رائج الوقت قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنانے کی سفارشات کرنا (4) اور صدر یا حکومت کو رہنمائی کے لئے ایسی سفارشات کرنا جن کی روشنی میں قانون سازی کی جاسکے ۔کونسل کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ نو ممبران پر مشتمل ہوگی جس میں سے ایک سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج ہوں یا رہ چکے ہوں جبکہ باقی ممبران میں سے ممکنہ طور پر مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو نمائندگی دینی ہوتی ہے ۔ان میں سے کم از کم دو ممبران کا دس سال کا اسلامی ریسرچ اور تبلیغ کا تجربہ ہونا لازمی ہے ۔آج تک یہ پریکٹس چلی آرہی ہے کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس ہی اسلامی نظریاتی کونسل کے چیرمین کے طور پر فرائض انجام دیتے رہے ہیں گو کہ یہ لازمی قانونی تقاضا نہیں مگر مقصد یہ ہے کہ اس ادارے کو چیف جسٹس جیسے بڑے عہدے جو سیاست ،فرقہ پسندی ،کسی گروہی علاقائی اور ہر قسم کی دیگر آلائیوں سے بالاتر سمجھا جاتا ہے ،تا کہ ادارے کو قابل اعتبار بنا کر قانون کے مطابق چلایا جائے ۔وگر نہ علماء اکرام ممبران میں سے کوئی اس کا چیرمین ہوسکتا ہے جو سیاسی وابستگی کے باوجود علم اور شہیہ تو اسلامی رکھتے ہیں !!

پس منظر لکھنے کا مقصد اسلامی نظریاتی کونسل آزاد کشمیر کی طرف سے ایک روزہ قومی کانفرنس ''اسلامی قانون بین الاقوام اور امن عالم'' کے عنوان سے مورخہ 26 مئی کو میرپور کے مہنگے ترین فائیو سٹار ہوٹل میں کرائی گئی، پر تبصرہ مطلوب ہے اس میں شرکت کا دعوت نامہ مجھے بھی موصول ہوا جس کے ساتھ پروگرام کی تفصیل پڑھ کر میری حیرانگی کی انتہا ہوگی ،کہ اس میں مدعو شخصیات سب کے سب سیاسی جماعتوں کے عہدے دار، سربراہ

اور لیڈر اور ورکر تھے اور کانفرنس عملی طور "کل جماعتی سیاسی کانفرنس" تھی ۔اس کالم میں ان ناموں کے لکھنے کی گنجائش نہیں لیکن سوائے "ان پڑ پارٹی" کے سربراہ کے کوئی سیاسی جماعت شرکت سے محروم نہیں رکھی گئی۔ کانفرنس کا اسلامی نظریاتی کونسل ایکٹ کی روح، ذمہ داریوں ،اغراض ومقاصد اور فرائض کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا ۔ہمارے ملک میں ہر ادارے کو اپنے حدود سے تجاوز کرنے کی عادت بن چکی ہے جس سے قوم دست و گریباں ہو گئی ہے ۔میں چونکہ کاروائی کا عینی گواہ نہیں ہوں اس لئے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتا کہ مقررین میں سے کس نے کس اسلامی یا بین الاقوامی قانون یا امن عالم پر کیا نظریہ پیش کیا اور کس کے علم فہم و فراست سے شرکاء نے کیا سبق سیکھا لیکن اخباری رپورٹنگ کے مطابق ہر سیاسی لیڈر نے اپنی اپنی جماعت کے حق اور مخالف جماعتوں کے خلاف بات ضرور کی جس کا موقعہ پر جواب اور جواب الجواب پیش کیا گیا جس کی تفصیل کا کسی اور کالم میں ذکر کیا جائے گا۔صرف اتنا لکھنا کافی ہے کچھ حکومتی اکابرین نے شرکاء کو مخاطب کر کے ملک کی اعلیٰ عدلیہ کے خلاف مغلظات سنائیں جو باعث شرم ہے ۔اخبار میں جس ترتیب سے تصاویر دیکھیں ان میں جانی پہچانی صورتوں میں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی غالب اکثریت کا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا ۔جن میں سے اکثر لوگوں کے عدالتوں میں کسی نہ کسی سطح پر مقدمے زیر سماعت ہیں جن کا حتمی فیصلہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ میں ہونا ہے ۔ان لوگوں کی موجودگی میں چیف جسٹس سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ اور باقی سارے جج صاحبان کا جمع کیا جانا اور ان کی شرکت کسی طور قابل تحسین نہیں ہے جو ان کے اپنے منصب کے تقاضوں اور کوڈ آف کنڈکٹ کے خلاف ہے ان سیاست دانوں سے قربت ان کے مخالفین کی مخالفت کے مترادف عمل ہے جو اگر ان ججوں پر عدم اعتماد کریں تو حق بجانب ہونگے اتفاق کی بات ہے کہ اس روز کے نوائے وقت میں ایک مطالبہ درج تھا کہ ہائی کورٹ کے ججز ان مقدمات کا فیصلہ سنائیں جن کے فیصلے محفوظ کئے گئے ہیں ۔جج کے کوڈ آف کنڈکٹ کے آرٹیکل III ۔v اور vII کے متعلقہ حصوں کا میں خصوصی طور پر حوالہ دوں گا جن میں بیان کیا گیا ہے:۔

"AJudge should be above reproch and should keep his conduct free from all kinds of improprities "

" A judge should not go after unnecessary Publicity;He should not engage in any public conterversy, lest of all on a political question not with standing that it involves a question of law"

" Extra Judical duties or responsibilities, offical or private

should be generally avoided".

مجھے ایک ذمہ دار شخص نے فون پر بھی شرکت کی دعوت دی جس کو میں نے جواب دیا کہ میں پورے جوڈیشل کیریئر میں جس عمل کے خلاف رہا اس میں شرکت کر کے کس طرح اس کردار کی نفی کروں؟ Explanation یہ دی گئی کہ کانفرنس چیف جسٹس کی طرف سے نہیں بلکہ نظریاتی کونسل کے چیرمین کی طرف سے ہے، بھائی ٹوپی Matter نہیں کرتی ٹوپی پہننے والا Matter کرتا ہے بھلے ٹوپی جس رنگ کی ہو! 2006 سے 2010 تک کی سپریم کورٹ کی فائلیں میرے ان تحریری نوٹس سے بھری پڑی ہیں جن میں میں نے اس وقت کے چیف جسٹس کو اپنے منصب کو غیر جوڈیشل سرگرمیوں، پبلک فنکشن اور پبلک ریلشنگ میں باز رہنے کی تلقین کرتا رہا ہوں، میں یہ بات کیسے گوارہ کر سکتا ہوں کہ میری اس ان تھک محنت صبر اور قربانی کے ثمرات سے نوتشکیل شدہ جوڈیشری بھی دانستہ یا نادانستہ اس راہ پر چل پڑے جس سے بالآخر یہ بھی زوال پذیر ہو۔ شرکاء جلسہ میں اکثر مدعوین وکلاء اور سول سوسائٹی نے مجھے ذاتی طور پر اور فون پر اس پر ناپسندگی اور ملامت کا اظہار کیا۔ کیا پاکستان یا دنیا بھر کی کسی کانفرنس میں ایسا ہوتا ہے کہ علمی۔ ادبی۔ مذہبی دینی یا فقہی معاملات کو سیاست دانوں کے سپرد کر دیا جائے؟ جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل کا ایسا مینڈیٹ بھی نہیں۔

حال ہی میں قطر اور کچھ عرصہ پہلے اسلام آباد میں ہونے والی کانفرنسز میں شریک لوگوں پر نظر ڈالیں اور موازنہ کریں۔ مجھے وکلاء کے کنڈکٹ پر حیرانگی ہوئی جو اس کو برا کہتے ہیں لیکن چشم پوش کر رہے ہیں۔ کیا بار کونسل رولز 1998 کے چیپٹر XVI کے وہ پابند نہیں ہیں؟ بار اور عدلیہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن کیا کسی بار کے ایسے فنکشن میں کوئی پاکستانی جج جاتا ہے جس کا مہمان خصوصی یا صدر کوئی حکومتی شخصیت ہو؟۔ کیا کسی بار ایسوسیشن نے کبھی کسی چیف جسٹس یا جج کو حلف لینے کے لیے بلایا؟ جبکہ سیاست دانوں کو بلایا جاتا ہے اور جج اپنا کام چھوڑ کر سامعین میں بیٹھ جاتے ہیں! رول آف لاء تو وکلاء نے بحال کرنا ہوتا ہے۔ عدلیہ جتنا زیادہ غیر متنازعہ اور سیاسی تعلقات سے بالاتر رہے گی اتنی ہی ریاست کی عزت اور عدلیہ کا وقار قائم ہوگا جو قوم کے حق میں بالعموم اور وکلاء کے حق میں بالخصوص ہوگا۔ اس کو یقینی بنانا وکلاء کی ذمہ داری ہے۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ 2010 میں بحران ختم ہونے کے بعد عدلیہ میں کچھ ماہر پیشہ ور قانون دانوں کے جج بننے کی وجہ سے عدلیہ کی توقیر اور غیر جانبداری بحال ہونا شروع ہو گئی ہے۔ کچھ تقرریوں پر تحفظات کے باوجود ہر لیول پر عدلیہ سے وکلاء کے ہمراہ میرا تعاون بھی جاری رہے گا لیکن اس میں ججوں سے بھی توقع ہے کہ وہ ججی کے معروف تقاضوں کو مجروح نہ ہونے دیں اس بات کا ادراک کیا جانا چاہیئے کہ، ماضی

ہمارا بہترین رہنما اور استاد ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت 09 جون 2012)

☆☆☆☆☆

آزاد کشمیر کونسل کے انتخابات کا سیاسی اور اخلاقی پہلو

آزاد جموں وکشمیر کونسل وزیراعظم پاکستان کی چیئرمین شپ میں ان تمام امور پر قانون سازی کا اختیار رکھتی ہے جو پاکستان میں اٹھارویں آئینی ترمیم سے پہلے فیڈرل لسٹ میں تھے۔کونسل پارلیمنٹ آف پاکستان کے پانچ نامزد ممبران یا منسٹرس اور آزاد کشمیر اسمبلی کے چھ منتخب ممبران کے علاوہ صدر آزاد کشمیر اور وزیر اعظم آزاد کشمیر پر مشتمل ہے۔آزاد کشمیر کے عبوری آئین ایکٹ 1974ء کے تحت جن امور پر کونسل قانون سازی کرتی ہے یا جو آئین میں درج ہیں ان کے انتظامی اختیارات استعمال کرنے کا اختیار صرف پرائم منسٹر پاکستان جو کشمیر کونسل کے چیئرمین ہیں کو حاصل ہیں۔چیئرمین کا نام تکلفاً لکھا گیا ہے،اصل میں یہ وزیراعظم پاکستان ہیں کیونکہ کونسل میں قانونی معاملات کو اسی طریقے سے یکسو کیا جاتا ہے جیسا کہ باقی صوبوں میں ہوتا ہے۔منتخب ممبران کا کونسل کے انتظامی امور میں کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ آئین کی دفعہ (7)21 کے تحت جملہ اختیارات کونسل کے چیئرمین/ وزیراعظم پاکستان کو حاصل ہیں اور وزیراعظم پاکستان اس سلسلے میں نہ تو کونسل کے سامنے جواب دہ ہیں اور نہ ہی آزاد کشمیر اسمبلی یا قومی اسمبلی کے پاس یہ دنیا کا عجیب ترین آئینی نظام ہے جہاں اختیارات کا استعمال بلا جواب دہی ہے۔آزاد کشمیر حکومت اور کونسل منسٹری آف کشمیر افیئرز کے اٹیچڈ ڈویژن ہیں۔

جہاں تک منتخب ممبران کا تعلق ہے ان میں سے تین کو بطور مشیر بھی تعینات کیا جا سکتا ہے جو صرف آزاد کشمیر کا فلیگ،منسٹر کے برابر تنخواہ اور مراعات حاصل کر سکتے ہیں اس کے علاوہ ان کو بشمول دیگر ممبران کے سال میں ایک یا دو بار کونسل میں ایک یا دو گھنٹے کے لئے وزیراعظم پاکستان کے ساتھ بیٹھنے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور غالباً 2 یا تین کروڑ روپے ترقیاتی سکیموں کے لئے دیئے جاتے ہیں جن کا موقع پر وجود میں ہونا آج تک سوالیہ علامت ہے اور یہ لوگ بھی اس کے لئے کسی کے پاس جواب دہ نہیں ہیں۔اس وقت تک کی کونسل کی آئینی اور عملی پوزیشن تو یہی ہے۔اس ادارے کا اربوں روپے کا بجٹ آزاد کشمیر کے لوگوں کی آمدن پر ٹیکسز سے حاصل ہوتا ہے۔اگر یہ ادارہ نہ ہوتا تو یہ ساری آمدنی آزاد کشمیر حکومت کی مد میں آتی اور اس کے تخمینہ آمدن اور اخراجات کے لئے آزاد کشمیر حکومت،آزاد کشمیر اسمبلی،آزاد کشمیر عدلیہ اور آزاد کشمیر کے لوگوں کے پاس جواب دہ ہوتی۔

کونسل کے چھ منتخب ممبران کا انتخاب آزاد کشمیر اسمبلی کے ممبران متناسب نمائندگی کی بنیاد پر کرتے ہیں پاکستان مسلم لیگ (ن) پہلی بار آزاد کشمیر کے اس انتخابی معرکے میں شریک ہوئی اور ایک نشست بھی

حاصل کرلی جو نہایت خوش آئند بات ہے۔منتخب ہونے والی شخصیت بھی ایک جانے پہچانے خاندان سے تعلق رکھتی ہے جو سردار سکندر حیات خان کے چھوٹے بھائی سردار نعیم خان ہیں اور اس وقت بھی اسمبلی کی منتخب نشست پر موجود ہیں۔سردار سکندر حیات آزاد کشمیر کے وزیر اعظم اور صدر رہ چکے ہیں اور بلا شبہ انتظامی صلاحیتوں کے مالک ہیں ان کے دور میں اداروں کو استحکام ملنے کے علاوہ یہ مربوط بھی رہے اور جواب دہ بھی۔

مسلم لیگ کے ایک رکن کی حیثیت سے میں ذاتی طور چاہتا تھا کہ کونسل کے اس الیکشن میں خاندانی نسبتی یا موروثی سیاست والوں کے بجائے کسی اور کو نامزد کیا جاتا جو عام حالات میں اسمبلی میں نہیں پہنچ سکتا لیکن چہرہ قابل قبول ہوتا۔جس سے ایک تبدیلی کی فضا کا تاثر ملتا،لیکن الیکشن صرف لڑنے کے لئے نہیں، جیتنے کے لئے لڑے جاتے ہیں۔میں نے جب ذمہ دار لوگوں سے بات کی تو مجھے بتایا گیا کہ سردار نعیم کے علاوہ الیکٹورل کالج کسی اور پر متفق نہیں ہوسکتا تھا اس لئے یہ امر ناگزیر تھا۔انتخابی سیاست کے اصولوں کے مطابق یہ فیصلہ درست تھا کیونکہ اسمبلی میں ان کا گروپ بھی مربوط رہا اور دو ووٹ اس کے علاوہ بھی حاصل کیئے گئے تھے۔لیکن لمحہ فکریہ یہ ہے کہ کیا لیڈر شپ کی گرفت اتنی ڈھیلی ہے یا قوم کی فکر اتنی مفلوج ہے کہ وہ کسی اور کو منتخب کرنے کو تیار نہیں؟ آخر 35 لاکھ لوگوں میں سے نئی لیڈر شپ کس طرح پیدا ہوگی!اللہ کے قانون کے مطابق ''اللہ اس قوم کی حالت کو تب تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں''۔جنوبی ایشیاء میں تعلیم اور بالخصوص جمہوری تعلیم کی فقدان کی وجہ سے موروثیت/شخصیت پرستی ختم نہیں ہوسکتی۔ہندوستان میں نہرو خاندان پاکستان میں بھٹو خاندان، بنگلہ دیش میں شیخ مجیب خاندان کی لوگوں میں قبولیت ہے اور آزاد کشمیر میں سردار عبدالقیوم اور کریلوی خاندان کی لوگوں میں قبولیت ہے۔لیکن ان میں خود کوئی نالائق یا نکما نکلے یا لوگ خود اپنے آپ کو بدلیں تو اور بات ہے، وگرنہ یہ اثر تو رہے گا۔آزاد کشمیر میں ہی چوہدری غلام عباس مرحوم نے موروثیت نہیں اپنائی سردار خالد ابراہیم اپنے میرٹ پر اور بیرسٹر سلطان محمود کے سیاست میں آنے کے بعد ان کے والد بزرگوار چوہدری نور حسین گوشہ نشین ہوگئے۔یہ بات ان کے credit میں جاتی ہے۔آئندہ اسمبلی کے الیکشن میں آزاد کشمیر میں قابل قبول چہروں میں سے سردار خالد ابراہیم،عبدالرشید ترابی اور مولانا سعید یوسف کو ساتھ ملانا ضروری ہوگا۔

اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت کونسل کے چھ ممبران میں سے چار کا تعلق ضلع کوٹلی سے ہے۔یہ الگ الگ سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا لیکن قانون میں ایک بنیادی سقم موجود ہے جو اس کے اخلاقی، سیاسی اور عملی پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔جب ایکٹ 1974 ترتیب دیا گیا تھا اس وقت آزاد کشمیر چھ اضلاع پر مشتمل تھا۔میرے خیال میں انڈرسٹینڈنگ یہی تھی اور ہونی بھی یہی چاہیئے تھی کہ

کونسل میں ہر ضلع کو نمائندگی حاصل ہوگی اور پارٹیوں کو قانون سازی کے ذریعہ اس بات کا پابند بنانا چاہیئے کے کونسل کے ممبران کے انتخاب کے لئے ضلعی نمائندگی کو یقینی بنایا جائے تا کہ جو فنڈز ان لوگوں کو ترقیاتی سکیموں کے لئے ملتے ہیں وہ منصفانہ طور ہر ضلع میں برابر یا کم از کم ضلع کے حجم کے مطابق مختص ہو کر خرچ ہوں۔ اس عملی اور اخلاقی حیثیت کو نظر انداز کرنا آئینی اور سیاست کی روح اور اخلاقیات کے خلاف ہے جس پر آئندہ نظر ثانی کی جانی چاہیئے۔

جہاں تک پارلیمنٹ کے پانچ نامزد ممبران کا تعلق ہے ان کے نامزد کرنے میں بھی اس سیاسی، عملی اور اخلاقی حیثیت کا ادراک کیا جانا لازمی ہے کہ پاکستان کے چاروں صوبوں کے علاوہ وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں سے ایک ایک ممبر ہونا چاہیئے تا کہ وفاق کی ساری اکائیاں آزاد کشمیر کے معاملات سے باخبر اور متعلق رہیں اس طرح آزاد کشمیر کے ہر ضلع سے منتخب اور پارلیمنٹ آف پاکستان کے ہر انتظامی یونٹ سے نامزد ممبران کا آپس میں تال میل اور انٹرایکشن موجود رہے گا۔ جو ملک بھر کی اکائیوں کو مربوط کرنے میں معاون ثابت ہو سکے گا۔

میں نظریاتی طور اس بات کے حق میں ہوں کہ آزاد کشمیر کونسل کے نام پر حکومت پاکستان کو ذمہ داریاں سپرد کرنے کے بجائے آزاد کشمیر اسمبلی ہی اسی طرح پارلیمنٹ آف پاکستان کے لئے ممبر منتخب کرے جن کو الیکشن کمیشن آف پاکستان پارلیمنٹ آف پاکستان کا ممبر نوٹی فائی کرے اس طرح ریاستی تشخص بحال رکھتے ہوئے ملکی یکجہتی مضبوط اور مربوط رہے گی۔ یہ ارینجمنٹ اس وقت رائج طریقہ کار سے ہر لحاظ سے بہتر ہوگا جو انسانی حقوق اور اخلاقی روایات کے عین مطابق بھی ہوگا۔ اس وقت وزیر اعظم پاکستان اور پانچ نامزد ممبران آزاد کشمیر کے آئین کے تحت حلف لئے بغیر آزاد کشمیر سے متعلق ہر قسم کی پالیسی، قانون سازی اور فیصلے کرتے ہیں اور کسی کے سامنے جواب دہ بھی نہیں ہیں۔ جبکہ منتخب ممبران کا سوائے ذاتی مالی مفادات کے اور کوئی رول نہیں ہے۔

(روزنامہ سیاست 07 مارچ 2011)

☆☆☆☆☆

آزاد کشمیر الیکشن قومی دھارے میں

2011 کے آزاد کشمیر الیکشنز نے گذشتہ دو ماہ سے ملک بھر میں ارتعاش پیدا کر دیا ہے ۔اب کی بار ملک کی دو بڑی قومی پارٹیاں الیکشن دنگل میں آمنے سامنے آئیں جنہوں نے مقامی پارٹیوں کو غیر متعلقہ بنا دیا ۔ایم ۔کیو ۔ایم نے مہاجر نشستوں پر الیکشنز ملتوی کرنے پر حکومت کو ہلا کر اور اسی گرما گرمی میں بیان بازی سے کراچی کو جلا کر رکھ دیا سوائے پیپلز پارٹی کے تمام پارٹیوں نے الیکشن کمیشن پر عدم اعتماد کا اظہار کیا جو اس حد تک درست ہے کہ انتخابی فہرستیں، ان کی بروقت تیاری اور پولنگ سٹیشنز پر اس کے انتظامی صلاحیتوں کی ناکامی کا ثبوت ہے ۔لیکن پولنگ اور پولنگ سٹیشنز پر مبینہ دھاندلی مقامی انتظامیہ اور متعلقہ امیدواروں کے غیر مناسب طرز عمل کا نتیجہ ہے اس میں الیکشن کمیشن کا کوئی قصور نہیں ہوسکتا ۔جن پارٹیوں یا امیدواروں نے پولنگ سٹیشنز پر اپنے ووٹر پہنچائے اور ووٹ پول کروائے انہوں نے میدان مار لیا ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ الیکشن کمیشن وضع کردہ ضابطہ اخلاق کو نافذ نہ کر سکا جس کی بنیادی وجہ مرکزی حکومت اور اس کی سول بیوروکریسی ہمیشہ کی طرح اثر انداز رہی ۔آزاد کشمیر کے الیکشنز کی تاریخ ہے کہ مرکز میں قائم حکومت کا جھکاؤ جس طرف رہا اس پارٹی نے الیکشن جیتا ۔جہاں تک دھاندلی اور کرپٹ پریکٹس وغیرہ الزامات کا تعلق ہے اس کا فیصلہ الیکشن ٹریبونل کریں گے جن میں باصلاحیت، باجرات اور غیر جانبدار ججوں کا تعین ہونا ضروری ہے ۔وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار عتیق احمد خان صاحب کا ردعمل ان کی شایان شان نہیں تھا جنہوں نے چیف الیکشن کمشنر کو پندرہ بار پھانسی دیکر لٹکائے جانے کے الفاظ استعمال کیئے اگر ریاست کے وزیر اعظم کا رویہ تشدد آمیز ہو تو انصاف اور سلامتی کی توقع کس سے رکھی جاسکتی ہے؟ 2002-2004 میں جب میں الیکشن کمشنر تھا اس وقت عتیق احمد صاحب سمیت آزاد کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہوں نے تحریری طور میرے ساتھ اتفاق کیا کہ 2006 کے الیکشن کے لئے انتخابی فہرستیں نئی اور کمپیوٹرائزڈ بنائی جانی چاہئیں جس میں ہر ووٹر کے شناختی کارڈ کا اندراج ہو لیکن ان ہی لوگوں نے اس کے بعد اسمبلی میں اس عمل کے خلاف متفقہ قرارداد پاس کی جس پر میں نے استعفیٰ دے دیا ۔ہمارے سیاست دان ذاتی فائدہ کو دیکھتے ہیں قومی یا اداروں کے فیصلوں کی ان کو کوئی پرواہ نہیں ۔الیکشن کے درست ہونے کی بنیاد انتخابی فہرستیں ہیں اگر یہ مشکوک ہیں تو پورا انتخابی عمل مشکوک ہو جاتا ہے ہندوستان میں الیکشن کمیشن نے ہر ووٹر کے لئے اپنا شناختی کارڈ جاری کیا ہے جس پر اس کا ووٹر نمبر درج ہوتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ وہاں

الیکشن کمیشن کامیاب ترین ادارہ ہے۔گذشتہ دنوں ایک T.V. چینل پر میں نے سردار عتیق احمد خان صاحب اور چوہدری طارق فاروق صاحب کو 2006 کے الیکشن اور اس وقت کے الیکشن کمشنر کی تعریفوں کے پل باندھتے سنا،حقیقت حال یہ ہے کہ وہ الیکشن ایم آئی کے بریگیڈیئر غضنفر اور اسی کی ٹیم نے کرائے الیکشن کمشنر کو نمائش کے لئے رکھا گیا تھا۔فوجی ڈنڈے کے ذریعہ مسلم کانفرنس کے حق میں مطلوبہ نتائج حاصل کیئے گئے پولنگ سٹیشنز اور ہیلی کاپٹرس میں فوجی افسروں کا الیکشن کمیشنز پر حاوی رہنا دستیاب ویڈیو اور تصویروں سے عیاں ہے۔اب کی بار فوج اور اس کی ایجنسیاں مکمل طور غیر جانبدار تھیں،مرکزی سول حکومت حرکت میں تھی جبکہ آزاد کشمیر میں عتیق خان صاحب کی حکومت تھی جہاں انتظامی ناکامی کے ذمہ دار وہ خود ہیں اور پیپلز پارٹی کی برتری مرکزی حکومت کی وجہ سے ہوئی۔

قطع نظر دھاندلی کے الزامات اور ان کی تردید کے جو حقائق واضح طور سامنے آئے ان کی رو سے کشمیری ووٹروں نے 70% سے زیادہ ووٹ قومی سطح کی پارٹیوں کے حق میں دیکر آزاد کشمیر کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے حق میں واضح رائے دیکر مقامی یا ریجنل پارٹیوں کو عملی طور مسترد کر دیا ہے۔مقبوضہ کشمیر کے گزشتہ تمام الیکشنز پر نظر ڈالی جائے تو وہاں واضح طور لوگ مقامی پارٹیوں کے حق میں ہیں اور اسمبلی میں ان کی ہی اکثریت ہوتی ہے جو ہندوستان یا مرکز سے علیحدگی کا واضح پیغام ہے۔مسلم لیگ نواز نے محض چند ماہ میں ریکارڈ ووٹ لئے اور راجہ فاروق حیدر کا مظفر آباد کے دو حلقوں سے کامیابی ان کے نو ماہ کی حکومت کے اقدامات کی تحسین اور توثیق ہے۔دوسری ہوش ربا حقیقت جس کا ادراک کیا جانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مہاجر نشستوں کے موجودہ طریقہ انتخاب پر نظر ثانی کیئے جانے کی ضرورت ہے۔کیونکہ یہ سیٹیں موجودہ حالت میں عملی طور یرغمال ہیں۔مہاجرین کی نمائندگی ضرور ہنی چاہیئے لیکن طریقہ انتخاب مخصوص نشستوں کی طرح ہونا چاہیئے۔تا کہ ان نشستوں پر انتخاب کرانے والی میشنری آزاد کشمیر الیکن کمیشن اور یہاں کی انتظامیہ کا حصہ ہونے کی وجہ سے ان کے پاس جوابدہ ہو۔

مقامی پارٹیوں سے بیزاری اور مرکزی پارٹیوں کی پذیرائی،خوش آئیند ہے۔کیونکہ مقامی اور ریجنل پارٹیاں علاحدگی پسندی اور مرکز گریزی کا رجحان کو پروان چڑھاتی ہیں اب یہ قومی سطح کی پارٹیوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ آزاد کشمیر کو مقامی سطح پر ملک کے باقی صوبوں کے برابر خودمختیاری اور قومی سطح پر پاکستان کے آئین میں ترمیم کر کے کشمیر مسئلے کے حتمی حل تک قومی اداروں میں نمائندگی کا اہتمام کریں تا کہ یہاں کے لوگ بھی اس پالیسی اور فیصلہ سازی میں شامل ہو سکیں جس سے یہاں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔پارٹی کے ورکرس میں

اضافہ کرنے سے یہاں کے لوگوں کو کچھ نہیں مل سکتا جب تک یہاں کے لوگ صدر اور وزیر اعظم پاکستان کے الیکٹورل کالج کا حصہ، فنانس کمیشن، کونسل آف کامن انٹرسٹ، ارسا، منگلا اور دیگر ڈیمز کی رائلٹی اور منافع کے حصہ دار نہیں بنتے۔

(روزنامہ نوائے وقت 23 جولائی 2011)

☆☆☆☆☆

ریاست کے آزاد حصے
قومی دھارے میں کس طرح شامل ہو سکتے ہیں؟

ریاست جموں وکشمیر کے پاکستان کے زیر انتظام علاقے ہندوستان کے آئین بین الاقوامی قوانین اور پاکستان کے آئین کی رو کے مطابق پاکستانی ہونے کے باعث قومی دھارے میں شامل ہو کر ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ان حقوق سے مستفید ہو سکتے ہیں جو مہذب دنیا کے لوگوں کو میسر ہیں۔اس وقت ان علاقوں میں رہنے والے یا اس کے حوالے سے دنیا میں مقیم ریاستی باشندے وہ مقام نہیں رکھتے جو مملکت پاکستان کے صوبوں کے لوگوں کو اندورن و بیرون ملک حاصل ہیں حالانکہ یہ لوگ رنگ۔نسل۔زبان۔اہلیت اور علم وحکمت کی بناء پر اپنے دیگر ہم وطنوں سے کسی طور کم نہیں۔ایک ہی یونیورسٹی اور اکیڈمی سے فارغ التحصیل دو الگ الگ رویئے کے شکار ہیں جبکہ کے دونوں کو ذمہ داریوں کے لحاظ سے یکساں ٹریٹ کیا جاتا ہے۔یہ محض ایک رویئے کی وجہ سے ہے جو چند سیاست دان اپنی جارہ داری قائم کرنے اور رکھنے کے لئے اسٹیبلشمنٹ کے ذریعہ روا رکھے ہوئے ہیں جبکہ عوام الناس اور اس انتظامی ڈھانچے کے علاوہ مملکت پاکستان اور لوگوں پر اس کے منفی اثرات گہرے ہوتے جارہے ہیں۔

لوگوں کی مملکت پاکستان اور کشمیر کی آزادی سے جذباتی وابستگی کی بناء پر یہ باور کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے کہ اگر اس ڈھانچے میں کوئی تبدیلی لائی گئی تو یہ دونوں Cause متاثر ہو جائیں گے۔

آئیں نو سے ڈرنا طرز کہن پر اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

حالانکہ 1947 سے لے کر آج تک کئی دفعہ ان علاقوں کے انتظامی ڈھانچوں میں تبدیلی لائی جا چکی ہے جس سے کسی طور پر اس علاقے کے لوگوں کی مملکت پاکستان اور کشمیر کاز سے وابستگی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ مثلاً 1947 سے 1970 تک آزاد کشمیر میں صدارتی طرز حکومت تھا اور زیادہ عرصہ تک صدر اسی شخص کو منتخب کیا جاتا رہا جو مسلم کانفرنس کے اس دھڑے کا نامزد ہوتا جس کو منسٹری آف کشمیر افیئرز نے تسلیم کیا ہو۔اس کے بعد 1975 میں پارلیمانی نظام لایا گیا جس میں صدر کے علاوہ وزیر اعظم کا عہدہ بھی تخلیق کیا گیا۔1977 کے آئین

میں انتہائی غیر اخلاقی ۔غیر انسانی اور غیر آئینی ترمیم کرتے ہوئے صدر اور وزیر اعظم کا عہدہ ختم کر کے منتظم اعلیٰ کا عہدہ تخلیق کیا گیا جس کو اسمبلی کے سپیکر کے علاوہ جملہ حکومتی اختیارات حاصل رہے ۔1985 میں پھر پارلیمانی نظام وجود میں آیا جو اس وقت تک چل رہا ہے 2006 کے جعلی اور meneoured الیکشنز کے نتیجے میں جو اسمبلی وجود میں آئی جو اس وقت تک چار بار وزیر اعظم تبدیل کر چکی ہے اور معزز ممبران اسمبلی کو اس وقت تک کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہو رہی ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں ۔اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ کئی اسمبلی ممبران کے خلاف انتخابی عذر داریاں اس وقت تک زیر سماعت ہیں ۔چیف الیکشن کمشنر جس کو دھاندلی کروانے کے صلہ میں چیف جسٹس آزاد کشمیر بنایا گیا نے بحیثیت چیف جسٹس پہلے تو الیکشن ٹریبونلز پر ناجائز اثر ڈال کر سمری سماعت کے طور پر عذر داریوں کے من مانے فیصلے کروائے اور ان کے خلاف اپیلیں اپنے پاس دبا رکھیں جن کی سپریم کورٹ میں ماسوائے ایک دو اپیلوں کے کسی جج کے پاس سماعت کی باری ہی نہیں آنے دی گئی اور اس طرح ممبران کو بلیک میل کیا۔

جاہل کو اگر جہل کا انعام دیا جائے
اس حادثہ وقت کو کیا نام دیا جائے

اسی طرح گلگت بلتستان میں مدت دراز تک فرنٹیئر کرائم ریگولیشنز نافذ کر کے جنگل کا قانون روا رکھا جس کے بعد لیگل فریم ورک آرڈر کے تحت رسمی طور پر انتظامی سربراہ مقرر کیا جاتا رہا لیکن اصل اختیارات منسٹری آف کشمیر کے پاس ہی رہے ۔وہاں کے لوگوں میں یہ بات زبان زد عام تھی جو کرے گا KANA کرے گا۔ یہ ذو معنی بات طنزاً کہی جاتی ہے ۔کہ حکومت کرنے والے کانے ہیں یعنی انصاف نہیں کرتے اب وہاں آزاد کشمیر طرز کا ڈھانچہ بنا کر انتظامی سربراہوں کو گورنر اور وزیر اعلیٰ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ۔یہ بھی اسی صدی کا سب سے بڑا فراڈ ہے کہ نام تو دیئے گئے لیکن وہ مقام نہیں ہے جو ملک کے باقی صوبوں کا ہے یہی حالت آزاد کشمیر کے انتظامی سربراہوں کا ہے جو نام کے طور پر صدر اور وزیر اعظم ہیں لیکن مقام لوکل لیول کی اتھارٹی کا بھی نہیں ۔لیکن یہ عمل ناجائز بھی نہیں کیونکہ مملکت پاکستان کے آئین میں اس قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے لحاظ ان لوگوں کا مقام ملکی سیاست میں ان کے اپنے مقام سے وابستہ ہے ۔ملک کے آئین اور قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہیں اسی لئے آزاد کشمیر کے بڑے قد کے لیڈر نے کہا تھا کہ ان علاقوں کا مقام ایسا ہی رہنا جہاں کبھی ہم اوپر اور کبھی وہ۔

اس وقت گلگت بلتستان کے گورنر اور وزیر اعلیٰ کا مقام (مرتبہ نہیں) آزاد کشمیر کے صدر و وزیر اعظم سے اعلیٰ ہے کیونکہ ان کا ملک میں تعلق حکمران پیپلز پارٹی سے ہے ۔اس کے پس پردہ ایک نفسیاتی حکمت بھی کار

فرماہے ۔وہ یہ کہ ملک میں سول وپولیٹیکل بیورکریسی اسی مختصر رقبہ اور آبادی کے علاقوں کے گورنر اور وزیر اعلیٰ کے نام کو تو ہضم کر سکتے ہیں ۔صدر اور وزیر اعظم کے نام کو ہضم کرنا ان کے لئے مشکل ہے ۔ملک کا صرف ایک ہی صدر اور ایک ہی وزیر اعظم ہے ۔گو کہ ان علاقوں کا مقامی انتظام ہو بہو صوبائی طرز پر لیکن مرکزی آئین میں صوبے کا درجہ نہ ہونے کی وجہ سے بطور حق یہ لوگ کوئی بات منوانے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوتے بالخصوص وہ جن کی سیاسی اور اخلاقی پوزیشن بھی کمزور ہو۔

اس سارے عمل بد عملی کے باوجود اگر کشمیر کا زمتاز نہیں ہوا تو اس کو ترتیب دے کر ایک مرکزی سسٹم کے ساتھ آئین کے تحت منسلک کرنے سے اس میں نئی روح جان پڑے گی ۔کوئی کمزوری نہیں آئے گی۔

ہماری خواہش کے مطابق پورے کشمیر کے حل ہونے کا معاملہ دو چار دنوں کی بات نہیں ۔عقلمندوں نے اس گتھی کو سوچ کر الجھایا ہے ۔اس نے حل ضرور ہونا ہے لیکن یہ اس وقت ممکن نہیں جب تک پاکستان اقتصادی اور سیاسی طور پر اتنا مضبوط نہ ہوگا جتنا ہندوستان ۔اگر چہ ملک کی فوج ہندوستان کے برابر ہے ۔اگر پاکستان چاہئے بھی مقبوضہ کشمیر کے لوگ اس مسلے کو ہندوستان کی شرائط پر ختم نہیں ہونے دیں گے ۔لیکن جب تک پاکستان اقتصادی طور پر اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہوگا سیاسی اور انتظامی انصاف کے اصولوں کو پورا نہیں کرے گا ۔اور کشمیر پر اپنے موقف پر جم کر ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کرے گا اس وقت تک کچھ بھی ممکن نہیں ہو سکتا ۔کیا ان حالات میں ریاست کے آزاد خطے کے لوگوں کے حقوق کو اس کا Hostage رکھنا مناسب ہے۔ ہرگز نہیں ۔اس کا ادراک کیا جانا لازمی ہے ۔قومی نوعیت کے مسائل کو قومی مفاد میں حل کرنے میں وقت لگتا ہے لیکن اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان 'وصبرو و صابرو و رابطو' پر ایمان رکھنا ضروری ہے تب ہی فلاح ممکن ہے ۔اسپین اور فرانس کے درمیان ایک چھوٹے سے علاقے انڈورا کا تنازعہ 803 میں شروع ہوا اور 1993 میں حل ہوا ۔میکاؤ اور ہانگ کانگ کے لئے چین کو صدیوں انتظار کرنا پڑا ۔میرا ایمان ہے کہ کشمیر کا مسئلہ یقیناً حل ہوگا ۔جس میں 80% دخل کشمیریوں کے استحقاق کا ہے جو وہ صدیوں سے رکھا رہے ہیں اور 20% پاکستان کی غیر متزلزل موقف پر قائم رہنے میں ہے۔

حالات اور عقلمندی کا تقاضا ہے کہ ان علاقوں کو سیاسی انتظامی اور اقتصادی طور پر اتنا مضبوط اور قابل رشک بنایا جائے کے رائے شماری کے وقت مقبوضہ ریاست کے لوگوں کی پاکستان پہلی ترجیح بن جائے ۔ریاست کا فیصلہ نا معلوم ہماری کس نسل کے لوگوں نے کرنا ہے ۔لیکن بہر حال یہ 1947 یا 1972 کی طرح کے لوگ نہیں ہونگے وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ گلوبل اکانومی اور انسانی حقوق کو سامنے رکھ کر کریں گے ۔عقیدے ۔نظریئے یا

جذبات سے نہیں یہ سوچ صرف میری عمر کے لوگوں کی پہلی نسل تک قائم رہے گی اس کے بعد کسی نسلیں فیصلے عالمی تناظر کے حوالے سے کریں گے ۔اس کی پیش بندی کی جانی لازمی ہے ۔

میں اپنے تجربے اور عقیدے کی بناء پر کہتا ہوں کے ان معاملات کو جتنا جلدی ہو سکے حل کیا جانا چاہیئے وہ کیسے ممکن ہے اس کی ذہین بنانے اور رویے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے ۔جو کچھ عملی طور پر ہو رہا ہے in practice ہے اور جس سے لوگ مانوس ہیں اس کو مناسب ردوبدل کے ساتھ پاکستان کے آئین کے تحت تحفظ دے کر باقی جملہ اختیارات پارلیمنٹ آف پاکستان کے آئین کی دفعہ 258-257 کے تحت ان علاقے کے لوگوں کو منتقل کر دی جائے ۔مرکزی نوعیت کے اختیارات جو کہ ایک فیڈرل سیٹ اپ میں ہوتے ہیں وہ مرکزی آئین کے تحت مرکز کے حوالے کر کے ان کے صحیح استعمال کو یقینی بنانے کے لئے ان علاقے کے لوگوں کو مرکزی پارلیمنٹ میں اس وقت تک نمائندگی دی جائے جب تک پوری ریاست کے لوگ اپنے مستقبل کا حتمی فیصلہ نہیں کرتے ۔ان اختیارات کے تعین کی بنیاد سلامتی کونسل کی قرار دادیں ۔کراچی ایگریمنٹ ۔مہاراجہ کے جوں کے توں معاہدے اور آئین پاکستان کی حالیہ اٹھارویں ترمیم کی روشنی میں بھی کیا جا سکتا ہے ۔اس طرح وہ ترتیبی یعنی حکومت پاکستان ۔آزاد کشمیر کونسل ۔آزاد کشمیر حکومت اور منسٹری آف کشمیر افیئر ز کے معاملات ریگولیٹ ہو جائیں گے ۔اور over laping, over stepping, over sight ختم ہو جائے گی اور منزل کا تعین ہو جائے گا جس سے یہ علاقے اور یہاں کے لوگ ایک نمبر شار ہو نگے جو مملکت پاکستان کے مفاد میں ہے ۔اس سلسلہ میں کلیدی کرداران سیاسی جماعتوں نے ادا کرنا ہے جو ملک گیر ہیں جن میں پیپلز پارٹی ،جمعیت العمائے پاکستان ،جمیت اہلحدیث ہے جماعت اسلامی اور اب ملک کی سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ (ن) ہے ۔ آزاد کشمیر میں قیام کے بعد اس کی قیادت نہ کرنا ہے ۔اتفاق کی بات ہے کہ اس کی قیادت ایسے شخص کے پاس ہے جو کشمیری نژاد ہے ۔مقبوضہ کشمیر کو کشمیر نژاد پنڈت جوہر لال نہرو نے اپنے عشق کا اسیر بنایا اب پاکستانی کشمیری میاں محمد نواز شریف نے اس کو اپنے عشق کے ذریعے آزاد کرانا اور کشمیری اس کے ساتھ عشق بھی کرتے ہیں جس کی اس نے لاج رکھنی ہے ۔ملک گیر جماعتوں کا فائدہ ملک کو بالخصوص کشمیر کو اس وقت تک ہو سکتا ہے جب ان جماعتوں کے ذریعے کشمیر کے لوگ پارلیمنٹ پاکستان میں پہنچیں گے ۔کشمیر میں ان جماعتوں کی تنظیمیں گداگری کا نہیں بادشاہ گری کا رول ادا کریں ۔بیرون ملک پاکستانی کشمیریوں کے جلسے جلوس کے ذریعے مرکزی قیادت کو خوش کر کے اپنے ذاتی مفاد حاصل کرنے مزدور پیشہ لوگوں کی جیب کاٹ کر اپنے محلات بنانے اور مرکزی قیادت پر جوتے برسوانے کے بجائے ان علاقوں کو ملکی سطح پر مقام دلانے کا ادراک کریں ۔یہ وقت کا تقاضا ہے وگرنہ

لوگ آگے نکل جائیں گے۔لیڈر اور جماعتیں ہاتھ ملتے اور ایڑیاں رگڑتے رہ جائیں گے۔

کیا اس انتظام سے مسئلہ کشمیر متاثر ہوگا اس کا تجزیہ انشاءاللہ اگلے کالم میں کیا جائے گا۔میری ہر بار کوشش اور قارئین سے درخواست ہوتی ہے کہ اس قومی معاملہ میں اپنے رائے بھی دیں تا کہ ان معاملات میں جنہوں نے بہر حال ہونا ہے، اتفاق رائے پیدا ہو سکے اس گزارش کا دوبارہ اعادہ کرتا ہوں مجھے مدلل اختلافی رائے پڑھا اور سن کر بہت خوشی ہوگی میں پھر یہی کہوں گا۔

مکانوں میں نئے روزن لگا دو
ہوا کا رخ بدلتا جا رہا ہے

☆☆☆☆☆

خطاب

(18 اکتوبر 2010 کو اسلام آباد ہوٹل میں ایسوسی ایشن فار دی رائٹس آف دی پیپل آف جموں و کشمیر کی تعارفی تقریب میں ایسوسی ایشن کے چیئرمین جسٹس (ر) منظور حسین گیلانی کے خطاب کا متن۔)

معزز مہمانان گرامی، خواتین و حضرات!

السلام علیکم!

میں سب حضرات کو اس roundtable میں شرکت پر خوش آمدید کہتا ہوں جہاں ایسوسی ایشن کے مشن اور مقاصد کو آپ کے رُوبرُو پیش کرنے میں خوشی اور فخر محسوس کرتا ہوں کہ جو نظریہ میں نے 1980 کی دہائی میں Conceive کیا تھا اس کو اپنے انتہائی معزز اور معتبر ممبران ایسوسی ایشن کے تعاون، مشاورت اور مدد سے تنظیمی شکل دینے میں جون 2010 میں کامیاب ہوا ہوں۔ اس کا سہرا ان معزز ممبران کے سر ہے جنہوں نے اسی تنظیم کے اغراض و مقاصد کے ہر پہلو کا انتہائی گہرائی سے جائزہ لے کر اس کو ہر لحاظ سے قومی مفاد میں سمجھ کر دست تعاون بڑھایا ہے۔

تنظیم کے صرف دو مقاصد ہیں:

۱۔ ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کے لئے اقوام متحدہ اور UNCIP کے ریزولوشن اور UN کے چارٹر کے مطابق حق خود ارادیت حاصل کرنا، اور

۲۔ اس مقصد کے حصول تک پاکستان کے اندر ریاست کے آزاد حصوں، یعنی آزاد جموں و کشمیر اور گلگت بلتستان کے لوگوں کے لئے مکمل آئینی حقوق حاصل کرنا۔

بظاہر یہ دو مقاصد مختصر نظر آتے ہیں لیکن ان کی گہرائی اور گیرائی تاریخی، آئینی اور عالمی تناظر میں اتنی ہی وسیع ہے جتنی برصغیر میں انگریز اور کشمیر کے حوالہ سے ڈوگرہ سامراج کے خلاف ملک بھر اور ریاست کے لوگوں کی جدوجہد۔

اس تنظیم کا صدر دفتر مظفر آباد میں ہے لیکن ہماری خواہش اور ارادہ ہے کہ اس کے ذیلی دفاتر اسلام آباد کے علاوہ گلگت اور دنیا بھر میں جہاں جہاں کشمیری آباد ہیں وہاں قائم کئے جائیں تا کہ عالمی رائے کو ریاست کے لوگوں کے انسانی اور آئینی حقوق کے حق میں mobalise کیا جا کر پرامن اور بین الاقوامی سطح پر مسلمہ

اصولوں کے مطابق ریاست کے لوگ اپنا حق خود ارادیت حاصل کر سکیں ۔اس سلسلے میں یہ تنظیم ان تمام تنظیموں اور افراد کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار ہے، ان کی معاونت کریگی اور ان سے تعاون بھی حاصل کریگی جو اس کے اغراض و مقاصد کے ساتھ اتفاق کرتے ہوں۔

قطع نظر ماضی بعید کے جدوجہد کے، ریاست کے لوگوں کی ماضی قریب میں حق خود ارادیت کی جدوجہد اس ریاست کے حکمران کے اکتوبر 1947 میں ہندوستان کے ساتھ غیر آئینی الحاق سے شروع ہوئی جو اب (63) تریسٹھویں سال میں داخل ہو چکی ہے۔ ہندوستان کے تمام تر ظلم اور جبر کے حربوں کے باوجود ریاست کے لوگوں کی جدوجہد میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ ہر نیا ظلم تحریک کو نئی حیات بخشتا ہے۔گذشتہ بیس سال کی تحریک بالعموم اور گزشتہ چار ماہ کی بالخصوص کشمیر کے لوگوں کی ہندوستان کے خلاف ریفرنڈم کی حیثیت رکھتی ہے اور اس نے اقوام عالم پر واضح کر دیا ہے کہ کشمیریوں کی ہر نئی نسل حق خود ارادیت کے حصول کے لئے اسی طرح تازہ دم اور متحد ہے جس کی بنیاد ان کے اجداد نے ڈالی تھی۔کشمیر کی ہر نسل اور بالخصوص موجودہ نسل نے کشمیر کا ہر وہ حل مسترد کر دیا ہے جو ہندوستان اور اس کی پروردہ جماعتیں یا افراد Self -rule- Autonomy یا Out of Box Solution کے طور پیش کرتے ہیں۔وہ صرف آزادی مانگتے ہیں، جس کا مطلب ہندوستان کے تسلط سے مکمل آزادی۔دنیا اور ہندوستان کو یہی آواز سننی، سمجھنی اور اسی کو عملی شکل دینا پڑے گی۔

یہ تنظیم کشمیر کے نہتے لوگوں کی اپر امن جدوجہد کے خلاف ہندوستان کے بے رحم طاقت کے استعمال کی مزمت کرتی ہے۔کشمیر کے لوگوں کے ساتھ مکمل یکجہتی کا اظہار کرتی ہے اور جو قیمتی جانیں اس جدوجہد میں لقمہ اجل بنی ہیں ان کے درجات کی بلندی اور ان کے پسماندگان کے ساتھ دلی تعزیت کا اظہار کرتی ہے۔

ہم کشمیر چھوڑ دو تحریک کی مکمل حمایت کرتے ہیں اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مسئلے کو مستعدی سے دینا کے ہر فورم پر اٹھائے۔ہم حکومت پاکستان سے یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ جنرل مشرف کے out of Box فارمولہ کو واشگاف اور غیر مبہم الفاظ میں رد کرے اور اس تاریخی اور آئینی سچائی کا اعادہ کرے کے کشمیر کا فیصلہ کشمیر کے لوگوں نے آزادانہ اور منصفانہ رائے شماری کے ذریعہ یو۔این ریزولوشن اور یو۔این چارٹر کی روح کے مطابق کرنا ہے اور صرف وہی فیصلہ قابل قبول ہوگا جو کشمیر کے لوگ اپنی آزادانہ رائے سے اقوام متحدہ کے زیر اہتمام کریں گے۔

حکومت پاکستان کو اس حقیقت کا بھی اعتراف اور احترام کرنا پڑے گا کہ ریاست کے جو حصے آزاد اور اس وقت تک مملکت پاکستان کا حصہ ہیں، جب تک پوری ریاست کا فیصلہ نہیں ہو جاتا، کو مملکت پاکستان کے

باقی یونٹس کے برابر آئینی حقوق دینے پڑیں گے اور ان کو برابری کی سطح پر لانا پڑے گا۔ ان حقوق کی ضمانت آئین کے تحت دینا پڑے گی کہ ریاست کے آزاد حصوں کو سلامتی کونسل کی قراردادوں اور پاکستان کے آئین کی دفعہ 257 کے تابع اس وقت تک وہی حقوق حاصل ہونگے جو پاکستان کے باقی شہریوں کو حاصل ہیں تا کہ مملکت پاکستان کے اندر رہتے ہوئے یہاں کے لوگ مرکز میں ان علاقوں کے بارے میں حکومت سازی اور پالیسی سازی میں برابر کی حصہ دار ہوں۔ یہ علاقے پاکستان کے آئین کی دفعہ (d) (2)1 کے تحت ان علاقوں کی تعریف میں آتے ہیں جو بصورت دیگر پاکستان میں شامل ہیں (یعنی سلامتی کونسل کی قراردادوں کی روشنی میں) اور اپنی رضا و رغبت سے پاکستان کے زیر کنٹرول ہیں آزاد کشمیر کے لوگوں نے تو قرارداد الحاق پاکستان جبکہ گلگت بلتستان کے لوگوں نے باضابطہ الحاق نامے تحریر کیئے ہیں جو سب کچھ محض سلامتی کونسل کی قراردادوں کی وجہ سے معرض التواء میں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ علاقے عملی طور مملکت پاکستان کا حصہ ہیں۔

حکومت پاکستان کیبنٹ ڈویژن نے نوٹیفیکیشنز مورخہ 11 مئی 1971 اور 6 جون 1988 کے تحت واضح احکامات جاری کیئے ہیں کہ،

> "AJK is to be brought into the mainstream general administration of Pakistan and that it should for all practical purposes, be treated like any other province of the federation."

ریاست کے دونوں آزاد حصوں میں ان نوٹیفیکیشنز کی رو کے مطابق سختی سے عمل ہو رہا ہے اور دونوں حصوں پر وہی ذمہ داریاں عائد ہیں اور مرکزی حکومت یہاں وہ سارے اختیارات استعمال کرتی ہے جو ملک کے بقیہ صوبوں میں کرتی ہے البتہ ان علاقوں کو وہ حقوق و مراعات حاصل نہیں ہیں جو باقی صوبوں کو ہیں بالخصوص پارلیمنٹ میں نمائندگی، آئین کی دفعات 153 تا 161 کے حقوق وغیرہ۔ یہ حقوق اسی لئے نہیں دیئے جا رہے کہ یہ علاقے آئین کے تحت ملک کے صوبے نہیں جو آئینی طور درست ہے۔ لیکن یہ بنیادی اور فطری حقیقت ہے کہ فرائض اور حقوق لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ہم پر فرائض عائد ہیں تو حقوق سے کیوں انکار کیا جاتا ہے؟ اس کے لئے آئینی راستہ نکالنا وقت کا تقاضا ہے۔

اس تنظیم کا ارادہ ہے کہ اس کے پلیٹ فارم سے ان علاقوں کو تمام آئینی اور قانونی حقوق دلانے کے لئے ہر آئینی۔ قانون اور سیاسی عمل اختیار کیا جائے۔ تا کہ یہ ملک کے باقی انتظامی یونٹس کے ہم پلہ ہو جائیں اور اس کے لئے پاکستان کے آئین میں ضروری ترامیم کیا جانا ناگزیر ہے تا کہ یہاں کے لوگ ان حقوق سے محروم نہ

ہوں اور ساتھ ہی یہاں کے لوگوں کے حق خود ارادیت پر بھی آنچ نہ آئے۔

ان علاقوں کے لئے بھی سلامتی کونسل کے مقرر کردہ معیار کے علاوہ ان ہی خطوط پر اندورنی خود مختاری design کی جانی ضروری ہے جو باقی صوبوں کے لئے پاکستان کے آئین کے 18 ویں ترمیم کے ذریعہ مہیاء کی گئی ہے۔ سلامتی کونسل نے ریاست کے آزاد حصوں کی نسبت اپنی قراردادوں کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے مکتوب مجریہ 25 جنوری 1949 میں لکھا ہے کہ:

> "The population of the territories in the state of Jammu & Kashmir which are at present under the effective control of Pakistan high command, will have freedom of legitimate political actiuity and will have full political and administrative control and will be restonable for maintenance of lavel & order and security."

ان علاقوں کے لوگ رضا کارانہ طور اپنی آزادانہ مرضی اور رائے سے بلا جبر و کراہ اور بلا کسی مزاحمت کے پاکستان کی سماجی اور سیاسی زندگی میں شامل ہیں۔ ان کی ریاست کے متنازعہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے بنیادی انسانی۔ سیاسی اور مملکت کے اندر آئینی حقوق بھی متنازعہ ہیں یا یہ حقوق یہاں کے لوگوں کو مہیاء کئے جانے سے سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت ریاست کے مستقبل کے سیاسی یا آئینی مقام پر کوئی حرف آئے گا۔ اگر یہ حقوق یہاں کے لوگوں کو آئین پاکستان کے تحت مہیا کیئے جائیں تو کسی طالع آزما یا مہم جو کو بد گمانی یا محرومی کا شوشہ چھوڑنے یا مختلف حیلوں بہانوں سے ملک میل کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

مقبوضہ کشمیر کے بہادر لوگوں کی تحریک آزادی موجودہ سمت کے پیش نظر اب یہ زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ ان علاقوں کو درج بالا خطوط پر empower کیا جائے تا کہ مقبوضہ علاقے آزادی کے بعد پاکستان کو ترجیح اول کے طور قبول کریں۔

گزشتہ دنوں وزیر اعظم پاکستان نے قوم کے نام خطاب کے دوران اپنے دائیں بائیں وزیر اعظم آزاد کشمیر اور وزیر اعلیٰ گلگت بلتستان کو بٹھا کر ان علاقوں کے صوبہ ہونے کا تاثر دیا کہ ان کی حکومتیں بھی ان کے ساتھ ہیں جبکہ یہ دونوں علاقے حکومت پاکستان کا حلقہ انتخاب نہیں ہیں لیکن ہماری ایسوسی ایشن اس کو خوش آئند شروعات اور فوٹو سیشن کو آئینی اور عملی صورت میں تبدیل کرنے کی خواہش مند اور مطالبہ کرتی ہے۔

(روزنامہ سیاست 27 نومبر 2010)

☆☆☆☆☆

کشمیر پر پاکستان کی قومی پالیسی کیا ہے؟

پاکستانی وزارت داخلہ کی جانب سے سپریم کورٹ آف پاکستان میں بلوچستان بدامنی کیس میں مرکزی سیکورٹی ایجنسیز کی بلوچستان میں مداخلت کا دفاع کرتے ہوئے موقف اختیار کیا گیا ہے کہ ہندوستانی ریاستوں جن میں ''جموں وکشمیر'' بھی شامل ہے، دہشت گردی اور انتہاپسندی کی تحریکوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسے اقدامات کئے گئے ہیں جن کے مثبت نتائج برآمد ہوئے ہیں اور الیکشن کرانا ممکن ہوا ہے۔ جن ہندوستانی ریاستوں مثلاً ناگالینڈ، مزوارم، تامل ناڈو وغیرہ میں شورش برپا ہے وہاں امن بحال کرنے اور دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کرنا تو سمجھ آتی ہے کیونکہ یہ علاقے مسلمہ اور غیر متنازعہ طور پر ہندوستانی مملکت کا حصہ ہیں جس طرح بلوچستان پاکستان غیر متنازعہ حصہ ہے لیکن ریاست جموں وکشمیر کو ان ریاستوں کے برابر بنا لیان اور کشمیر میں آزادی کی تحریک کچلنے کے لئے طاقت کے استعمال کو جائز قرار دینا انتہائی خطرناک اور شرمناک عمل ہے۔ کشمیر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت متنازعہ ہے اور کشمیری ان قراردوں کی روح کے مطابق اس کے حل کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اس حق کے حصول کے لئے اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت طاقت بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اس حق کو دبانے کے لئے بے دریغ فوجی طاقت کا استعمال نہ صرف ''یو۔این۔'' چارٹر کی خلاف ورزی ہے بلکہ ریاستی دہشت گردی بھی ہے۔ پاکستانی وزارت داخلہ نے اس عمل کو جائز قرار دیتے ہوئے پاکستانی کشمیر، اور اقوام عالم کے اس موقف کی نفی کی ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ وزارت داخلہ کا یہ عمل دانستہ یا بدنیتی پر مبنی ہے لیکن مجرمانہ غفلت اور نالائقی یقیناً ہے۔ اس کی بنیادی وجہ کشمیر پر پاکستان کا غیر واضح قومی موقف ہے۔ حکومت پاکستان کا سیاسی اور سرکاری موقف تو یہ ہمیشہ سے رہا ہے کہ کشمیر ایک متنازری ریاست ہے جس کا فیصلہ ہونا باقی ہے لیکن اس کی پشت پر قومی موقف کی طاقت نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے حکومت پاکستان کے مختلف محکمے ہر کیس میں اس کی نوعیت اور حیثیت کے مطابق موقف اختیار کرتے ہیں یہ میرا زبانی مشاہدہ ہے سپریم کورٹ آف پاکستان میں میری پٹیشن میں کشمیر کونسل، جس کے چیئرمین وزیراعظم پاکستان ہیں نے جواب داخل کرتے ہوئے موقف اختیار کیا کہ آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اور چیئرمین کشمیر کونسل وزیراعظم پاکستان کی حیثیت سے سپریم کورٹ آف پاکستان میں جواب دہ ہیں۔ اٹارنی جنرل پاکستان نے بھی تحریری طور پر یہی موقف اختیار کیا۔ چند دن بعد کسی دباؤ یا لالچ کے

تحت اٹارنی جنرل پاکستان نے پہلے موقف کی نفی کرتے ہوئے یہ تحریری بیان داخل کیا کہ آزاد کشمیر ایک آزاد ریاست ہے جو پاکستان کے کنٹرول میں میں نہیں ہے۔اس لئے سپریم کورٹ پاکستان کو اس کی نسبت کوئی اختیار حاصل نہیں۔یہ سارا طرز عمل انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور قومی موقف کے فقدان کا غماز ہے۔قومی موقف سے میری مراد ریاست پاکستان کا موقف ہے جس کی بنیاد پاکستان کا آئین ہے۔پاکستان کے آئین کی دفعہ 257 میں صرف یہ درج ہے کہ "جب کشمیر کے لوگ پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کریں گے تو الحاق کی شرائط کا تعین کشمیر کے لوگوں کی مرضی سے کیا جائے گا۔" اس میں ایسی کوئی گارنٹی یا موقف نہیں ہے کہ "ریاست جموں و کشمیر ایک متنازعہ ریاست ہے جس کے مستقبل کا فیصلہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق ہونا باقی ہے اور پاکستان کشمیریوں کے حق خودارادیت کے حصول کے لئے ہر سطح پر مدد یقینی بنائے گا۔" اگر کشمیریوں نے خود ہی کشمیر کو اپنے زور بازو پر آزاد کرانا ہے تو لوگ یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہونگے کہ کسی کے ساتھ الحاق کیوں کریں؟ صرف زبانی کلامی کہہ دینا کہ پاکستان کشمیریوں کی سیاسی، سفاری اور اخلاقی مدد کرتا رہے گا، قومی موقف نہیں ہوسکتا جس وجہ سے حکومت پاکستان کی بیوروکریسی کیس ٹو کیس موقف اختیار کر کے ریاست کی جگ ہنسائی اور کشمیریوں کے دلوں میں بدگمانیاں پیدا کرتی ہے۔1949 میں کشمیریوں کی مرضی کے بغیر ہندوستان کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کیا، 1971 شملہ معاہدہ کے تحت کشمیر کو بین الاقوامی کے بجائے دوطرفہ متنازعہ بنا دیا، جنرل مشرف نے سلامتی کونسل کی قراردادوں کے بجائے Out of Box فارمولہ دیا حکومت پاکستان نے کشمیر کی آل پارٹیز حریت کانفرنس کے آئین کو بھی تسلیم کیا گیا ہے۔جس کے تحت حق خودارادیت میں کشمیر کی خودمختاری ہی شامل ہے جبکہ یہ سلامتی کونسل کی قراردادوں میں نہیں!!۔آخر کشمیر پر پاکستان کی قومی پالیسی کیا ہے؟ جو مرضی ہے کریں لیکن پالیسی واضع اور غیر مبہم رکھیں۔اب بھی وقت ہے کہ آئین پاکستان کے رہنما اصولوں میں کشمیر پر قومی پالیسی واضع کر کے ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے۔ARJK نے آزاد کشمیر میں آئینی اصلاحات کے لئے جو تجاویز مرتب کی ہیں ان میں ان ہی خطوط پر پاکستان کے آئین میں دفعہ 40 A کے اضافہ کی سفارش کی گئی ہے۔جو یوں ہے۔

> **40-A**. "The State shall make all necessary deavour's at the international level for a free and impartial Plebiscite conducted under the auspices of the United Nations to make a final disposition of the State of Jammu and Kashmir in accordance with the relevant

resolutions of the United Nations Security Council and the United Nations Commission for India and Pakistan."

(روزنامہ نوائے وقت 02 دسمبر 2012)

☆☆☆☆☆

کیا ریاست جموں وکشمیر
کے آزاد حصے آئینی معمہ ہیں یا پاکستان کا حصہ؟

قومی معاملات میں سیاسی اور آئینی حقائق کا ادراک کئے بغیر مسائل کا تعین اور حل کرنا ممکن نہیں ہے۔حقائق کا بروقت ادراک اور حل نہ کرنے سے نئے مسائل جنم لیتے ہیں۔ریاست جموں وکشمیر ان سیاسی اور آئینی حقائق میں سے ایک مسئلہ ہے جس کا بروقت ادراک نہیں کیا گیا جس وجہ سے روز بروز معاملہ گنجلک اور پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔پاکستان میں اقتدار کشمکش اور لیڈرشپ کے فقدان کی وجہ سے ہندوستان اپنا بے بنیاد موقف دنیا کو اپنے انداز میں منوانے میں کامیاب اور پاکستان پسپا ہوتا جا رہا ہے۔یہ ایک قومی المیہ ہے۔

آزاد جموں وکشمیر اور گلگت بلتستان ریاست جموں وکشمیر کے وہ حصے ہیں جو یہاں کے لوگوں نے بغیر کسی منظم فوج اور لیڈرشپ کے آزاد کرائے اور رضا کارانہ طور پر پاکستان کے سپرد کر دیئے۔اگر انگریز ہندوستان چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتا اور پاکستان وجود میں نہ آیا ہوتا تو ریاست جموں وکشمیر اور اس کا کوئی حصہ بھی ڈوگرہ خاندان سے آزاد نہ ہوا ہوتا۔بہر حال آنچہ باد ابا د۔ریاست کے یہ حصے آزاد ہیں لیکن ان کے سیاسی اور آئینی مقام کا تعین ایک معمہ چلا آ رہا ہے۔چند سیاستدان ان کو ریاست کے آزاد حصے اور مملکت پاکستان سے الگ علاقے تصور کرنے کے نعرہ لگاتے ہیں جبکہ پاکستان اور ان علاقوں کی عملی، بین الاقوامی، آئینی اور قانونی پوزیشن مختلف ہے۔مقامی اقتدار کی خاطر علاقائی، سیاسی جماعتیں ان علاقوں کو قومی دھارے میں شامل کرنے کو تیار نظر نہیں آتیں۔کافی عرصہ پہلے کی بات ہے کہ میں نے آزاد کشمیر کے ایک بہت بڑے لیڈر سے یہی سوال اسی انداز میں کیا کہ آپ اپنے قد کاٹھ اور اثر ورسوخ کے پیش نظر آزاد کشمیر کے مقام کا قومی سطح پر تعین کرا لیں۔ان کا جواب میرے لئے حیران اور پریشان کن تھا ''کہ یہ ایسا ہی رہنا چاہیے کبھی ہم اوپر اور کبھی وہ''۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ اپنے آپ، اپنی قوم اور اس مقصد سے دھوکہ ہے جس کے لئے مملکت پاکستان وجود میں آئی اور تحریک آزادی کشمیر روبہ عمل ہے۔اگر یہ حال لیڈرشپ کا ہے تو ان کے پیروکار کتنے مختلف ہو سکتے ہیں یہ مقام حیرت ہے۔

یہ صرف لیڈرشپ کا ہی المیہ نہیں بلکہ حکومت پاکستان کے مختلف ادارے بھی اس معاملے میں یا تو کنفیوژن اور مصلحتوں کا شکار ہیں یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں یا معاملہ کو مفادات کی خاطر جوں کا توں

رکھنا چاہتے ہیں۔قانون اور سیاست کے ایک طالب علم، وکیل اور جج کی حیثیت سے مجھے اس حقیقت میں کوئی ابہام نظر نہیں آتا کہ ریاست کے آزاد حصے مملکت پاکستان کا حصہ ہیں صوبہ نہیں۔میری رائے کی بنیاد ان علاقوں میں حکومت کے قیام کا اعلان، سلامتی کونسل کی قراردادیں، یہاں کی سیاسی جماعتوں اور عوام کا رجحان۔مملکت پاکستان کے اندر ان علاقوں کے معاملات کی ڈیلنگ، پاکستان اور ہندوستان کے آئین کی متعلقہ دفعات وغیرہ ہے۔

مسلمانانِ ریاست جموں وکشمیر کی سال 47-1930 تک مسلمہ قومی جماعت آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے 19 جولائی 1947 کو قرارداد کے ذریعہ ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا۔ریاست کے مہاراجہ نے اپنی 12 اگست 1947 کی ٹیلی گرام کے ذریعہ پاکستان اور ہندوستان کے ساتھ معاہدہ جوں کا توں Stand still کے ذریعہ ریاست کے الحاق کا اعادہ کیا جس کو ہندوستان نے منظر نہیں کیا لیکن پاکستان نے 15 اگست 1947 کو جوابی ٹیلی گرام کے ذریعہ منظور کرلیا۔اس طرح پوری ریاست جموں وکشمیر ڈیفیکٹو طور اس تاریخ سے پاکستان کا حصہ بن گئی۔گو کہ عملی صورت حال مختلف ہے۔کیونکہ ہندوستانی فوجوں نے اس الحاق کی منظوری کے بعد زبردستی مقبوضہ ریاست پر قبضہ کرلیا۔24 اکتوبر 1947 کو ریاست کے ان حصوں پر مشتمل ایک آزاد حکومت کے قیام کا اعلامیہ جاری کیا گیا اور ریاست کے ان علاقوں پر مشتمل ایک حکومت قائم ہوگئی۔گلگت بلتستان کے راجوں اور میروں نے اپنی اپنی جاگیرداری یا علاقوں کا الحاق براہ راست پاکستان سے کردیا جس کی تفصیل میری کتاب Constitution of Azad Jammu and Kashmir میں درج ہے۔لیکن حکومت پاکستان نے ان کو نہ تو صوبہ کا درجہ دیا اور نہ ہی کسی صوبے میں شامل کیا۔کیونکہ یہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت متنازعہ ریاست کا حصہ بن گئے تھے یہ علاقے حکومت پاکستان اور آزاد کشمیر کے درمیان 1949 کے ایک معاہدہ کے تحت جس کو کراچی معاہدہ کہا جاتا ہے حکومت پاکستان کے سپرد کئے گئے جس کے بعد ریاست جموں وکشمیر کے یہ دونوں حصے الگ الگ اپنا نظم ونسق حکومت پاکستان کے کنٹرول میں رہ کر چلا رہے ہیں۔حکومت پاکستان نے ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً گورننس کے لئے قانون وقواعد نافذ کئے جو اس وقت بھی دونوں حصوں میں ایک ہی طرز پر مختلف ناموں سے نافذ ہیں لیکن ان کی روح ایک ہے۔ریاست کے دونوں حصوں کو پاکستان کے باقی صوبوں کے عین مطابق چلایا جا رہا ہے البتہ ان کو پاکستان کے آئین کے تحت صورت کا درجہ حاصل نہیں ہے جبکہ ان پر تمام صوبائی ذمہ داریاں عائد ہیں۔

ریاست کے ہندوستانی مقبوضہ حصہ کو ہندوستان کے آئین کے شیڈول 1 آئیٹم 15 کے تحت ہندوستانی ریاستوں میں شامل کیا گیا ہے جس کی بنیاد مہاراجہ کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ 26 اکتوبر 1947 کا

مبینہ الحاق نامہ ہے ۔ہندوستانی آئین کے تحت ریاست جموں وکشمیر کی تعریف یوں کی گئی ہے ۔

"The territory which immediately before the commencement of this Constitution are comprised in the Indian State of Jammu and Kashmir".

ہندوستان کے آئین کا نفاذ 26 جنوری 1950 کو ہوا جس وقت ریاست کے آزاد حصے ''ہندوستان کے اندر ریاست جموں وکشمیر میں شامل نہیں تھے'' کیونکہ ان حصوں پر ایک حکومت قائم ہو چکی تھی جس کو 1948 سے 1950 تک سلامتی کونسل کی قراردادوں کے ذریعہ لوکل اتھارٹیز کے طور پر تسلیم کر کے پاکستان کی ہائی کمانڈ کے سپرد کیا گیا تھا اور ہندوستان و پاکستان کے درمیان 1949 کے سیز فائر اگریمنٹ کے تحت باؤنڈری کمیشن نے بھی یہ عمل تسلیم کیا ہے ۔اسی طرح ہندوستانی آئین کی دفعہ 81 کے تحت پاکستان کے زیر کنٹرول علاقوں کو نکال دیا گیا جو اس حقیقت کا بین ثبوت ہیں کہ ریاست کے آزاد علاقے گو کہ مجموعی طور پر پوری ریاست کے ساتھ متنازعہ ہیں لیکن عملی طور ان کو پاکستان کے علاقوں کے طور تسلیم کیا گیا ہے ۔تاشقند معاہدہ، شملہ معاہدہ، لاہور اور دہلی ڈیکلریشن نے ان زمینی حقائق پر مہر تصدیق ثبت کی ہے ۔

ان علاقوں کو 1971 اور 1987 میں حکومت پاکستان نے کیبنٹ ڈویژن نوٹیفکیشنز کے تحت ایک صوبے کے طور چلانے کی ہدایات جاری کی گئی ہیں ۔ماضی قریب میں گلگت بلتستان میں باقی صوبوں کی طرح گورنر اور چیف منسٹر کی تقرری عمل میں آئی ہے ۔اس آئینی، قانون، سیاسی اور عملی پوزیشن کے پیش نظر فی الوقت ریاست کے یہ حصے پاکستان کے آئین کی دفعہ 1(2)(d) کے تحت وہ علاقے ہیں جو "otherwise" پاکستان میں شامل ہیں اور پاکستان کا آئینی حصہ ہیں ۔لہٰذا یہ علاقے ان تمام حقوق کے حقدار ہیں جو مملکت پاکستان کے باقی حصوں کو صوبوں یا علاقوں کے طور حاصل ہیں ۔جس کے پیش نظر ان کا اس وقت تک قومی دہارے میں ہونا آئینی تقاضا ہے جب تک سلامتی کونسل کے تحت پوری ریاست کے لوگ اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کرتے ۔

(روزنامہ نوائے وقت 29 جولائی 2010)

☆☆☆☆☆

ریاست کے آزاد اور مقبوضہ حصوں کے انتظامی ڈھانچے

ہندوستان نے اپنے آئین کی دفعہ ایک کے شیڈول نمبر 1 کے تحت ''ہندوستان کے زیر قبضہ ریاست'' کو ہندوستانی سرزمین قرار دے کر اپنا صوبہ بنایا ہے جس سے واضح طور ریاست کے آزاد حصے ہندوستانی ریاست جموں وکشمیر کی تعریف میں نہیں آتے ان علاقوں کو پارلیمنٹ آف انڈیا کے الیکشنز کے حوالہ سے بھی آئین کی دفعہ 81 کی رو سے نکالا گیا ہے۔مقبوضہ ریاست کا ہندوستانی آئین کے ساتھ تعلق آئین کی دفعہ 370 کے ذریعہ ہے اور ہندوستانی آئین کے جو حصے مقبوضہ ریاست میں نافذ کرنے مطلوب ہوتے ہیں وہ اسی دفعہ کے تحت ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعہ نافذ کئے جاتے ہیں ان کے لئے ہندوستان کے آئین میں ترمیم کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۔نہ صرف یہ بلکہ متعلقہ دفعات کو ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعہ ہی ضروری ترامیم کے ذریعہ نافذ کیا جا سکتا ہے تاہم دفعہ 370 کی روح کے مطابق ہندوستانی آئین کے صرف وہی حصے ریاست میں ایکسٹنڈ کئے جا سکتے ہیں جو دستاویز الحاق ریاست سے مطابقت رکھتے ہوں۔اسی طرح ان تمام امور پر قانون سازی کا اختیار بھی پارلیمنٹ آف انڈیا کو حاصل ہے جو دستاویز الحاق ریاست سے مطابقت رکھتے ہوں۔اسی کی آڑ میں وہ تمام قوانین بنائے گئے ہیں جن کے تحت تحریک آزادی کو کچلنے میں استعمال کیا جا رہا ہے۔

ہندوستان کے آئین کے صرف مرکز سے تعلق رکھنے والی دفعات کا اطلاق کشمیر پر کیا گیا ہے جبکہ ریاست کے اندرونی معاملات ریاست کے اپنے آئین کے تحت چلائے جاتے ہیں جس کا نفاذ 1957 میں کیا گیا ہے۔اس سے قبل ریاست میں 1939 کا آئین ترامیم کے ساتھ نافذ تھا۔ہندوستان کی باقی ریاستوں کے معاملات ہندوستانی آئین کے حصہ VI کے تحت دیئے گئے طریقہ کار کے مطابق چلائے جاتے ہیں جبکہ اس حصہ میں شامل دفعہ 152 کے تحت ریاست جموں وکشمیر کو ہندوستانی ریاستوں کی تعریف میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ہندوستان میں ریاستوں کے حوالہ سے پارلیمنٹ کو دفعہ 3 کے تحت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ عام قانون کے تحت کسی بھی ریاست کو تقسیم کر کے الگ ریاست قائم کر سکتی ہے یا ان ریاستوں کو تقسیم کر کے نئی ریاست یا الگ الگ ریاستوں کا آپس میں ادغام بھی کیا جا سکتا ہے یا ریاستوں کے حدود گھٹائے بڑھائے جا سکتے ہیں جبکہ ریاست جموں وکشمیر کی حد تک ہندوستان کے آئین کی دفعہ کو اس ترمیم کے ساتھ ریاست پر ایکسٹنڈ کیا گیا ہے کہ ریاست کے حدود میں ریاستی اسمبلی کی رضامندی کے بغیر پارلیمنٹ میں کوئی بل پیش بھی نہیں کیا جا

سکتا۔اس تناظر میں ہندوستانی آئین کے تحت بھی مقبوضہ ریاست اس طرح کا ہندوستانی حصہ نہیں ہے جیسا کہ باقی ریاستوں کو سمجھا جاتا ہے جو اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ ریاست کا مقبوضہ حصہ مسلمہ طور متنازعہ ہے۔مجھے ان کشمیری لیڈروں کی اس منطق کی سمجھ نہیں آتی ہے کہ ہندوستان پہلے ریاست کو متنازعہ تسلیم کرے پھر بات ہو سکتی ہے جبکہ ہندوستان کا آئین ہی اس کو متنازعہ کہتا اور سمجھتا ہے تو اس کے اٹوٹ انگ کے زبانی دعوے چہ معنی دارد۔ان کا یہ دعویٰ اپنے آئین کے ہی خلاف ہے اور اس کو یو این سلامتی کونسل نے بھی رد کر دیا ہے۔ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں 1950 سے 1967 تک بالواسطہ اور اس کے بعد براہ راست پارلیمنٹ کے لئے ممبران کا انتخاب کیا جاتا ہے جبکہ گورنر اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری صدر ہندوستان کشمیر کے آئین کے تحت ہی کرتے ہیں اور کشمیر کے ہائی کورٹ کو یہ بیک وقت ریاستی اور ہندوستانی آئین کے تحت writ کے اختیارات حاصل ہیں۔اسی طرح مرکزی اور ریاستی حکومت کشمیر ہائی کورٹ کے سامنے ہندوستان اور کشمیر کے آئین کے تحت بیک وقت جواب دہ ہونے کے علاوہ سپریم کورٹ آف انڈیا کے پاس بھی جواب دہ ہیں۔

ریاست کے آزاد حصوں آزاد جموں وکشمیر اور گلگت بلتستان میں اس کے برعکس کوئی مربوط آئین نہیں ہے۔گلگت بلتستان میں تو کافی عرصہ تک فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز نافذ رہے جس کے بعد لیگل فریم ورک آرڈر اور وقتاً فوقتاً منسٹری کشمیر افیئر زمرکز یا صوبوں میں نافذ قوانین کو ایکسٹنڈ کرتی رہی وہاں کے لوگوں کی انتھک کاوش اور جدوجہد کے بعد اب وہاں آزاد کشمیر کی طرز کا آئینی ڈھانچہ بنایا گیا ہے جو آزاد کشمیر کے عبوری آئین ایکٹ 1974 کے طرز پر ہی نہیں بلکہ اس کی تصویر کا دوسرا رخ ہے جس کو گلگت بلتستان گورننس آرڈر کا نام دیا گیا ہے۔ اس طرح ریاست کے ان دونوں حصوں میں ایک جیسا سسٹم نافذ کر کے ریاست کے ان حصوں کو مربوط کیا گیا ہے تاہم فرق یہ ہے کہ آزاد کشمیر میں صدر اور وزیر اعظم کے برعکس گلگت بلتستان میں گورنر اور وزیر اعلیٰ کے نام coin کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ علاقے پاکستان کا صوبے ہیں حالانکہ یہ حقیقت نہیں ہے محض اشک شوئی ہے۔کوئی بھی علاقہ پاکستان کے آئین کی دفعہ نمبر 1 کے تحت صوبے کے طور درج کرنے کے بغیر صوبہ نہیں بنایا جا سکتا جس کے اس کے علاوہ بھی اور کئی تقاضے ہیں جن میں اہم ترین نیشنل اسمبلی اور سینٹ میں نمائندگی ہے۔تاہم ریاست کے ان ہر دو حصوں کو سسٹم کے لحاظ سے ایک گرڈ پر لا کر الگ الگ یونٹس کے طور چلانے کا عزم کیا گیا ہے۔جو خوش آئند ہے اور کئی کشمیری لیڈروں کے اس تاثر کی بھی نفی ہے کہ ان علاقوں کو الگ کر کے پاکستان میں ضم کیا گیا ہے جو مسئلہ کشمیر کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔

آزاد کشمیر کا حکومتی ڈھانچہ کراچی ایگریمنٹ سے ترقی کرتا کرتا 1970 اور پھر 1974 کے ایکٹ

کے تحت چلایا جا رہا ہے۔ 1970 کے ایکٹ کے تحت آزاد کشمیر کو سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق مکمل اندرونی خودمختاری حاصل تھی جبکہ 1974 کا ایکٹ تضادات کا مجموعہ اور اس میں اختیارات کا ارتکاز مرکز کی طرف ہے۔ نافذ العمل آئین کے تحت ماسوائے ان امور کے جو آئین کے جدول iii میں درج ہیں۔ بقیہ امور کی نسبت قانون سازی کا اختیار آزاد کشمیر کی اسمبلی اور ان امور کی نسبت ایگزیکٹو اتھارٹی بھی آزاد کشمیر حکومت کو حاصل ہے جبکہ جدول نمبر 3 میں درج جملہ امور کے بارے میں قانون سازی اور انتظامی اختیارات آزاد جموں و کشمیر کونسل کو حاصل ہیں جن کی نسبت ایگزیکٹو اتھارٹی پرائم منسٹر پاکستان کو چیئرمین آزاد کشمیر/ گلگت بلتستان کونسل کے نام سے حاصل ہے۔ قانون سازی کے لئے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان اسمبلی اپنی اپنی کونسل کے لئے چھ نمائندوں کا انتخاب کرتی ہیں جن کے علاوہ پرائم منسٹر پاکستان جو بلحاظ عہدہ کونسل کے چیئرمین ہیں پارلیمنٹ پاکستان کے پانچ ممبران کو شامل کرتے ہیں ابھی تک گلگت بلتستان کی کونسل کا کوئی وجود نہیں جبکہ آزاد کشمیر کونسل جس کا اجلاس سال میں زیادہ سے زیادہ دو بار وہ بھی چند گھنٹوں کے لئے ہوتا ہے جس میں بغیر بحث و تمحیص آنکھ جھپکنے میں قانون سازی کی جاتی ہے۔ گلگت بلتستان کے گورننس آرڈر کے تحت کونسل اور اسمبلی کے قانون سازی کے اختیارات متعلقہ شیڈول میں درج ہیں اور جن امور پر ان اداروں کو قانون سازی کا اختیار حاصل ہے ان کی ایگزیکٹو اتھارٹی بھی ان ہی کے پاس ہے۔ البتہ جو معاملات ان شیڈولز میں درج نہیں ہیں ان کے اختیارات حکومت پاکستان کو حاصل ہیں جبکہ آزاد کشمیر کے آئین کے تحت جو امور کونسل کی قانون سازی کی لسٹ میں شامل نہیں ہیں وہ آزاد کشمیر اسمبلی اور حکومت کے دائرہ اختیار میں ہیں لیکن آئین کی دفعہ 31(3) اور 56 کے تحت حکومت پاکستان کو آزاد کشمیر اسمبلی اور کونسل پر بالادستی حاصل ہے۔

ریاست کے آزاد اور مقبوضہ حصے سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت متنازعہ ہیں اور ان کا فیصلہ یہاں کے لوگوں کی آزادانہ رائے سے ہی ہونا ہے۔ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق ریاست کے مہاراجہ کی جانب سے ہندوستان کے ساتھ کئے گئے مبینہ الحاق نامہ پر مبنی الحاق کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے جس کا بالفاظ دیگر مطلب ہے کہ سلامتی کونسل نے ریاست کا ہندوستان کے ساتھ الحاق تسلیم نہیں کیا ہے البتہ جس حصے پر اس کا قبضہ ہے اس کو ٹروس ایگریمنٹ کے مطابق رائے شماری ہونے تک تسلیم کیا گیا ہے اس طرح پاکستان کے زیر انتظام ریاست کے آزاد حصوں پر بھی پاکستان کا حق تسلیم کیا گیا ہے جس کی بنیاد پر ہی 1949 کے سیز فائر ایگریمنٹ کے تحت حد بندی کی گئی ہے جس کو شملہ معاہدہ کے تحت لائن آف کنٹرول کا نام دیا گیا ہے جس کا تحفظ اس معاہدہ کے تحت ہر دو ممالک پر لازمی ہے۔

سلامتی کونسل کی قراردادوں کے باوجود ہندوستان نے اپنے آئین کے تحت 1950 میں ریاست کے مقبوضہ حصے کو اپنی ریاستوں میں شامل کر کے 1954 کے آئی آرڈر کے تحت مرکز سے متعلقہ دفعات کو کشمیر پر ایکسٹنڈ کر دیا ہے۔ سلامتی کونسل نے تو مقبوضہ کشمیر اسمبلی کی جانب سے 1957 میں پاس کئے گئے آئین کو بھی 1957 کی قرارداد کے تحت مسترد کر دیا ہے جس کے تحت ریاست کو ہندوستان کا اٹوٹ انگ قرار دیا گیا ہے۔ یہ سارے معاملات اس وقت U.N. میں زیر تصفیہ ہیں لیکن ہندوستان نے اس کے باوجود ریاست کو قومی دھارے میں شامل کیا ہے مگر اس سے ریاست کی متنازعہ حیثیت قطعاً متاثر نہیں ہوتی کیونکہ سلامتی کونسل اور کشمیری عوام نے اس کو نہیں مانا تاہم یہ ڈیفکٹو پوزیشن ضرور ہے۔ سلامتی کونسل کی قرارداد کے تحت ریاست کے آزاد حصوں کی حیثیت بھی ویسی ہی ہے جیسا کہ مقبوضہ حصے کی۔ فرق یہ ہے کہ پاکستان نے سلامتی کونسل کی قرار دادوں کو تسلیم کر کے ریاست کے ان حصوں کو نہ تو اپنا صوبہ بنایا ہے اور نہ ہی کسی صوبے کا حصہ لیکن ان حصوں کی بین الاقوامی، قانونی اور آئینی حیثیت یہ ہے کہ یہ پاکستان کا حصہ ہیں اور اس وقت تک پاکستان کا حصہ رہیں گے جب تک پوری ریاست کے مستقبل کا فیصلہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق رائے شماری کے ذریعہ نہیں ہو جاتا۔

مملکت پاکستان کے حصے کے طور ان علاقوں کے لوگوں کے انسانی اور شہری حقوق متنازعہ نہیں صرف علاقے متنازعہ ہیں لہٰذا پاکستانی شہریوں اور دیگر انتظامی یونٹس کی طرح ان علاقوں کو قومی دھارے میں شامل کر کے حق خود ارادیت کے مطالبہ کو تقویت ملے گی جو بنیادی اور انسانی حقوق کا حصہ ہے۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر یہ ہندوستانی پروپگنڈہ بے اثر ہو جائے گا کہ ان علاقوں کو پاکستان کے اندر بنیادی حقوق حاصل نہیں۔

اس حقیقت میں کوئی ابہام نہیں ہے کہ ان علاقوں کا نظم ونسق حکومت پاکستان کے کنٹرول کے تحت چل رہا ہے۔ یہاں پر جو بھی حکومتی سیٹ اپ بنایا جاتا ہے وہ پاکستان کی طرف سے دیئے گئے یا منظور شدہ قانون اور اس کے بعد اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے اور اس کے زیر نگرانی ہی کام ہوتا ہے۔ حکومت پاکستان کی بنائی گئی سیاسی اور انتظامی پالیسی کے تحت ان علاقوں کو پاکستان کے دیگر انتظامی یونٹوں کی طرح ہی چلایا جاتا ہے لیکن اس میں ان علاقوں کی کوئی نمائندگی نہیں ہے جو پالیسی سازی میں بطور آئینی اور قانونی فریق کے طور شامل ہو۔ جب یہ علاقے پاکستان کا حصہ ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جب تک کشمیر کا فیصلہ نہیں ہوتا تو ان کو قومی دھارے سے الگ کیوں رکھا جا رہا ہے۔ جبکہ یہاں ملک گیر سیاسی جماعتیں بلاواسطہ اور بالواسطہ اوپر نیٹ کر رہی

ہیں ۔مملکت پاکستان کا وزیراعظم ان علاقوں کا چیف ایگزیکٹو ہے اور وہ تمام امور بطور چیئرمین بلاشرکت غیرے سرانجام دے رہا ہے جو بحیثیت وزیراعظم پاکستان ملک کے باقی حصوں کے لئے رے رہا ہے ۔ان علاقوں کے آئینی دستاویز کے تحت نہ نیشنل اسمبلی کے ان پانچ ممبران نے حلف لیا ہے جو ان علاقوں کی کونسل کے ممبر نامزد کئے جاتے ہیں اور نہ ہی وزیراعظم پاکستان نے حلف لیا ہے اس لئے ان علاقوں کی نسبت اختیارات کے استعمال میں نہ تو وزیراعظم پاکستان ان علاقوں کی اسمبلی یا پارلیمنٹ آف پاکستان اور نہ ہی سپریم کورٹ آف پاکستان کے پاس جواب دہ ہے ۔

یہ ایسے معاملات ہیں جن کا حقیقت پسندی، سنجیدگی اور زمینی حقائق کی روشنی میں ادراک کر کے سٹریم لائن کرنے کی ضرورت ہے ۔

(روزنامہ سیاست 15 اگست 2010)

☆☆☆☆☆

ریاست کے قومی دھارے میں شامل ہونے کا کیا مطلب ہے؟

ریاست جموں وکشمیر کے آزاد حصے اور یہاں کے لوگ 1947 سے ہی مملکت پاکستان کے ساتھ بھارتی زبان کے مطابق ''ٹوٹ انگ'' کے طور پر نہ صرف شامل بلکہ اس میں تحلیل ہو چکے ہیں۔صرف قانونی اور سیاسی الفاظ کی ہیرا پھیری سے ان کو الگ علاقے کے طور پیش کیا جاتا ہے۔ان علاقوں کے مملکت پاکستان کے ساتھ ادغام یا قومی دھارے میں شمولیت کی قانونی دستاویز 1949 کا وہ معروف معاہدہ کراچی ہے جس کے تحت گلگت بلتستان کو براہ راست حکومت پاکستان کی عملداری میں دیا گیا جبکہ آزاد کشمیر کو بالواسطہ طور پر۔حکومت پاکستان کے وزیر بے محکمہ مشتاق احمد کرمانی عملاً ان علاقوں کے بادشاہ تھے، تاہم اس معاہدے کی رو سے آزاد کشمیر حکومت اور مسلم کانفرنس کو اندرون آزاد کشمیر مکمل خودمختاری دی گئی تھی لیکن وہ رولز آف بزنس 1950 کے تحت چیف ایڈمنسٹریٹو ایڈوائیزر کے کنٹرول میں تھی۔رولز کے تحت سپریم ہیڈ کا عہدہ ایک Sovereign کی حیثیت رکھتا تھا۔میرے خیال میں اس وقت کے مضبوط اور مقبول ترین لیڈر چوہدری غلام عباس صاحب (مرحوم) کی وجہ سے یہ عہدہ تخلیق کیا گیا تھا لیکن چیف ایڈوائیزر ہی دراصل چیف ایگزیکٹو تھا جو حکومت پاکستان کا نمائندہ تھا۔یہی سلسلہ اس کے بعد کی آئینی اور قانونی پوزیشن میں بھی بحال رکھا گیا جس کو چیف ایڈوائیزر کا نام دیا گیا جو منسٹری آف کشمیر افیرز کی طرف سے نامزد کسی بھی سطح کا آفیسر ہوا کرتا تھا۔یہ سلسلہ 1952 کے رولز آف بزنس 1964,1969 اور 1970 کے گورنمنٹ ایکٹس کے تحت مختلف تاویلوں کے ساتھ بہتری کی طرف ارتقاء پذیر رہا۔حکومتی ڈھانچہ صدر اور کونسل آف منسٹرز پر مشتمل تھا لیکن ان کی اتھارٹی پر چیف ایڈوائیزر بہ الفاظ دیگر حکومت پاکستان بذریعہ منسٹری کشمیری افیرز ہی حاوی رہی۔1964 کے ایکٹ کے تحت منتخب سٹیٹ کونسل وجود میں لائی گئی جس کے ممبران میں سے بھی کسی ایک کو چیف ایڈوائیزر اس کا چیئرمین مقرر کرنے کا اختیار رکھتا تھا اور یہی چیئرمین تابع خوشنودی چیف ایڈوائیزر آزاد کشمیر کا ایکس آفیشو صدر ہوا کرتا تھا۔1970 کے ایکٹ کے تحت مزید بہتری ہوئی کہ صدر آزاد کشمیر کا انتخاب براہ راست عمل میں لایا گیا تاہم اختیارات کے استعمال میں ایڈوائیزر کا فیصلہ ہی حتمی حیثیت کا حامل رہا جو بہر حال منسٹری آف کشمیر افیرز کے کسی لیول اور عمومی طور پر جوائینٹ سیکرٹری کے حامل عہدہ کا آفیسر ہوا کرتا تھا۔قانون سازی اور انتظامی لحاظ سے حکومت پاکستان کو دفاع، خارجہ امور، UNCIP کرنسی وغیرہ کے اختیارات پر بلاواسطہ جبکہ باقی امور پر بالواسطہ بذریعہ ایڈوائیزر

بالادستی حاصل رہی جن کی صراحت رولز آف بزنس کے ذریعہ کی جاتی رہی ۔

1974 کے ایکٹ کے تحت، جسے آزاد جموں وکشمیر عبوری آئین ایکٹ کا نام دیا گیا ہے، حکومتی ڈھانچے کو صدارتی نظام سے پارلیمانی نظام میں بدلا گیا لیکن اختیارات کے حوالہ سے یہ تضادات کا مجموعہ ہے۔ ارتکاز اختیارات کا پلڑہ مکمل طور پر مرکزی حکومت کی جانب جھکا ہوا ہے ۔اس ایکٹ کے تحت جو اختیارات ماقبل ایکٹس کے تحت براہ راست حکومت پاکستان کے پاس رہتے رہے ہیں وہ اب بھی اسی طرح ہیں، جبکہ ملک کے باقی صوبوں کے حوالہ سے جو اختیارات مرکز کے پاس تھے، اور اب آئین کی اٹھارویں ترمیم کے بعد اکثر صوبوں کو واپس دیئے گئے ہیں، وہ وزیراعظم پاکستان بالفاظ دیگر حکومت پاکستان کو آزاد جموں وکشمیر کونسل کے چیئرمین کے نام سے حاصل ہیں جبکہ باقی اختیارات حکومت آزاد کشمیر کے پاس ہیں، لیکن ان پر بھی باقی صوبوں کی طرح بلکہ، ان سے کہیں زیادہ، مرکز کی مختلف اتھارٹیز حاوی رہتی ہیں ۔یہ دونوں ادارے(حکومت اور کونسل)حکومت پاکستان کے رولز آف بزنس 1973 کے شیڈول II کے قاعدہ 19 کے تحت منسٹری آف کشمیر کے منسلک ڈویژن ہیں ۔

اس طرح ریاست کے یہ علاقے نہ صرف قومی دھارے میں عملی طور پر شامل ہیں بلکہ قومی دھارے کے اٹوٹ انگ ہیں لیکن قانونی سکیم کی ہیرا پھیری میں مختلف نظر آتے ہیں ۔ایسا کیوں ہوتا ہے جبکہ ان علاقوں کے لوگ مقبوضہ کشمیر کی آزادی پر کوئی سودا بازی کئے بغیر پاکستان میں ہی رہنا چاہتے ہیں اور آزاد کشمیر کے polarized حکومتی ڈھانچے ۔کشمیر کونسل یا منسٹری آف کشمیر افیرز کے بجائے براہ راست حکومت پاکستان کے ساتھ زیادہ comfortable محسوس کرتے ہیں ۔پاکستان کے باقی صوبوں میں آباد ریاستی باشندے ایک نمبر جبکہ آزاد کشمیر اور اس کے اندر آباد ریاستی باشندے دو نمبر پاکستانی ہیں؟ ۔باقی لوگوں کی طرح ایک نمبر کیوں نہیں؟ ریاست کے اندر علاقوں کو ایسا رکھنے کا مشورہ حکومت پاکستان کو کون دے رہا ہے؟ ۔اور اگر یہ ان کی اپنی پالیسی ہے تو سراسر قومی مفاد کے خلاف ہے ۔جو علاقے بین الاقوامی قانون، (جس کا اظہار یو این سیکورٹی کونسل کی قراردادوں نے کیا ہے) ملک کے آئینی اور قانونی نظام، زمینی حقائق اور یہاں کے لوگوں کے اپنے عملی کردار کے حوالہ سے پاکستان کا حصہ ہیں ان کو خواہ مخواہ کیوں متنازعہ بنایا جا رہا ہے؟ ۔عملی اور زمینی حقائق کے برعکس کاغذی قانونی سکیم کو کون درست مانتا ہے؟ ۔یہ ایسے حقائق ہیں جو سرکاری طور پر لکھے پڑھے ہونے کے علاوہ دنیا کے نیٹ ورکس پر موجود ہیں اور دنیا بھر کی ایجنسیاں جانتی ہیں ۔اس سیٹلائیٹ کے زمانے میں سو منزلہ عمارت کے تہہ خانے میں جہاں ہماری چاول کی پلیٹ میں موجود ہر دانہ دیکھا بلکہ گنا جا سکتا ہے اس دوعملی کو کون نہیں

جانتا۔ یہ بیرون ملک جگ ہنسائی اور اندرون ملک دوری پیدا کرنے کا باعث بنتا جا رہا ہے۔ کہیں یہ دانستہ تو نہیں کیا جا رہا جس کو کشمیری ضرب المثل میں ''پتوں کو پانی اور جڑوں کو درانتی'' کہا جاتا ہے۔ یہ ہمارا قومی المیہ رہا ہے کہ ہم ہر کام نیم دلی اور غیر سنجیدگی سے کرتے ہیں خواہ وہ 1947 میں کشمیر کی آزادی کا جہاد/ جنگ ہو۔ اوپریشن جبرالٹر ہو، کارگل ہو تحریک آزادی کشمیر میں کشمیریوں کی مدد یا کشمیر پر اپنا جائز اور قانونی موقف ہو۔ اللہ کا فرمان ہے کہ ''اپنے جائز موقف پر ڈٹے رہو تا کہ فلاح پا سکو'' ہمیں کامیابی اس لئے نہیں مل رہی کہ ہم جائز موقف پر ڈٹے نہیں رہتے۔

چندر گپت موریہ کا ایک جنگل سے گزر ہو رہا تھا جہاں اس نے ایک شخص کو جھاڑیوں میں شکر ملا پانی پھینکتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہو اس نے جواب دیا کہ اس علاقے کو جھاڑیوں سے پاک کرنا چاہتا ہوں۔ پوچھا گیا کیسے؟ جواب ملا شکر ملا پانی جڑوں میں جائیگا جس کو چوسنے کے لئے چیونٹیاں آئیں گی جو جھاڑیوں کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیں گی اور ان کے سوکھنے سے علاقہ خالی ہو جائے گا۔ یہ شخص 'چانکیا' تھا۔ کیا پاکستان کہیں اس قسم کے 'چانکیوں' کی زد میں تو نہیں آ گیا؟۔

حاصل بحث یہ ہے کہ جو کچھ عملی طور لیکن بالواسطہ ہو رہا ہے اس کو پاکستان کے آئین کی دفعات 257 اور 258 کے تحت براہ راست منضبط کیوں نہ کیا جائے تا کہ ریاست کی متنازعہ حیثیت پر فرق پڑے بغیر اس کے آزاد حصوں کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت اندرونی خودمختاری قائم رکھتے ہوئے قومی دھارے میں شامل کیا جائے تا کہ یہ علاقے ایک نمبر پاکستان اور یہاں کے لوگ ایک نمبر پاکستانی بنیں، ان کی سمت کا بھی تعین ہو جائے اور کوئی طالع آزما ''چانکیہ'' کا رول ادا کرتے ہوئے رشتوں کو کھوکھلا نہ کر سکے۔ قومی دھارے میں شامل ہونے کے لئے آئین سازی کس طرز پر ہوگی، یہ الگ بحث اور پورا موضوع ہے جس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ مجھے خوشی ہوگی اگر ان امور پر متبادل یا مخالف نکتہ نظر بھی آئے تا کہ قومی معاملات کا صحیح ادراک حاصل کر کے درست اور بروقت فیصلے کئے جا سکیں۔ (روزنامہ نوائے وقت 08 اکتوبر 2010)

☆☆☆☆☆

سیاہ چین اور آزاد علاقوں پر ہندوستانی دعویٰ

ہندوستان کے وزیر دفاع نے ہندوستان کے قومی موقف کو ایک بار پھر زور سے دہرایا ہے کہ ''پوری ریاست جموں وکشمیر اس کا حصہ ہے جس میں سیاہ چین اور پاکستان کے زیر انتظام علاقے بھی شامل ہیں''۔ اس سے قبل ہندوستان کی پارلیمنٹ نے 1994 میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا تھا کہ ''پاکستان کے زیر کنٹرول ہندوستانی ریاست کشمیر کو آزاد کرایا جائے''۔ پاکستان کے دفتر خارجہ نے اس وقت بھی اور آج بھی اپنا قومی موقف دہرایا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کا فیصلہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق ہونا باقی ہے۔ ہندوستان کے قومی موقف کے پیچھے ریاست کے مہاراجہ کے الحاق اور ہندوستانی آئین کی طاقت موجود ہے۔ جبکہ پاکستانی موقف کی تائید میں سلامتی کونسل کی قراردیں جو ہندوستانی موقف کے مطابق شملہ معاہدہ کے بعد غیر موثر ہو چکی ہیں اور کشمیر اب ہندوستان اور پاکستان کے درمیان دوطرفہ تنازعہ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہندوستانی پالیمنٹ کی 1994 کی قرارداد کے فوراً بعد اس کا جواب ریاست کے آزاد حصوں کو فوری طور اور ہندوستان کے زیر انتظام ریاست کو مشروط طور کشمیر کی غالب اکثریت کے خواہشات اور آل جموں وکشمیر جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی 1947 کی قراداد کے مطابق پاکستان کے عبوری صوبے کے طور آئین میں شامل کر دیا جاتا۔

ایسا نہ کر کے پاکستان نے ایک اہم سفارتی غلطی کی اور ہندوستان کے موقف کو بالواسطہ تقویت دی ہے۔ قانون کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب ایک موقف کو تواتر سے دہرایا جائے جس کی تکذیب میں کوئی ٹھوس موقف اختیار نہ کیا جائے تو تواتر والے موقف کو تقویت ملتی ہے۔ پاکستان کے سینٹ اور آزاد جموں وکشمیر کونسل کا تحریری موقف ہے آزاد جموں وکشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ہے۔ یہی بات اٹارنی جنرل آف پاکستان نے سپریم کورٹ میں ایک کیس میں اور آزاد کشمیر کی سپریم کورٹ نے ایک عبوری حکم میں لکھا ہے جو نہ صرف سیاسی، سفارتی، بین الاقوامی اصولوں بلکہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان اور پاکستان میں رائج آئین اور قوانین کے خلاف ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ قومی سلامتی کے اس اہم معاملہ پر قوم افتادِ طبع کی کیوں شکار ہے۔

فارسی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ ''خانہ ویران دیوان را گیرند'' یعنی خالی گھر میں دیو یا جن بھوت آباد ہو جاتے ہیں۔ پاکستان مروت میں اپنے زیر کنٹرول علاقہ کو آئین کے تحت اپنا حصہ نہیں بناتا جو قومی سلامتی کے

اصولوں کے خلاف ہے۔سیاچین کے ستر مربع میل پر ہندوستان نے 1984 میں قبضہ کر کے اور اب اس کی بنیاد پر پورے سیاچین کو اپنا حصہ جتلا رہا ہے۔1999 میں کرگل پر مشرف کی مہم جوئی نے سینکڑوں نوجوانوں کی قربانی دینے اور واشنگٹن میں پاکستان کی ناک رگڑانے کے بعد ہندوستان نے وہ علاقہ خالی کرایا جس کی حیثیت بھی باقی ریاستی علاقوں کی جیسی ہے صرف مضبوط قومی سفارتی اور آئینی پوزیشن کی وجہ سے ہندوستان نے اپنی برتری منوائی جبکہ پاکستان اپنے جائز اخلاقی اور قانونی موقف کو بہ بانگ دہل دہرانے اور اس کو آئینی صورت دینے میں شرماتا ہے۔اس کے برعکس ہندوستان اپنے کمزور ترین کیس کو مضبوط زبان سے دینا کو منوا رہا ہے۔کیا آپ کی مت ماری گئی ہے؟

ہندوستان اگر کل کلاں خدانخواستہ سیاچین کی طرح ریاست کے دیگر آزاد علاقوں میں سے کسی پر قبضہ کر لے اور سیاہ چین والا موقف اختیار کرے، آپ کیا کریں گے۔؟ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق پوری ریاست متنازعہ ہے اور اس نے ہندوستان کے ساتھ ریاست کے الحاق کو بھی رد کیا ہے لیکن اس کے باوجود ہندوستان اس کو اپنا ظاہر کر رہا ہے۔قومی معاملات بھرپور اور مضبوط سفارت کاری، مضبوط قومی موقف اور جارحانہ دفاعی پالیسی کا تقاضا کرتے ہیں۔آزاد کشمیر کو عبوری طور صوبے کے برابر آئینی درجہ دینے کے خلاف یہ دلیل کہ ہندوستان یا دنیا اس کو تقسیم کشمیر کے مترادف سمجھے گی، کشمیر کے نام پر ذاتی مفاد پرست سیاست دانوں کی دلیل ہے جو صورت حال کو جوں کا توں رکھنے میں ہی اپنی سیاسی بقا سمجھتے ہیں۔یہ لوگ نادانستہ طور پاکستان کو ان علاقوں سے محروم کرانا چاہتے ہیں۔اس صورت حال کو بحال رکھ کر اور تین بار کشمیر پر مہم جوئی کر کے پاکستان نے اپنا وقار کھونے اور کشمیر پر ہندوستان کو جارحانہ پالیسی پر گامزن رکھنے کے علاوہ کیا پایا؟ اب اس پالیسی کو بدلنے کی ضرورت ہے۔پاکستان کو آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی سیاسی اور پارلیمانی جماعتوں کو اعتماد میں لیکر ان علاقوں کو فوری طور پر عبوری، اور بقیہ ریاست کو رائے شماری کے فیصلے کے بعد دفعہ 257 کی منشاء کے مطابق آئین میں شامل کرنا چاہیے اس سنہرے اصول پر عمل کیا جائے کہ۔"یکے را بگیر دیگر را دعوٰی کن"۔موجودہ صورتحال سے عوام کی غالب اکثریت بھی بیزار ہے۔قومی سلامتی اور قومی مفاد کا تقاضا ہے کہ زمینی حقائق کو آئینی صورت دے کر جاندار موقف اپنائیں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔(وصبروا وصابروا ورابطوا لعلکم تفلحون)۔

(روزنامہ سیاست 28 اگست 2012)

پاکستانیات

16 اگست 1971 سقوط ڈھاکہ

عبدالغنی لون کشمیر کی تحریک حریت کے نامور لیڈر اور مجاہد تھے جنہوں نے اس تحریک میں اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیا۔16 اگست 1971ء کو بحیثیت وزیر تعلیم وصحت ضلع کپواڑہ کی تحصیل کرنا کے دورے پر تھے۔میں ان دنوں کرناہ میں تھا۔اس زمانے میں ہم لوگوں نے فوج کے خلاف جنگل کو بالن کے لئے بے دریغ کٹائی کے خلاف مہم چلا ہی تھی۔چونکہ ملک میں ایمرجینسی نافذ تھی۔ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ ہو رہی تھی اور ہندوستان کی فوجیں مشرقی پاکستان میں داخل ہوگئی تھیں۔ان حالات میں کئی لوگوں کے خلاف Defence of IndiaRules (D.I.R) کے تحت نظر بندی کے وارنٹ جاری تھے جن میں سے ایک میں بھی تھا۔میرا تعلق کانگرس پارٹی میں لون صاحب مرحوم کے گروپ سے تھا اس لئے انہوں نے مجھے ہائی کورٹ سے ضمانت کروانے کے لئے خصوصی طور پر کرناہ سے اپنے ساتھ سرینگر لایا۔راستہ مین ہمیں ایک فوجی چوکی (سادھنا) جس کا مقامی نام نتھ چھوٹی گلی ہے پر فوجیوں کے ساتھ چائے پینی تھی۔ہم لوگ تقریباً 1 بجے کے قریب وہاں پہنچے۔چائے اور سموسوں سے تواضع ہو رہی تھی کہ ایک فوجی میجر نے سکھ کرنل کو سیلوٹ کرتے ہوئے کہا کہ سر''ڈھاکہ پلٹن گراؤنڈ میں جرنل نیازی جرنل اروڑہ کے سامنے سرینڈر کے کاغذات پر دستخط کرنے والے ہیں جن کی کاروائی ریڈیو سے نشر ہو رہی ہے۔''یہ فوجی میجر ٹرانسٹر سیٹ کرنل کے حوالہ کر کے چلا گیا۔

یہ سنتے ہی لون صاحب کے ہاتھ سے پکوڑوں کی پلیٹ گر گئی اور آنکھوں سے آنسوں پھوٹ پڑے۔کمرے میں قبرستان کی سی خاموشی طاری ہوگئی۔سکھ کرنل نے صورتحال کو بھانپتے ہوئے خاموشی توڑی اور لون صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔''سر مجھے آپ کے جذبات کا احساس ہے۔بہت نقصان ہوا ہے۔اب دیش کی ایکتا کے لئے مل کر کام کرنا ہے۔''اس نے ہمیں گاڑی میں بٹھایا اور ہم کپواڑہ کی طرف چل پڑے۔لون صاحب مرحوم کے آنسوں تھمنے میں نہیں آ رہے تھے، ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔سرینگر تک کے چار گھنٹے کے سفر میں انہوں نے صرف دو باتیں کیں، ایک یہ کہ''انہوں نے ہماری کمر توڑ دی ہے۔اب سنبھلنے کا کوئی امکان نہیں'' اور دوسری بات انہوں نے تب کی، جب چوکی بل کے مقام پر ان کو بتایا گیا کہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ غلام صادق حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے۔انہوں نے کہا''صادق صاحب بھی اسی صدمے کی نظر ہو گئے''۔''میں نے ان سے پوچھا لون صاحب صادق صاحب تو کٹر ہندوستانی تھے۔ان کا جواب تھا کہ''کشمیری مسلمان بھی تو تھے۔جن کی عزت پاکستان کی بقا سے وابستہ ہے۔''چوکی بل سے سرینگر تک ہم نے ہر شخص کو روتے پایا۔اسقدر شدید ماتم شب عاشور اور شام غریباں میں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔کیا پاکستان کی بقاء بلوچستان، فاٹا

اور سندھ میں ہونے والی سازش اور شورش کا کسی کو ادراک ہے؟ محرومیاں، مطالبے، احتجاج، ہنگامے اور بالآخر شورش اور سازش کی نظر ہو کر شیرازہ بکھار دیتی ہیں۔ اس وقت تو ہم بظاہر صرف ہندوستان کی سازش کا شکار ہوے، لیکن اب مشرق اور مغرب سے گھرے ہوئے ہیں۔ فاعتبروا یا اولا بصار۔

☆☆☆☆☆

آزاد کشمیر پاکستانی سینٹ میں

دو دن قبل قومی اخبارات میں پاکستانی سینٹ میں آزاد کشمیر کی بازگشت سنائی دی۔ سینیٹر سید ظفر علی شاہ نے فرمایا کہ ''آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک الگ ملک ہے''۔ جبکہ وسیم سجاد اور باقی کئی سینیٹرس نے اس کے برعکس کہتے ہوئے یہ دلیل دی کہ ''آزاد کشمیر کے لوگوں کے پاس پاکستانی پاسپورٹ/شہریت، شناختی کارڈ وغیرہ ہے اس لئے یہ پاکستان کا حصہ ہے''۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ملک کے سینیٹرس کو آزاد کشمیر کی آئینی حیثیت سے آگاہی نہیں ہے۔ اس کا قصوروار پاکستانی حکومت، آزاد کشمیر کے اقتدار پرست جماعتیں اور اس کے قائدین ہیں جنہوں نے اس سارے عمل کو بھم اور بہکاوے کی کیفیت میں رکھا ہے۔ آزاد کشمیر کے اقتدار پرست لیڈر جن میں سردار عبدالقیوم خان سرے فہرست ہیں کا اس میں بہت بڑا رول ہے جو ساٹھ سال تک سیاسی اور سرکاری اقتدار میں رہے لیکن اس Relation ship کو دانستہ واضح نہ کرایا۔ ایک دفعہ مین نے ضیاء الحق (مرحوم) کے دور میں ان سے کہا تھا'' کہ آپ کے حکومت پاکستان بالخصوص ضیاء الحق (مرحوم) کے ساتھ اتنے گہرے تعلقات ہیں ان کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے آزاد کشمیر کے عبوری سٹیٹس کا آئینی معاملہ طے کروالیں تا کہ یہاں کے لوگ بھی پاکستان کے قومی دھارے میں بطور حق اپنا کردار ادا کریں''۔ موصوف نے جواب دیا ''یہ ایسے ہی ٹھیک ہیں، کبھی ہم اوپر کبھی وہ'' اسی سوچ نے پورے ملک کی سیاست کو یرغمال بنا دیا ہے۔ بین الاقوامی قانون کی روشنی میں جو علاقہ کسی خودمختار اور آزاد ملک کے زیر انتظام ہو وہ اس کا حصہ ہوتا ہے یا کالونی۔ ایک تیسری صورت بھی ہے کہ اگر سلامتی کونسل نے قرارداد کے ذریعہ کسی علاقے کو کسی ملک یا اپنی Trusti ship میں لیا ہو جس کے لیے اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت باضابطہ Trusti ship Council قائم ہے، تو پھر وہ علاقہ سلامتی کونسل کی تحویل میں ہوتا ہے۔ جبکہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے بارے میں ایسا کوئی عمل نہیں ہوا ہے۔ 1949 کی جنگ بندی معاہدے کے بعد یہ علاقے پاکستان کے (اقتدار اعلیٰ) Pakistani High Command کے سپرد ہیں اور اس وقت تک پاکستان کے پاس رہیں گے جب تک سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق رائے شماری کا عمل شروع نہیں ہو جاتا اور مقرر شدہ پاکستانی افواج اور باشندے علاقے خالی نہیں کرتے، جس کے بعد یہاں ''LocalAuthority'' قائم ہوگی جو براہ راست سلامتی کونسل کی زیر نگرانی ہوگی۔ رائے شماری مکمل ہونے کے بعد پوری ریاست جموں وکشمیر باضابطہ طور پر پاکستان یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے گی۔ جب تک یہ معاملہ طے نہیں ہوتا یہ علاقے پاکستان کے زیر انتظام رہیں گے ان کی حیثیت ایک صوبے کی نہیں بلکہ پاکستان میں شامل ایک علاقے کی رہے گی۔ پاکستان

کے آئین کی دفعہ (d)(2)1 کے الفاظ بہت واضح ہیں کہ۔

"Territories of Pakistan shall comprise.

(a).....

(b).....

(c).....

(d) such states and territories as are or may be included in Pakistan,wether by accession or other wise"

یہ علاقے چونکہ سلامتی کونسل نے پاکستان کی تحویل میں دیئے ہیں اور ہندوستان اور پاکستان نے اس عمل کو تسلیم کیا ہے اس لئے پاکستان کے آئین کے تحت یہ پاکستان میں شامل ہیں اور پاکستانی علاقے ہیں۔حکومت پاکستان نے 1971 اور 1988 میں جنرل نوٹیفکیشن کے تحت اس کو صوبے کے طرز پر چلانے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے ان علاقوں میں وہی کچھ زیادہ گرفت سے ہو رہا ہے جیسا کہ باقی صوبوں میں ہوتا ہے۔آزاد کشمیر یا گلگت بلتستان کونسل حکومت پاکستان کا دوسرا نام ہے ٹوپی وہی ہے ٹوپی کا رنگ بدلا جاتا ہے۔اس Confusion نے ان علاقوں میں علیحدگی پسندگی کی تحریکوں کو جنم دیا ہے۔اور جب تک یہ دور نہیں کیا جائیگا یہ کنفیوژن پختہ تر ہوتا جائیگا اور اس وقت پاکستان کے پاس کوئی Option باقی نہیں بچے گا۔آزاد کشمیر کے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ نے مندرجہ بالا Interpretation کو تسلیم کیا ہے اور ماضی قریب میں چند مہم جو ججوں نے بھی ظفر علی شاہ صاحب والا موقف لیا تھا، جس کو سپریم کورٹ نے مسترد کر کے درجہ بالا توجیح سے ہی اتفاق کیا ہے۔میں متعدد بار یہ لکھ چکا ہوں کہ جب تک پاکستان کی اقتصادی، ڈپلومیٹک، سیاسی اور بین الاقوامی ساکھ اتنی مضبوط نہیں ہو گی جتنی ہندوستان کی ہے، اس وقت تک کشمیر پر کوئی پیش رفت نہیں ہو سکتی اور اس وقت تک دریاؤں سے پانی بہہ چکا ہوگا۔کشمیری لیڈر شپ کو اقتدار کی خاطر نہیں بلکہ کشمیر کاز، ان علاقوں کی بہتری اور سمت کی درستگی کے لئے حکومت پاکستان کو پاکستان کے آئین کی دفعہ 257 کے تحت تعلقات کو تابع فیصلہ رائے شماری استوار کر لینا چاہئے تا کہ زمینی حقائق کو آئین میں Defacto حیثیت مل جائے۔جبکہ Dejura کو رائیشماری کے بعد استوار کیا جا سکتا ہے۔ہماری تنظیم Associate for the Rights of the People of Jammu and (ARJK) Kashmir نے اس سلسلہ میں پاکستان کے آئین کی دفعہ 257 کو درجہ ذیل صورت میں ترامیم کرنے کی تجویز پیش کی ہے:۔

Provison regarding the state of Jammu & Kashmir

257 (1) The final disposition of the state of Jammu and Kashmir shall be made in accordance with the will of the people of the state expressed through the democratic method of a free and impartial plebiscite conducted under the auspices of the United Nations in accordance with the relevent resolutions of the United Nations Secutity Council and the United Nations Commission for India and Pakistan.

(2) When the People of the State of jammu and Kashmir decide to accede to Pakistan, the relationship between Pakistan and that state shall be determined in accordance with the wishes of the people of the state.
(3) Pending the final desposition of the state of Jammu and Kashmir in accordance with clause (1) of this Article and not with standing any thing in this constitution, such provisions of this constitution shall apply in relation to the liberated territories of Azad Jammu and Kashmir and Gilgit-Baltistan, respectively, subject to such exceptions and modifications, as the President may be order specify;

Provided that no such order shall be issued except with the concurrence of the Government of the liberated territories. (4) Azad Jammu and Kashmir and Gilgit-Baltistan,respectively, shall equal to provinces for the purpose of be deemed those provisions of the Consitution which apply to the liberated territories.

(5) In its application

to Azad Jammu and Kashmir, the word " Province", " Provincial Assembly", " Provincial Government", " the Governor", " the chief Minister", "" Provincial Minister", " Citizen of Pakistan", wherever used, shall respectively be read as " Azad Jammu and Kashmir"," Azad Jammu and Kashmir Legislative Assembly", " Azad Jammu and Kashmir", " President of " Azad Jammu and Kashmir", Minister of the Government of Azad Jammu and Kashmir", and " State subject of Jammu and Kashmir".

(6) In its application to Gilgit-Baltistan, the words " Province", the " Province", " Provincial Assembly", " Provincial Government", " the Provincial Minister", and " Provincial Assembly" wherever used, shall respectively be read as " Gilgit-Baltistan", " Government of Gilgit-Baltistan", " Minister of the Government of Gilgit-Baltistan", and "Gilgit-Baltistan Legislative Assembly".

یہ عبوری دفعہ رائے شماری کے ذریعہ کشمیر کے حتمی فیصلہ تک پاکستان کے آئین میں رہے گی ۔جس کے بعد تعلقات کا اسر نو تعین کیا جائیگا۔اس پر ریاست کے آزاد حصوں میں ریفرنڈم بھی کرایا جا سکتا ہے۔جس طرح ہندوستان نے جونا گڑھ اور مناور میں کیا اسی طرز پر ان علاقوں کی حد تک سلامتی کونسل کی قراردادوں کی روشنی میں ہندوستانی ہٹ دھرمی کی وجہ سے یکطرفہ رائے شماری بھی کرائی جا سکتی ہے لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ان علاقوں پر مرکزی حکومت کی رٹ باقی صوبوں کی طرح جاری رکھنے کے باوجود ان کو معلق اور باقی صوبوں کے برعکس مرکزی آئینی حقوق سے محروم رکھا جائے ۔ان حقوق میں پارلیمنٹ میں عبوری نمائندگی (جن کے لئے بھی الگ قانونی مسودہ تیار کیا گیا ہے جس کے تحت ان علاقوں کی اسمبلیاں پارلیمنٹ کے لئے ممبر منتخب کریں گی جن کو صدر پاکستان پارلیمنٹ کے ممبر کے طور پر نوٹی فائی کریں گے)نیشنل فنانس کمیشن،اقتصادی کونسل ،قومی مفادات کی

کونسل، ہائیڈرل جنریشن کی رائیلٹی اور منافع وغیرہ شامل ہیں۔

آزاد کشمیر اور آزاد کشمیر کے اندر قومی سیاسی جماعتوں کی لیڈر شپ کی ذمہ داری ہے کہ ان علاقوں کے منتخب نمائندوں کا قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے نمائندوں سے نشستوں کا اہتمام کریں تا کہ ان لوگوں کو کشمیر اور کشمیر کاز سے آگاہی کروائی جاتی رہے۔ نمائندہ قومی اداروں میں نامزدگی والی نشستوں پر کشمیر کاز اور برصغیر کی سیاسی اور آئینی تاریخ کا ادراک رکھنے والے ہونے چاہیں محض خانہ پوری نہ کریں بلکہ یہ حقائق جاننے والے ہوں۔ اسطرح جگ ہنسائی نہ کرائی جائے جس طرح سینٹ میں گئے روز ہوا۔ اسی لاعلمی کی وجہ سے کشمیر کے مسئلہ کی بھرپور وکالت نہیں ہو رہی۔ جب تک حکومت پاکستان کے بنانے کے عمل میں یہ علاقے الیکٹورل کالج میں شامل نہیں ہونگے ان کی قومی سطح پر کوئی حیثیت نہیں ہے۔ گورنمنٹ ایکٹ 1935 کے تحت بھی کشمیر کے لئے مرکزی اسمبلی میں چھ سٹیں مختص تھیں اور ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں بھی کشمیر سے چار نمائندے تھے حالانکہ کشمیر اس وقت برٹش انڈیا یا آزاد بھارت کا صوبہ نہیں تھا۔ ان علاقوں کو با اختیار بنانے کے ساتھ قومی دھارے میں آئینی سکیم سے باہر رکھنا علیحدگی پسندی کو تقویت دینا ہے۔ اس کا ادراک کیا جائے۔

(روزنامہ سیاست 02 فروری 2012)

☆☆☆☆☆

پاکستان مسلم لیگ ن کے پہلے یوم تاسیس پر
قائد مسلم لیگ کے نام

محترم جناب میاں محمد نواز شریف صاحب

اسلامُ علیکم ورحمت اللہ:

پاکستان مسلم لیگ (ن) کے آزاد کشمیر میں پہلا کامیاب سال مکمل ہونے پر آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

ملک گیر جماعتوں میں سے پاکستان مسلم لیگ (ن) سب سے آخری لیکن سب سے بڑی جماعت ہے جس نے 26 دسمبر 2010 کو اپنا دائرہ کار آزاد کشمیر تک بڑھایا۔ اس کی قیادت اور منشور کے فکر انگیز فلسفہ نے محض پانچ ماہ کے قلیل عرصہ میں ''مفاہمتی پالیسی'' کے ہم رکابوں اور سرکاری ایجنسوں کے اکٹھ کے باوجود آزاد کشمیر اسمبلی کے 2011 کے الیکشن میں دوسری سب سے بڑی پالیمانی پارٹی ہونے کا اعزاز حاصل کیا جو تبدیلی کی خواہش کا غماز ہے۔ پاکستان مسلم لیگ (ن) پہلی قومی جماعت ہے جس نے آزاد کشمیر کے جماعتی منشور میں آزاد کشمیر کو آئینی تبدیلی کے ذریعہ باقی صوبوں کی طرح با اختیار بنانے اور کشمیر پر پاکستان کی پالیسی کی سمت مقرر کرنے کے واضح اہداف مقرر کئے ہیں۔ لیکن حکومت پاکستان کی مدد کے بغیر ایسا ممکن نہیں۔

اب جبکہ پاکستان مسلم لیگ (ن) آئندہ قومی الیکشن کے لئے اپنا قومی منشور ترتیب دے رہی ہے اس لئے جماعتی پالیسی کے اخلاص کا اظہار کرتے ہوئے ان اہداف کو عملی شکل دینے کے لئے آزاد کشمیر کے منشور کے درجہ ذیل حصوں کو قومی منشور میں شامل کیا جائے :-

''آزاد جموں وکشمیر عبوری آئین ایکٹ 1974 میں ترامیم کے ذریعہ کونسل لیجسلیٹو لسٹ (Legislative list) ترمیم کر کے مقامی نوعیت کے تمام اداروں کو فیڈرل لیجسلیٹو لسٹ کی روح کے مطابق آزاد کشمیر حکومت کی تحویل میں دیا جائیگا۔''

''وفاقی نوعیت کے تمام معاملات جو اس وقت کونسل لسٹ میں ہیں کو آزاد کشمیر عبوری آئین ایکٹ 1974 کی دفعہ (3)31 اور کیبنٹ ڈویژن حکومت پاکستان کے نوٹفکیشن مورخہ 11.5.1971 کی روح

کے مطابق براہ راست مملکت کے سپرد کرنا تا کہ سہ عملی ختم کر کے معاملات براہ راست متعلقہ مرکزی وزارتوں سے منسلک ہو کر یکسو ہو سکیں جو اسوقت حکومت آزاد جموں وکشمیر، آزاد جموں کشمیر کونسل وزارت امور کشمیر سے ہوتے ہوئے دیگر متعلقہ وزارتوں کی منظوری کے لئے بھیجے جاتے ہیں ۔اس طرح ذمہ داری اور جواب داری یقینی بنائی جائیگی''۔

''آزاد کشمیر کو مرکزی اداروں نیشنل فنانس کمشن، نیشنل اکانومک کونسل، کونسل آف کامن انٹریسٹ، ارسا، پانی کے حقوق، بجلی کی پیداوار کے منافع میں حقوق اور ان اداروں میں نمائیندگی حاصل کرنا ہماری جماعت کی ترجیح اول رہے گی تا کہ اپنا تشخص بحال رکھتے ہوئے قومی دھارے میں شامل ہو کر ان حقوق سے مستفید ہو سکیں جو پاکستان کے باقی صوبوں کو حاصل ہیں۔''

''قائد مسلم لیگ (ن) میاں محمد نواز شریف اور وزیراعظم ہندوستان اٹل بہاری واجپائی کے 21 فروری 1999 لاہور ڈیکلریشن کی روشنی میں وزیراعظم ہندوستان کے امرتسر سے لاہور بس کے ذریعہ علامتی سفر کے تسلسل میں 2005 سے شروع ہونے والے انٹرا کشمیر سفر اور 2009 سے شروع ہونے والی تجارت کو ریاستی باشندوں کے لئے آسان کم خرچ اور شفاف بنانے کے لئے اقدام کئے جائیں گے ۔اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ سٹیٹ سبجیکٹ سرٹیفکیٹ رکھنے والا ہر کشمیری باشندہ اس سہولت سے فائدہ اُٹھا سکے اور یہی بالآخر سفری دستاویز کے طور استعمال ہو سکے ۔اس بات کی کوشش کی جائیگی کہ ریاست کے دونوں حصوں کی پیداوار کی اشیاء کی تجارت کو ترجیح مل سکے اور کشمیر کے دونوں حصوں میں سفر کے لئے مزید Routes کی نشاندہی کی جائیگی سفر کو آسان ۔کم خرچ اور ہر موسم کے لئے یقینی بنائیں گئے تا کہ لوگ اپنے من پسند راستوں کے ذریعہ اپنی ٹرانسپورٹ پر سفر کر سکیں ۔لاہور ڈیکلریشن کی روح کے مطابق مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے کوشش تیز تر کی جائیگی''۔

''1989 کے بعد بے گھر ہونے والے کشمیری مہاجرین کی حالت زار قابل رحم اور قابل توجہ ہے ۔یہ لوگ ریاست کے باشندے کے طور وہی حقوق رکھتے ہیں جو آزاد کشمیر کی مقامی آبادی رکھتی ہے ۔یہ لوگ قانون کے تحت پاکستان کے شہری ہیں جن کو یہ قانونی حق حاصل ہے کہ آزاد حکومت سے باشندہ ریاست سرٹیفکیٹ، حکومت پاکستان سے قومی شناختی کاڈ اور پاسپورٹ حاصل کریں اور ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں داخلہ اور سرکاری محکموں میں نوکریاں حاصل کریں ان کے حق کو یقینی بنایا جائے گا۔اور ان کی مستقل آبادکاری پاکستان مسلم لیگ (ن) کی ترجیح اول ہوگی ۔''

''1947 مہاجرین مقیم پاکستان کے حل طلب مسائل متعلقہ صوبائی حکومتوں کے ذریعہ حل کروانے کی ترجیحاً کاشش کی جائیگی۔''

جناب محترم۔آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان پوری ریاست کا سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق فیصلہ ہونے تک پاکستان کا حصہ ہیں اس لئے آزاد کشمیر کے جماعتی منشور کے مطابق آزاد کشمیر اور پاکستان کے آئین میں ترامیم کروا کے ان حقوق کا حصول ممکن بنایا جائے، تا کہ یہ علاقے پوری ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کے لئے ایک مثالی نمونہ پیش کریں اور ریاست کے لوگوں کے لئے پاکستان ترجیح اول رہے۔گذشتہ 64 برس پر محیط پاکستان کی کشمیر پالیسی مسئلہ کشمیر کے حل میں کوئی پیش رفت نہیں کر سکی، اب اس سٹریٹجی کو تبدیل کر کے آزاد علاقوں کو مسئلہ حل ہونے تک ملک کے سیاسی، اقتصادی اور آئینی اداروں میں نمائندگی دے کر قومی دھارے میں شامل کیا جائے جو یقیناً دوراس اثرات کا حامل فیصلہ ہوگا۔

اللہ آپ کا حامی وناصر ہو

خیراندیش

جسٹس (ر) سید منظور حسین گیلانی

(روزنامہ نوائے وقت 01 جوری 2012)

☆☆☆☆☆

جنرل مشرف کی کشمیر پالیسی

کسی سیانے نے کہا ہے کہ سیاست ایک ایسی سیریس بزنس ہے جو صرف جنرلز کے حوالے نہیں کی جا سکتی بلکہ بین الاقوامی سیاست اور ڈپلومیسی بالکل ہی نہیں کی جا سکتی۔ ان کی مسائل کے حل کی اپروچ یونٹ، برگیڈ یا جنرل ہیڈ کوارٹر کے طرز پر ہوتی ہے کہ ان کی زبان سے نکلا ہر لفظ ماتحتوں کے لئے حکم ڈویا ڈائی والا معاملہ ہوتا ہے۔ جنرل مشرف نے لگ بھگ ایک دھائی ملک کو یونٹ یا برگیڈ سمجھ کر چلایا اور ملک کی مخلوق کو یونٹ کے جوان، این سی او، جے سی او یا سینٹر کے آفیسرز سمجھ کر ٹریٹ کرتے رہے جس کے تباہ کن اثرات اب ساری قوم ملکی اور بین الاقوامی سطح پر بھگت رہی ہے۔ کشمیر کے بارے میں تازہ ترین فرمودات ایک لیڈر یا ایسے فوجی آفیسر کے نہیں ہو سکتے جو ایک دھائی تک نہ صرف ملک کے قومی سلامتی کا سربراہ بلکہ سیاہ وسفید کا مالک رہا ہو۔ جنرل صاحب بلکہ ہر جنرل کو فیلڈ مارشل ایوب خان کا یہ قول یاد رکھنا چاہیئے کہ ''اگر پاکستان کے سیاست دان کشمیر کو بھول بھی جائیں افواج پاکستان نہیں بھول سکتے''۔ یہ قومی سلامتی کا سنہرا اصول ہے اگر ان کا یہ کہنا درست ہے کہ پاکستان کشمیر کی عسکری تنظیموں کو تربیت دیتا رہا تو یہ انڈیا پاکستان باہمی معاہدوں کی خلاف ورزی کے علاوہ بین الاقوامی جرم اور ملکی راز کے افشاء کے مترادف ہے جو ملک کے ساتھ غداری ہے اس معاملہ کا اگر بین الاقوامی سطح پر نوٹس لیا گیا تو مجرم مملکت پاکستان ہو گا اس سے قبل کہ ہندوستان اس معاملہ کو بین الاقوامی سطح پر exploit کرے، حکومت پاکستان اور بالخصوص افواج پاکستان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ غیر ذمہ دار جنرل کے خلاف آفیشل سیکریٹ ایکٹ اور فوجی حلف کی خلاف ورزی، بصورت دیگر دروغ گوئی اور افواج پاکستان اور مملکت پاکستان کے خلاف لگائے گئے الزامات پر مقدمہ رجسٹر کر کے اس کو قانون کے کٹہرے میں لایا جائے۔ مجھے تو اس غیر ذمہ دار آدمی سے زیادہ اس بورڈ پر افسوس ہوتا ہے جس نے اس جیسے جنونی شخص کو جنرل کے عہدے تک پہنچایا۔ اس سے لگتا ہے کہ فوج کے سلیکشن یا رپورٹنگ پراسس کے اندر بھی کوئی خامی موجود ہے، جس کی نوٹس میں ایسے مہم جو لوگوں کا کنڈکٹ نہیں لایا جاتا یا ان کے جنون کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے مہم جوؤں کو منتخب کرنے والے اور ان کو تحفظ دینے والے بھی ویسے ہی مجرم ہیں جیسا کہ جنرل صاحب خود ہیں۔

آزاد کشمیر حکومت کے سربراہ جو جنرل صاحب کا تسلسل ہیں بھی اس قسم کی غیر ذمہ دار حرکت کی ایک

کلاسیکل مثال ہیں جس کے موجودہ وزیراعظم نے اپنی پہلی ٹرم سے نکلتے وقت کہا تھا کہ آئندہ 10 برسوں میں پاکستان کا نقشہ بدلنے والا ہے اور موجودہ صدر نے ایسے لوگوں کو سپریم کورٹ کا چیف جسٹس اور جج مقرر کروایا جنہوں نے آزاد کشمیر کو ایک الگ ملک قرار دے کر قومی سلامتی کو پامال کرنے کے علاوہ اپنے حلف اور آئین سے غداری کی۔ صدر صاحب نے اس وقت کے چیف جسٹس کے ساتھ ملکر ایک جعلی رپورٹ تیار کر کے وزیراعظم پاکستان کو دھوکہ دیا، نہ معلوم ملک کی سلامتی سے منسلک ادارے اور کس چیز کو ملک کی سلامتی کے خلاف سمجھتے ہیں؟

جنرل صاحب کا یہ کہنا کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنے چار نکاتی فارمولے کے تحت معاہدے کے قریب بلکہ معاہدے پر دستخط کے مرحلے پر آ گئے تھے، بھی پاکستان کے آئین، پاکستانی قوم اور کشمیری مفاد کے خلاف غداری کے مترادف ہے۔ کشمیر پر کشمیریوں اور پاکستان کا کیس صرف سلامتی کونسل کی قراردادوں کی وجہ سے قائم ہے وگرنہ قانون آزادی ہند کے تحت مہاراجہ نے ریاست کا مبینہ الحاق ہندوستان سے کیا تھا جس کا اس کو قانون کے تحت اختیار تھا، لیکن اس قانون کی روح اور تقسیم ہند کے فارمولے کے خلاف ہونے کی وجہ سے سلامتی کونسل نے اس کو درست پر مسترد کیا جس کے بعد سے ہی اس الحاق کی قانونی جوازیت ختم ہو گئی۔ جنرل صاحب بارڈرس کو Irrelevent بنا کر اصل میں مسئلہ کشمیر کو irrelevent بنا رہے ہیں جو اس جیتے ہوئے مقدمے کو ہار دینے کے مترادف ہے، شکر ہے کہ اللہ نے ان کو مہلت نہ دی۔ ان کے اس فارمولے کو ان کی ہی بنائی ہوئی ایک کمیٹی نے مسترد کر دیا تھا جس کا اتفاقاً میں بھی ایک ممبر تھا۔ وہ کس مینڈیٹ کی بنا پر سلامتی کونسل کی قراردادوں سے ہٹ کر کشمیر کا سودا کر رہے تھے؟ فوج یقینی طور جنرل صاحب کی بات کو own نہیں کرے گی لہذا حکومت کو فوج اور ملک کی پوزیشن کو vindicate کرنے کے لئے اس مردہ ہاتھی کو سوا لاکھ کا نہیں بلکہ دو پیسے کا سمجھ کر کھڑے میں لانے میں دیر نہیں کرنا چاہیے۔

کشمیر کا معاملہ انسانی۔ جذباتی۔ قانونی، سیاسی اور معروضی حالات کا یرغمال ہے اور اس کو اقتدار کی سیاست کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ پاکستان میں زرا زیادہ جبکہ ہندوستان میں اس سے تھوڑا سا کم ملکی سیاسی اتار چڑھاؤ کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ممکن ہے یہ میری بدگمانی ہو کہ اس کو دانستہ طور الجھا کر اصل سمت سے ہٹایا جا رہا ہے۔ اس کے حل کی بنیاد سلامتی کونسل کی قراردادوں نے رکھ دی ہے۔ فریقین کے درمیان یہ بنیاد ہے جس سے کشمیر سے متعلق پاکستان کی قومی سلامتی کے حلقے اب تک اتفاق کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہاں اگر سب فریق اتفاق رائے سے کسی دیگر حل پر متفق ہو جاتے ہیں تو ہندوستان کو وہ حل پیش کرنا چاہیے، نہ کہ پاکستان یا کشمیریوں کو۔ اس حل سے ہندوستان کا اتفاق نہیں، لیکن وہ بھی بار بار یہ کہتا ہے کہ کشمیر سمیت تمام معاملات پر وہ

بات کرنے کو تیار ہے۔ہندوستانی اور کشمیری قومی جماعتیں بھی موجودہ صورت حال سے مطمئن نہیں اسی لئے بی جے پی trifircation کانگرس دفعہ 370 کو مضبوط کرنے نیشنل کانفرنس ہندوستان کے اندر رہ کر خودمختاری، پی ڈی پی self rule حریت کانفرنس رائے شماری کا تقاضا کرتے ہیں۔یہ سب معاملات زیر بحث آنے چاہیں لیکن متبادل حل ہندوستان کی طرف سے آنا چاہئے جس پر بحث وتمحیص کی جائے اگر یہ معروضی حالات میں قابل قبول ہوتو اس کی سلامتی کونسل سے توثیق کرائی جائے جوان قراردادوں کا حصہ بن جائیگا جنہوں نے اس کے حل کی بنیاد رکھی ہے۔اس سے ہٹ کر کوئی بھی حل یا تجویز قومی مفاد کے خلاف ہے۔''وادی کشمیر'' کے لوگوں نے ایک حل ''آزادی'' تجویز کیا ہے جس پر پوری وادی یک جان ہوگئی ہے اس کو بھی زیر بحث لایا جائے۔لیکن اپنے اصولی موقف پر قائم رہتے ہوئے۔

یہاں پر میں یہ بات بھی ریکارڈ پر رکھنا چاہتا ہوں کہ ملکی سیاسی جماعتوں میں سے سوائے پیپلز پارٹی کے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے بارے میں کسی جماعت کی پالیسی واضح نہیں۔یہ علاقے مجموعی طور ریاست کا حصہ اور اس کے حل میں شریک ہیں لیکن ان کی متنازعہ حیثیت وہ نہیں ہے جو ہندوستانی مقبوضہ علاقوں کی ہے جو قابض فوج اور حکومت کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں، بالخصوص مسلم لیگ کو اپنا دائرہ کار ان علاقوں تک فوری طور پر بڑھا کر اس غلطی کا ازالہ کرنا چاہیئے جو 1947 میں اس ریاست کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دیکر اس کو سازش کا شکار ہونے دیا۔پیپلز پارٹی کی طرح مسلم لیگ کو بھی جماعتی بنیادوں پر ان علاقے کے لوگوں کو درمیانہ داروں سے آزاد کر کے قومی دھارے میں شامل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ ملک کا جغرافیہ بدلنے کی پیش گوئی کرنے والے ان علاقوں کو اسی انجام سے دوچار کریں جس سے ریاست کا مقبوضہ حصہ ہوگیا ہے۔یا ان علاقوں کو بھی مہم جو جنرل کی فلاسفی کے مطابق جوائنٹ کنٹرول میں دینے کا افسوس ناک واقع وقوع پذیر ہونے دیا جائے۔مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کی سمت کا ادراک کرتے ہوئے ان علاقون کی فکر کی جائے۔وقت آپ کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔☆☆

(روزنامہ نوائے وقت 19 اکتوبر 2010)

کیا یہ صحیح ہے؟

چند دن قبل مجھے یکے بعد دیگر دو ای میل موصول ہوئیں ان میں کس حد تک صداقت ہے اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ہمارے ملک کی شہرت اور لوگوں کے رویہ کے پیش نظر یہ باتیں انہونی بھی نہیں لگتیں ہر دو ای میل کا اردو ترجمہ بذیل ہے۔

''پاکستان میں وا حد جگہ جہاں خوراک سستی ہے''

۱۔	چائے کپ	ایک روپیہ
۲۔	سوپ کپ	5.50 روپے
۳۔	دال	1.50 روپیہ
۴۔	چپاتی	ایک روپیہ
۵۔	چکن	24.50 روپے
۶۔	دودھ	4.00 روپے
۷۔	سبزی بریانی	8 روپے
۸۔	فش	13 روپے

یہ اصل پرائس لسٹ ہے اور یہ اشیاء غریب لوگوں کے لئے ہیں جو پاکستان نیشنل اسمبلی کی پارلیمنٹ کنٹینی میں میسر ہیں۔ان غریب لوگوں کی ماہوار تنخواہ علاوہ مراعات -/180,000 روپے ہے۔''

دوسری ای میل کا ترجمہ یہ ہے۔

''سوئس بنک کے ایک ڈائریکٹر نے اپنے بیان میں کہا کہ

''پاکستانی غریب ہیں لیکن پاکستان غریب ملک نہیں ہے۔اس کے کہنے کے مطابق 28 ٹریلین (28000,000,000,000) پاکستانی روپے سوئس بنکس میں ہیں جو:

☆ 30 سال کے ٹیکس فری بجٹ

☆ 6 کروڑ پاکستانیوں کو روزگار

☆ اسلام آباد سے ہر گاؤں کو چار رویہ سڑک

☆ 500 سماجی پراجیکٹس کو ہمیشہ کے لئے فری امداد

☆ ہر شہری کو 60 سال کے لئے بیس ہزار روپے ماہانہ مالی مدد

☆ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے ہمیشہ کے لئے نجات دے سکتے ہیں

سوچیں ہمارے بیوروکریٹس اور سیاست دانوں نے ہمیں لوٹ کر ہمارا سرمایہ کس طرح ہلاک کیا ہے۔ ہمیں ان بددیانتوں کے خلاف سب کچھ کرنے کا حق حاصل ہے۔ ان کو بھولنا اور معاف کرنا قوم اور ملک سے غداری ہے اگر آپ SMS / لطیفے forward کر سکتے ہیں تو قوم کو اس خبر سے کیوں لاعلم رکھیں گے۔ اس کو ہر شخص تک پہنچائیں۔"

ای میل بھیجنے والوں کی اس درخواست کی وجہ سے ان کا اردو میں ترجمہ کر کے نظر قارئین کیا جاتا ہے۔

(روزنامہ سیاست 12 مارچ 2011)

☆☆☆☆☆

مکانوں میں نئے رُوزن لگادو، ہوا کا رخ بدلتا جارہا ہے

عمران خان فیکٹر نے موروثی سیاست کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔عمران خان کا اپنا کچھ بنے نہ بنے پاکستان کی بڑی جماعتوں کو عوامی رائے ،کارکنوں کے میرٹ پر آگے بڑھتے اور ہاؤس کو ان آرڈر رکھنے کی سوچ پر مجبور کردیا ہے۔پاکستان کی سیاست پر فوج کے گہرے نقوش اور اثر ورسوخ کے پس منظر میں عمران خان کی تحریک کو اسٹیبلشمنٹ کی پارٹی کہا جارہا ہے۔الزام لگانے والے سیاست دان بھی انہی گملوں کی پنیری ہیں۔اس لئے اس کو بھی درست طور اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔پاکستان میں فی الوقت کوئی بھی سیاسی جماعت فوج کے اثر سے آزاد نہیں ہے۔جس کے ڈانڈے ملکی تاریخ ،پاکستان کے محل وقوع اور عالمی حالات سے ملتے ہیں۔یہ تب تک چلتا رہے گا جب تک پاکستان کی سیاسی قیادت کا معیار ترکی کے قائدین جیسا نہیں ہو جاتا جن کے سامنے فوجی جرنیلوں نے باجماعت سرینڈر کیا۔عمران خان کے بارے میں یہ تاثر عام لوگوں کو اس کی طرف مائل کرے گا کیونکہ عام لوگ سیاست دانوں کے مقابلے میں فوج پر زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔

ملک گیر قومی جماعتیں ملک کی اکائیوں کو ایک وحدت میں پرونے کے لئے ناگزیر ہیں جبکہ فوج ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے۔۔دونوں کی مضبوطی اور ہم آہنگی میں ملک کی بقاء مضمر ہے۔کسی ایک کا دوسرے کو کمزور کرنا یا اس کی شکست وریخت کا باعث بننا ملک کی سالمیت کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔فوجی فتوحات کو بھی سیاسی عمل کے ذریعہ ہی Consolidate کیا جاسکتا ہے فوج کے بس کی بات نہیں ہے۔کیونکہ اس کی ٹریننگ حکم ماننا اور منوانا ہے۔جبکہ سیاست دان سول بیوروکریٹس کے ذریعہ تمام گتھیاں افہام وتفہیم کے ذریعہ سلجھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔مقبوضہ کشمیر میں 1990 کی دہائی میں ہندوستانی فوج کے خلاف مزاحمت عروج پر تھی انتظامی مشینری مفلوج ہو کر رہ گئی تھی لیکن ہندوستانی حکومت نے وہاں ترقیاتی کام ہر علاقے میں ان ملکی سنٹ یا مجاہد تنظیموں کے ذریعہ کرنے کی ہدایت کردی جو متعلقہ علاقوں میں سب سے زیادہ اثر ورسوخ رکھتے تھے اس طرح انہوں نے وہ سیاسی مقاصد حاصل کرلئے جو ملٹری فورس کی بے رحم لاٹھی سے نہیں ہو سکتے تھے۔سیاسی اور فوجی سوچ میں یہی فرق ہے۔جو پاکستان کی فوج اور سیاسی جنتا کو سمجھنا چاہئے۔

سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں فوج ایک منظم، مستحکم اور مضبوط ادارہ ہے جس کو سیاست دانوں کی نا

اہلیوں، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور کچھ فوجی جرنیلوں کی حرص وحوص نے سیاست میں گھسیٹا ہے۔اس نے پوری فوج کی ساکھ اور سیاست دانوں پر لوگوں کے اعتماد کو بری طرح تباہ کیا ہے۔فوج پر لوگوں کا اعتماد اس صورت میں زیادہ بڑھے گا، جب فوج کی سول معاملات میں ہندوستانی فوج کی طرح کھلی مداخلت نہیں بلکہ حکومت کے ایک ادارے کی طرح بااثر معاونت ہوگی۔جنرل کیانی نے آرمی چیف بننے کے بعد اس سلسلے میں اچھی ابتداء کی جس کو مستعدی سے جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔گو کہ جنرل کیانی اور جنرل پاشاہ کی مدت ملازمت میں توسیع کی رعایت نے ان کی اخلاقی پوزیشن کمزور کی ہے،جس وجہ سے ایبٹ آباد،مہران ائیربیس، سلالہ پوسٹ اور میموگیٹ کے واقعات کی وجہ سے حکومت ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے۔صدر،وزیراعظم اور وزراء میموگیٹ مین فوج کے حقیقی قومی موقف سے بوکھلا کر جو بیگانہ زبان وبیان استعمال کر رہے ہیں اس سے پیپلز پارٹی اور اس کی حکومت کی پوزیشن بہت خراب ہوئی ہے۔صدر صاحب شروع دن سے ہی پیپلز پارٹی کے صدر کے طور ایک حریف کا کردار ادا کر رہے ہیں صدر مملکت کا نہیں۔جس وجہ سے باقی لوگوں کے علاوہ ان کی پارٹی کے سنجیدہ حلقے اس سے بیزار اور فرار کی راہ تلاش کر رہے ہیں۔پیپلز پارٹی نے صدر مملکت اور جماعتی صدر کو ایک شخص کو سونپ کر غلط روایت کی بنیاد ڈالی ہے۔

سیاسی جماعتوں نے خاندانی اجارہ داری قائم کر دی ہے۔اپنے بہین بھائیوں بیٹے بیٹیوں اور دامادوں کو عرب شہزادوں کی طرح کہے بغیر ولی عہد بنا کر ملک کے مختلف حصون کا انچارج بنا دیا ہے جبکہ پارٹیوں میں ان سے زیادہ لائق، سینئر، وفادار، قد آور لوگ موجود ہیں۔جب کسی سیاسی جماعت میں ایک ورکر کو اس کی اہلیت اور مرتبے کے مطابق مقام نہ دیا جائے تو سیاسی جماعت کا پورا کیڈر پہلے تو لیڈر شپ اور اس کے بعد پارٹی سے بیزار ہو جاتا ہے۔نکمے نالائق اور خودغرض ورکر، لائق اور محنتی ورکرس کو لیڈر شپ سے دور کر کے اپنے حصار میں لے لیتے ہیں۔جو پارٹی کی شکست وریخت کا باعث بنتا ہے جو ملکی سالمیت اور وحدت کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے۔پاکستان میں آج کل یہی ہو رہا ہے۔بھائی بچوں یا رشتداروں کو سیاست میں لانا یا ان کا آنا کوئی معیوب بات نہیں،لیکن اپنے وقت، اپنی باری اور اپنے میرٹ پر، نہ کہ حکومتی یا لیڈر شپ کے اثر ورسوخ کے ذور پر۔سیاسی جماعتوں میں سوائے جماعت اسلامی کے کسی لیول پر کبھی انتخاب نہیں ہوتے بلکہ نامزدگیاں ہوتی ہیں، نامزدگی بھی لیڈر کے ذاتی وفادار کی ہوتی، ہے مستحق شخص کی نہیں۔باقی پارٹیوں کے قد آور لیڈروں کے علاوہ مسلم لیگ (ن) سے جاوید ہاشمی اور پیپلز پارٹی سے شاہ محمد قریشی جیسے قومی سطع کے کہنہ مشق ورکرس کا پارٹی چھوڑنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔یہ اس سوچ کے خلاف بغاوت ہے، جو جماعتوں کی قیادت نے اپنائی ہے۔

عمران خان کی صورت مین بیڑا اور مہم جو لوگوں کو Opening مل گئی ہے جو نہایت ہی خوش آئند بات ہے۔ سیاسی جماعتوں کے اندر مسابقت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ جس میں میرٹ کے پروان چڑھنے کا امکان ہے۔ البتہ مجھے ایک خوف ناک بات نظر آرہی ہے کہ جس طرح دو بڑی جماعتیں اپنی اولاد کو پروان چڑھا رہی ہیں، اگر اسی طرح عمران خان نے بھی کیا تو ادھر گولڈ سمیتھ کی براہ راست حکومت ہوگی جو میرے خیال میں یورپ والوں کا ارادہ ہے۔ عمران خان کی کراچی کی تقریر کا ان کی مطلقہ بیوی اور خاندان نے جس دلچسپی سے پرچار کیا وہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے۔ عمران خان کی پارٹی کی ساکھ باقی پارٹیوں کے فصلی بیٹروں کے آنے، اپنے پارٹی کے بنیادی کیڈر کے پس پشت جانے اور اپنے آمرانہ طرز عملی سے بری طرح متاثر ہو رہی ہے یہ بھی ایک قومی المیہ ہے۔ اُدھر بیرون ملک بیٹھی ہوئی قیادت جسطرح ملک کو انقلاب۔ نئے صوبوں اور نہ جانے کن کن پر فریب نعروں سے گمراہ کر رہی ہے، وہ بھی المیہ سے کم نہیں۔ قوم کو یہ جان لینا چاہیے کہ اگر وہ مخلص ہوتے تو بے نظیر اور نواز شریف کی طرح انجام سے بے نیاز ہو کر ملک میں رہتے لیکن ۔۔ زنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ۔ سیاسی طوائف الملوکی کا عالم ہے۔ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان مین بھی ملک گیر قومی جماعتوں کا غلبہ ہے۔ ان مین سب جماعتوں کا کشمیر پر موقف ایک جیسا ہے کہ وہ ''کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی حمایت کرتے ہیں'' لیکن آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی حکومت کے وقار، معیار، اور اختیارات بلند کرنے کے علاوہ قومی سطح پر ان کے مقام کے تعین کا کسی قومی جماعت کے منشور میں کوئی پروگرام نہیں ہے۔ اس سال پاکستان مسلم لیگ (ن) نے آزاد کشمیر میں اپنے منشور میں آزاد کشمیر کے لئے مرکزی اداروں، اقتصادی کانسل۔ فنانس کمیشن اکنامک کونسل میں نمائندگی کے لئے جدجہد کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن جب تک یہ مرکز کے منشور میں نہیں ہوگا اس میں کوئی پیش رفت نہیں ہو سکتی۔ یہ جماعتیں محض ریاستی باشندوں سے ملک اور بیرون ملک سیاسی اور مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ جب مرکزی اداروں میں حقوق اور نمائندگی کا تقاضا کیا جاتا ہے تو کشمیر کے مسئلہ کی ڈھال میں سر چھپا دیتے ہیں۔ حالانکہ کشمیر کا مسئلہ بھی حقوق کا مسئلہ ہے۔ وہ مسئلہ ضرور حل ہونے چاہیے لیکن ادھر کے مسائل بھی حل ہونے ضروری ہیں جو پاکستان کو مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کے لئے توجہ کا مرکز بنا سکتے ہیں۔ میری یہ پختہ رائے ہیکہ جب تک پاکستان ہندوستان سے اقتصادی، سیاسی، سفارتی، اور دفاع کی سطح پر سبقت نہیں لیتا کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ فی الوقت ہندوستان، پاکستان بشمول کشمیری سیاست دانوں کے کشمیر کو کمائی کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ گذشتہ دنوں وکی لیکس نے کشمیریوں اور برصغیر کے سیاست دانوں کی کشمیر کے نام پر کرپشن کو ایسا گندہ قرار دیا جیسا کہ ''جھیل ڈل''۔ جس کے خلاف حریت کانفرنس نے سخت ردعمل کا اظہار کیا

تھا۔ایک مستند کشمیری محقق نے یہاں تک کہا کہ کشمیر کے نام پر کاروبار میں اعلیٰ ترین سیاسی اور سرکاری اہل کار سے لیکر عام لیول کا آدمی بھی شامل ہوگیا جو اپنے روزگار کو ختم نہیں ہونے دے گا۔سردار عبدالقیوم خان صاحب ساٹھ سال سے کشمیر کے مسئلہ کو آج اور کل حل ہونے کی نوید سناتے ہوئے سیاسی اقتدار پڑپوتوں کو منتقل کرنے کے چکر میں ہیں۔ان کی جماعت کے کہ ایک حصے نے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے مسلم لیگ (ن) بنا کر ان کی نسل کو کھڈے لائن لگا دیا لیکن کھڈے لائن لگانے والے بھی مردم بیزار، وقت اور وعدے کی حرمت سے بے نیاز، فیس بک کے ذریعہ جماعت چلا رہے ہیں۔آزاد کشمیر میں اقتدار اسلام آباد سے ہی آتا رہا ہے، جو شخص یا پارٹی اسلام آباد والوں کو ہموار بنا سکی وہی سہاگن بنا کرتی ہے۔یہ ملکہ سردار قیوم صاحب کے علاوہ کوئی حاصل نہیں کر سکتا جو جلوس کو راولپنڈی لے جاتے ہوئے ''کالی مچھ تے ڈنگی اکھ،ضیاء الحق ضیاء الحق'' اور واپس ''مرد مومن مرد حق ضیاء الحق ضیاء الحق'' کا نعرہ لگاتے ہوئے آئے۔وہ بھی نئی عوامی لہر کی وجہ سے ایکسپوز ہوگئے ہیں۔جس کا مظاہرہ 2011 کے الیکشن میں ہوگیا۔اب ہواؤں کا رخ بدل رہا ہے مکانوں میں نئے رُوزن لگ رہے ہیں جو اس کا ادراک نہیں کریگا وہ پاکستان میں اقتدار کے بروکرس کی بے توقیری دیکھ لے۔اللہ بھلا کرے الیکٹرونک میڈیا کا جس کے ذریعہ سب کو سب کی اصلیت کا پتہ چل گیا ہے۔اب لوگ فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں جس کا لیڈروں کو ادراک ہے،لیکن خاموش ہیں۔

کیسے ہوا تھا خون تمنا کا سانحہ
سب جانتے ہیں کوئی مگر بولتا نہیں

(روزنامہ جموں وکشمیر 7/جنوری 2012)

☆☆☆☆☆

سپریم کون ہے۔ پارلیمنٹ یا عدلیہ؟

پاکستان میں آئے دن یہ بحث زور پکڑ رہی ہے کہ پارلیمنٹ، آئین اور جوڈیشری میں سے کون سپریم ہے۔ ویسے تو سپریم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا آئین قرآن پاک اور قانون نبیؐ کی تعلیمات ہیں۔ ان اصولوں کے تابع بننے والا آئین ملک کے قوانین کی بنیادی دستاویز ہے۔ جن ممالک میں آئین نہیں بلکہ روایات ہی آئین ہیں، وہاں پارلیمنٹ سپریم ہے۔ جیسا کہ برطانیہ کیونکہ قانون سازی کا اختیار غیر محدود طور پر اسکو حاصل ہے۔ اس لئے برطانیہ کی پارلیمنٹ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ "برطانوی پارلیمنٹ ہر طرح کا قانون بنا سکتی ہے سوائے مرد کو عورت اور عورت کو مرد بنانے کے" اب اس نے ہم جنس پرستی کا قانون بنا کر اس حد کو بھی کراس کر دیا ہے۔ لیکن جن ممالک میں ایک تحریری آئین ہے ان میں ہر لحاظ سے آئین سپریم ہے کیونکہ سارے ملکی ادارے اسی کے تحت وجود میں لائے جاتے ہیں اور اس کی حدود کے اندر رہ کر اپنا کام کر سکتے ہیں۔ جو ادارہ آئین کے تحت وجود میں لایا گیا ہو وہ کسطرح آئین سے بالاتر یا سپریم ہو سکتا ہے؟ جسطرح بیٹا یا بیٹی ماں کا باپ یا ماں نہیں ہو سکتی اسی طرح کوئی ادارہ آئین سے سپریم نہیں۔ اس لئے اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی کہ منطق اور تھیوری میں آئین بہر حال سپریم ہے۔ برطانیہ کا غلام رہنے کی وجہ سے برطانیوی ہسٹری پڑھنے والے اج بھی پارلیمنٹ کو ہی سپریم سمجھتے ہیں۔ آئین کے تحت وجود میں لائے گئے اداروں میں سے عملی زندگی میں حکومت ہی سپریم نظر آتی ہے۔ کیونکہ ریاست کے تمام اداروں کی سرگرمیاں حکومت کے آس پاس گھومتی ہیں۔ قانون سازی کرنی ہو یا مقننہ عدلیہ اور دیگر ریاستی شعبوں میں تقرریاں، انکی مالی اعانت اور وسائل مہیا کرنا ان کی اچھائیوں یا برائیوں کی ذمہ داری اور جواب دہی حکومت ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن آئینی اور قانونی منطق کے اعتبار سے اختیارات کو تفویض کرنے کا منبع آئین ہے جس نے حکومت کو یہ ہمہ گیر اختیار دئے ہیں اس لئے حکومت کی کارکردگی بھی بالآخر آئین کے تابع ہے۔

عام فہم الفاظ میں سمجھانے کے لئے میں اس ساری ریاستی مشنری کو ایک انڈے سے تشبیہ دونگا۔ جس کی نوک کے بالائی حصے کو آئین، اس کے بعد پارلیمنٹ اس کے بعد انتظامیہ اور اس کے بعد عدلیہ آتی ہے اس کے بعد پھر وہی بیضوی چکر شروع ہو جاتا ہے۔ اور ان کے درمیان کسی بھی تنازعہ کی صورت میں رجوع پھر آئین سے ہی کیا جاتا ہے۔ یہ آبی چکر سے مماثلت رکھتا ہے یعنی پانی سے بخارات بنتے ہیں جو بادل میں تبدیل ہو کر دوبارہ پانی بن کر برستے ہیں اور پھر بخارات بن جاتے ہیں۔ پارلیمنٹ کو آئین کے تحت قانون سازی کا

اختیار حاصل ان قوانین پر عمل کرنا حکومت کی مشینری کے اختیار میں ہے جس نے قانون کے معنی ،مفہوم اور مقصد کے مطابق تشریح اور اس پر عملدرآمد کرنا ہوتا ہے ۔اگر کسی وقت کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے کہ پارلیمنٹ نے قانون بناتے ہوئے آئین کی کسی دفعہ کی یا اس کی روح کے خلاف ورزی کی ہے یا حکومتی مشنری نے قانون کا درست اطلاق نہیں کیا ہے تو معاملہ بہر حال عدلیہ کے پاس جائیگا جو آئین نے ریفری مقرر کی ہے اس میں عدلیہ جو بھی فیصلہ کریگی وہ حتمی ہوگا ۔عدلیہ کے فیصلے کرنے والے ججز کو بھی کسی قانون یا فرمان حکومت کو کالعدم کرتے وقت ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ اس کے پیچھے پارلیمنٹ اور سسٹم کی فکر ہوتی ہے ۔صرف چند ججز کی عقل نہیں ۔عدلیہ کے فیصلے کو سامنے رکھتے ہوئے پارلیمنٹ ان نقائص کو دور کر کے جن کی نشاندہی عدلیہ نے کی ہوتی ہے، دوبارہ قانون سازی کر سکتی ہے جس کے تحت عدلیہ کے فیصلے بھی منسوخ کر سکتی ہے لیکن قانون سازی کے ذریعہ صرف فیصلے کو منسوخ نہیں کر سکتی ۔پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کو آئین سے متصادم پانے کی صورت میں منسوخ کرنا کوئی نیا واقع نہیں ہے ۔جیسا کہ سپریم کورٹ پاکستان کے توہین عدالت کے قانون کو کالعدم کرنے سے ملک میں بحث چھڑی ہے اور اس کے تسلسل میں پارلیمنٹ یا عدلیہ کے سپریم ہونے کے حق میں اور خلاف دلائل دئے جا رہے ہیں ۔دینا بھر کی اعلیٰ عدلیہ نے مقننہ کے بنائے ہوئے کئی قوانین کو آئین سے متصادم ہونے کی بنا پر کالعدم قرار دیا ہے لیکن ایسی طفلگی دیکھنے میں نہیں آئی جیسا کہ پاکستان میں ہو رہا ہے ۔سپریم کورٹ آف انڈیا اور بنگلہ دیش نے آئینی ترامیم کو بھی کالعدم قرار دیا ہے ۔

آزاد کشمیر پاکستان کے اندر ایک چھوٹا سا خطہ ہے جس کی اپنی کوئی خودمختاری ،ملکی یا بین الاقوامی حیثیت نہیں ہے لیکن یہاں بھی عدلیہ نے مقننہ کے بنائے ہوئے کئی قوانین کو آئین سے متصادم قرار دیا ہے ۔ جس میں سرفہرست توہین عدالت کے ایک قانون کو ریفر کروں گا ۔جس کو غالباً 1993 میں تقریباً ایسی ہی دفعات کے اضافہ کے ساتھ نافذ کیا گیا تھا جس کو سپریم کورٹ پاکستان نے کالعدم قرار دیا ہے ۔میں اس کے پس منظر میں نہیں جاؤں گا ۔صرف اتنا کافی ہے کہ اس وقت آزاد کشمیر میں بھی ایسے ہی مہم جو حکومت کرتے تھے جو آج کل پاکستان میں ہیں ۔اس قانون کو آزاد کشمیر ہائی کورٹ نے جس کی سربراہی میں کر رہا تھا کالعدم قرار دیا جو قانونی رسالے ۔(PLJ1996 AJK75) میں رپورٹڈ ہے اس طرح میری سربراہی میں ہائی کورٹ کے بینچ نے الخیر یونیورسٹی ایکٹ کی متعدد دفعات کو کالعدم قرار دیا جو قانونی رسالے (PLJ2000AJK 243) میں رپورٹڈ ہے اس کے علاوہ میری سربراہی میں ہی بینچ نے شریعت کورٹ ایکٹ کی کئی دفعات ججوں کی تقرریوں کے سمیت جو اس کے تحت کی گئی تھیں کو کالعدم قرار دیا اور یہ کیس (PLJ1998AJK140) میں رپورٹڈ ہے سول سرونٹ

ایکٹ 1976 کی ایک دفعہ کو جس کے تحت سرکاری ملازمین کے لئے لازمی تھا کہ حتمی حکم کو عدالت میں چیلنج کرنے سے قبل اسی اتھارٹی کے پاس نظر ثانی کرنے اور اس کے فیصلہ کے بعد عدالتی چارہ جوئی کی پابندی تھی، کو میں نے کالعدم قرار دیا جو (PLJ 1998 AJK 15) میں رپورٹڈ ہے یہ تو وہ ہیں جن کا فیصلہ کرنے کا مجھے اعزاز حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آزاد کشمیر میں تھوک کے حساب سے جیالوں کو ایڈہاک بنیادوں پر بھرتی کے بعد ان کو اسمبلی کے قانون کے ذریعہ کنفرم کیا گیا اس قانون کو جسٹس ملک عبدالحمید صاحب کی سربراہی میں بینچ نے کالعدم قرار دیا ہے جو حتمی طور (1994SCR341) میں رپورٹڈ ہے۔ 1985 کے الیکشن کے بعد ایک قانون کے ذریعہ ایک خاص تناسب سے ووٹ حاصل نہ کرنے والی پارٹیوں کی رجسٹریشن اور اس کے منتخب ارکان کے الیکشن کو کالعدم قرار دیا گیا تھا اور تحریک عمل پارٹی کے نام سے مشہور ہے۔ 1970 کی دہائی میں جنگلات کی لکڑی کو ٹھیکے پر دئے جانے کے عمل کو ایک قانون کے ذریعہ منسوخ اور لکڑی کو سرکاری تحویل میں لیا گیا۔ اس قانون کو سپریم کورٹ آزاد کشمیر نے چوہدری رحیم داد صاحب (مرحوم) کی سربراہی میں بینچ نے کالعدم قرار دیا جو (PLD 1978 SC AK42) کے طور پر رپورٹڈ ہے۔ ایک قانون کے ذریعہ جن عوامی نمائندوں کو ڈسکوالی فائی کیا گیا تھا، کے سرکاری گیسٹ ہاوسز میں ٹھہرنے پر پابندی عائد کی گئی تھی اس قانون کو (مرحوم) سید محمد خان کی سربراہی میں بینچ نے کالعدم قرار دیا جو (PLD 1986AJK 10) کے طور پر رپورٹڈ ہے۔ ایک اور قانون کے تحت ریٹائرجج کی قانونی پریکٹس پر آزاد کشمیر اسمبلی نے پابندی لگائی تھی جس کو بھی سید محمد صاحب (مرحوم) نے کالعدم قرار دیا اور فیصلہ (PLD1982 AJK 90) کے طور رپورٹڈ ہے۔ ایک اور قانون کے تحت ہائی کورٹ میں اضافی ججوں کی تقرر کا اختیار صدر آزاد کشمیر کو دیا گیا تھا۔ اس قانون کو جسٹس چوہدری شیر زمان صاحب کی سربراہی میں بینچ نے کالعدم قرار دیا تھا جو (NLR1991(c.cases)724) کے طور رپورٹڈ ہے۔

چور مچائے شور سے آئینی اور قانونی تاریخ کا دھارا بدل نہیں سکتا۔ سب کو اپنے حدود میں رہنے اور آئین کی روح کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ سوائے آئین کے کوئی کسی پر سبقت نہیں رکھتا چونکہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے نامہ اعمال میں عوامی فلاح کا کوئی کارخیر درج نہیں، فوج مداخلت سے باز ہے جبکہ عدلیہ متحرک ہے۔ اس لئے اپنی ناکامی عدلیہ کے سر تھوپنا چاہتی ہے جس کا ہر کس و ناکس کو ادراک ہے۔

وزیراعظم اور توہینِ عدالت

سپریم کورٹ پاکستان نے وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کو سوئس حکومت کو صدر مملکت آصف علی زرداری کے خلاف کرپشن کا کیس کھولنے کے حکم کی عدم تعمیل کی وجہ سے توہین عدالت کا مرتکب قرار دیکر اپنے مختصر حکم کے تحت تا برخاست عدالت سزا کا حکم سنایا جو وزیراعظم نے چند سیکنڈوں میں بھگت کر رہائی پائی۔ گیلانی صاحب سیاسی اشو بنانے کے لئے زیادہ سزا کے خواستگار تھے لیکن یہ تماشا نہ ہوا۔ اس کے باوجود نہ تو خط لکھا اور نہ ہی سزا یافتہ ہونے کے باعث آئین پاکستان کی دفعہ 63(1)(g) کے تحت نااہل ہونے کی وجہ سے اسمبلی کی ممبر شپ چھوڑی۔ ایسے حالات میں اس دفعہ کا اطلاق خود بخود ہو جائیگا۔ چیف الیکشن کمشنر نے اس کو محض مشتہر کرنا ہوتا ہے۔ یہ تو اس کا قانونی تقاضا ہے۔ جبکہ اس سزا کا اخلاقی تقاضا یہ تھا کہ وزیراعظم عدالت سے نکلتے ہی اعلان کر دیتے کہ چونکہ سزا یافتہ ہونے کی وجہ سے وہ نااہل ہو گئے ہیں۔ اس لئے وزیراعظم کے منصب سے استعفیٰ دیتے ہیں اخلاقی ہار قبول کرنا قانونی سزا کی خفت کو مٹا دیتا ہے لیکن اس کیس میں شروع سے ہی اخلاقی دیوالیہ پن کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ وگرنہ پیپلز پارٹی کی اخلاقی فتح ہوتی۔

یہ حقیقت ہے کہ جناب آصف زرداری کے خلاف سوئس عدالت میں Money Laundring کا مقدمہ زیر سماعت تھا جس کو اٹارنی جنرل کے ذریعہ خط لکھوا کر رکوا دیا گیا اور مابعد سپریم کورٹ کے حکم کے باوجود مقدمہ چلانے کے لئے اس بہانے پر خط نہیں لکھا کہ صدر مملکت کے خلاف دوران صدارت کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ دوران عہدہ صدارت صدر کے خلاف کوئی مقدمہ رواں نہیں رہ سکتا لیکن معاملہ زیر بحث مقدمہ کی سماعت کا نہیں بلکہ خط لکھنے کا تھا اور وہ بھی غیر ملکی انکوائری مجسٹریٹ کو۔ تحفظ تو ملکی عدالتوں کے اندر مقدمات کا ہے غیر ملکی مقدمات جو صدر کے خلاف نہیں بلکہ ایک شخص کے خلاف تھے کو ہمارے آئین کے تحت کوئی تحفظ نہیں آئینی دفعات سپریم کورٹ کے زیر نظر ہونے کے باوجود جب حکم دیا گیا تو انتظامیہ یہ کہنے کا حق نہیں رکھتی کہ صدر مملکت کو استثنیٰ حاصل ہے۔ ریاست کے اعلیٰ ترین سطح پر جب عدالتی احکامات کی اس طور تذلیل کی جائے تو ادنیٰ سطح پر بھی ہر کوئی شخص کوئی بھی دلیل دیکر عدالتی احکامات کو مسترد کر سکتا ہے۔ ایسے حالات میں جو خانہ جنگی شروع ہوگی اس کا ادراک غالباً وزیراعظم، صدر مملکت یا متعلقہ لوگوں کو نہیں ہے کہ وہ کس فتنہ کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ یا دانستہ ایسا کر رہے ہیں۔

توہین عدالت کے فیصلہ کو اس بناء پر نہ ماننا کہ ابھی اپیل کا حق باقی ہے، بھی عدالت اور سسٹم کی توہین ہے۔ جب عدالت فیصلہ سناتی ہے تو اس کا نفاذ فوری طور پر ہو جاتا ہے۔ وہ اپیل میں توثیق کی محتاج نہیں ہوتا جب تک فیصلہ سنانے والی عدالت خود اس فیصلے کو اپیل کے دائر ہونے تک غیر موثر ہونے کا حکم نہ دے جو وزیراعظم کے معاملے میں نہیں دیا گیا اس کا سیدھا قانونی اور اخلاقی حل یہ تھا کہ وزیراعظم اسمبلی کی رکنیت سے نا اہلی کو قبول کر کے فوری استعفیٰ دے دیتے، اپیل دائر کر کے فیصلہ کو معطل کرا کر وزارت عظمیٰ کے عہدے پر قائم رہتے جس سے قانون کی بالادستی بھی قائم رہتی اور وزیراعظم کی سیاسی فتح بھی ہوتی۔ حکومت کا یہ موقف کہ اپیل میں فیصلہ آنے تک بھی وزیراعظم مجرم نہیں کہلائے جا سکتے تجاہل عارفانہ ہے۔ تفصیلی فیصلہ تو حتمی حکم کے دلائل ہوتے ہیں ان کا فیصلہ کے قابل نفاذ حصے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ ایں ہمہ ایسے حالات اور ایسے مقدمہ میں عدالت کو مختصر حکم کے بجائے تفصیلی فیصلہ سنانا چاہیے تھا تا کہ عذر لنگ باقی نہ رہتا۔

قانونی اور اخلاقی بالادستی قائم رکھنے کے لئے تو سیاسی لیڈر عزیز و اقارب پر الزام لگنے پر بھی عہدہ چھوڑ کر اپنی اخلاقی برتری کا ثبوت دیتے ہیں لیکن ہمارے عزت مآب وزیراعظم اپنے پورے خاندان کے سمیت کرپشن کے الزامات کی پستی کی انتہا تک پہنچنے پر بھی کہتے ہیں کہ کوئلے کی دلالی میں ہاتھ کالے ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنی حد تک محاورہ کو بدل دیا ورنہ محاورہ یہ ہے کہ کوئلے کی دلالی میں منہ کالا ہوتا ہے۔ میرے خیال میں کسی دوراندیش شاعر نے اسے سیدزادے کے لئے کہا تھا۔

"اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی"

اس معاملے میں پستی کی انتہا تو اسمبلی کی قراردادوں نے کر دی ہے جن کے ذریعہ سے سزا یافتہ وزیراعظم کے ساتھ یکجہتی کا مظاہرہ کیا گیا۔ کیا یہ قراردادیں آئین اور عدالتی فیصلوں کو نہ ماننے پر انعام ہیں: کیا ہمارے جمہور کا یہی اخلاقی اور قانونی لیول ہے؟ اسی وجہ سے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا۔

گریز از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو
کہ از مغزے ازدو صد خر فکر انسانی نمی آید

آزاد کشمیر اسمبلی بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں رہی حالانکہ یہ وزیراعظم اور صدر پاکستان کے ایکسٹرا کالج کا حصہ نہیں بلکہ خیراتی طور پر ان کے ساتھ چمٹی ہے جبکہ ملک کی باقی اسمبلیوں کا تو کوئی قانونی رول ہے لیکن اس معاملہ میں اخلاقی پستی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ آزاد کشمیر اسمبلی میں تو غالب اکثریت پیپلز پارٹی کی ہے جبکہ دوسری بڑی جماعت مسلم لیگ نون ہے اور یہ دونوں یہاں پاکستانی قومی جماعتوں کی نمائندگی کر رہی ہیں ان کے

لئے یہ نادر موقع ہے کہ اپنے آپ کو مقامی لیول پر بااختیار بنانے کے ساتھ ساتھ آزاد کشمیر اسمبلی کو وزیراعظم اور صدر پاکستان کے انتخابات کے لئے الیکٹورل کالج کا درجہ دلا کر کے عام لوگوں کو بھی بااختیار بنائیں اور پھر اس جنگل میں گھسیں وگرنہ بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ والی بات ہے یا بقول وزیراعظم پاکستان ''کوئلے کے کاروبار میں ہاتھ کالے کرنے'' کی ہے۔

اس سارے عمل میں خوش آئیند بات یہ ہے کہ افراد بے نقاب اور ادارے مضبوط اور مستحکم ہوتے جارہے ہیں۔فوج کی طرف سے مہم جوئی جنرل کیانی نے یہ کہہ کر مسترد کردی کی سب اداروں کو اپنے اپنے حدود میں رہ کر کام کرنا چاہیے۔ملکی سلامتی اور اداروں کے تقدس کا تقاضا ہے کہ تفصیلی فیصلہ آنے اور اپیل پر فیصلہ کے فوراًبعد جنرل الیکشن کرائے جائیں۔فیصلہ خواہ کچھ بھی ہو۔

(روزنامہ نوائے وقت 17 مئی 2012)

☆☆☆☆☆

مولانا طاہرالقادری، ایجنسیاں اور بیرونی قوتیں

لاہور میں تحریک منہاج القران کے سربراہ مولانا طاہرالقادری کے 23 دسمبر 2012 کے جلسے کے بعد پاکستان کی سیاسی فضاء میں ایک ارتعاش پیدا ہوگیا ہے۔اس کے ساتھ ہی ایم۔کیو۔ایم اور مسلم لیگ قائداعظم نے 14 جنوری کے اسلام آباد لانگ مارچ کے مولانا کے فیصلہ کی حمایت کر کے ہر ذی شعور شخص کو حیرت میں ڈال دیا ہے کہ حکومت میں شامل جماعتیں حکومت کے خلاف لانگ مارچ میں شریک ہو کر کس کا کھیل کھیل رہی ہیں؟ یہ تینوں کھیلاڑی ماضی میں فوجی حکومتوں کی پیداوار اور پروردہ ہیں۔کیا اب ان سب کا ایک دم اکٹھے ہو جانا مبینہ طور پھر اسی طرف اشارہ کرتا ہے؟ میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ فوجی ایجنسیاں فوجی سربراہ کے اقتدار اور پالیسوں کو تحفظ دینے کے لئے اپنے مہرے تیار کرتی رہی ہیں ایسا پیشہ ورانہ ذمہ داری سمجھ کر کرتی رہی ہیں کیونکہ فوج کے ڈسپلن کا تقاضا ہی تابعداری ہے۔جنرل مشرف کے بے توقیر ہو کر اقتدار سے نکلنے، سابق فوجی جرنیلوں کے خلاف الزامات اور عدالتوں میں گھسیٹنے، فوج کی اپنی ساکھ خراب ہونے کی وجہ سے جنرل کیانی نے درست طور فوج کو سیاست اور سیاست دانوں سے الگ کر کے پیشہ ورانہ ذمہ داریوں پر لگا کر سول حکومت کے احکامات کا پابند بنا دیا ہے اس لئے یہ لانگ مارچ والا ڈرامہ کرانا ایجنسیوں کا کھیل نہیں ہوسکتا۔پاکستان کے تمام قومی اداروں کے مقابلے میں فوج میں نظم وضبط، تعلیم وتربیت، مطالعے اور اندرون خانہ مباحثوں کا رجحان زیادہ ہوتا ہے اس لئے فوج ملکی اور بین الاقوامی حالات سے زیادہ باخبر ہوتی ہے فوجی تھنک ٹینک یقیناً اس نتیجے پر پہنچے ہونگے کہ ملک اس مہم جوئی کا متحمل نہیں ہوسکتا اندرونی خطرات کو بیرونی خطرات سے زیادہ مہلک قرار دینے کے بعد فوج اس قسم کے کرائسز یقیناً ملکی مفاد میں نہیں سمجھتی ہوگی۔

معین قریشی اور شوکت عزیز کی طرح مولانا طاہرالقادری اور اس کے حامی الطاف حسین کے غیر ملکی شہری ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے یہ جن ملکوں کے شہری ہیں وہ امریکی اتحادی ہیں اور امریکہ کی پاکستان دشمنی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے، اس پس منظر کے علاوہ پاکستان کے اندر مقامی سیاسی جماعتوں پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن)، جماعت اسلامی، تحریک انصاف کا لوگوں میں جڑیں پکڑنے اور ہر قسم کے بحران اور بدانتظامی کے باوجود پانچ سال تک ایک جمہوری سیاسی حکومت کے قائم رہنے کی وجہ سے پاکستان کے اداروں کا

استحکام یقینی نظر آتا ہے جو امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مفاد میں نہیں ہے۔اس لئے اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوسکتا کہ یہ کرائسز بیرونی طاقتیں ہی Facilitate کر رہی ہیں ممکن ہے مولانا دیانتداری سے سمجھ رہے ہوں کہ وہ جو کر رہے ہیں ملکی مفاد میں ہے یا اس سازش میں شامل بھی ہوں نیتوں کا مالک اللہ ہے۔ڈاکٹر عمران فاروق کے لندن میں قتل کے کیس میں تفتیش الطاف حسین کے قریب تر ہوتی جا رہی ہے جس دباؤ کا مقابلہ ایم۔کیو۔ایم کے ذریعہ ہی کرایا جاسکتا ہے۔مسلم لیگ (ق) اپنا اعتماد اور حیثیت کھو بیٹھی ہے جو اپنے تاریک مستقبل کے پیش نظر سہارے تلاش کر رہی ہے۔زرداری کے طرز عمل کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ بات بھی ناممکن نہیں لگتی کہ دونوں اتحادی زرداری کے مشورے اور اعانت سے ایسا کر رہے ہوں۔حیرانگی کا مقام ہے یہ دونوں جماعتیں پارلیمنٹ اور حکومت میں بھی شامل ہیں لیکن پارلیمنٹ اور حکومت کو بے اثر اور ناکام بھی کر رہی ہیں۔یہ تینوں جماعتیں آئین اور قانون کی بالادستی کی بات کر رہی ہیں لیکن فیصلے آئینی اداروں کے ذریعہ نہیں بلکہ ''عوامی پارلیمنٹ'' یعنی مظاہرین کے دھرنے کے ذریعہ کرانا چاہتے ہیں۔طالبان بندوق کے زور پر اور یہ لوگ دھرنے کے زور پر کیا مماثلت ہے؟۔آئین کے مطابق الیکشن کرانا چاہتے ہیں،لیکن الیکشن کا التواء آئین کے خلاف نہیں سمجھتے جو بالکل واضح اور شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ الیکشن نگران حکومت کے زیر نگرانی اور مقررہ مدت کے اندر ہوگا اور نگران حکومت کی تشکیل میں بھی کوئی آئینی ابہام نہیں ہے۔الیکشن کے التواء کو آئین کی دفعہ 254 کے تحت التواء میں رکھنے کو جواز بناتے ہیں جو کسی آئینی عمل کو موخر،معطل یا ملتوی کرنے کا اختیار نہیں دیتی بلکہ کسی وجہ سے رہ جانے والے کسی عمل کا مدت کے بعد ہونے کو جائز قرار دیتی ہے۔بالفاظ دیگر عمل آئین کے مطابق ہونا ضروری ہے۔اس دفعہ کے تحت کسی آئینی عمل کو موخر کرنے کا جواز نہیں بنایا جاسکتا۔یہ ایسے حالات کا احاطہ کرتا ہے جو انسانی بس سے باہر ہوں مثلاً زلزلہ،قحط،طوفان،سیلاب،جنگ وغیرہ جب عام زندگی مفلوج ہو جاتی ہے اور آئین پر عمل کرنا عملاً ممکن نہیں رہتا،اس صورت میں بھی التواء نہیں بلکہ بے بسی کی وجہ سے بعد ازاں ہونے کو جواز بخشتا ہے۔الیکٹورل اصلاحات تو یقیناً ہونی چاہیں لیکن یہ حکومت اور پارلیمنٹ نے کرنی ہیں گلی محلوں میں نہیں ہونیں۔مولانا کا طرز عمل یرغمال ہے،الطاف حسین کی فوج کو اکسانے کی اپیل بغاوت ہے۔نارمل زندگی کو مفلوج اور آئینی عمل کو غیر موثر بنانا کسی طور حب الوطنی نہیں ہے۔اگر صاحب نے گزشتہ پانچ سال میں اپنی اور اپنی حکومت کے کارندوں کی کرپشن کو تحفظ نہ دیا ہوتا ملک اس بحران کا شکار نہ ہوتا جس کا فائدہ مہم جو اٹھا رہے ہیں۔اس وقت ملک کو بحران سے بچانے،جمہوری اور آئینی راستہ پر گامزن رکھنے،غیر ملکی قوتوں کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تمام سیاسی،انتظامی اور فوج اداروں کو یک جان ہو کر چلنے کی ضرورت ہے لیکن

ان ناانصافیوں کاادراک اور تدارک کرنا بھی لازمی ہے جس کے ختم کرنے کی امید میں لوگ اس قسم کے مظاہروں اور دھرنوں کی اپیل پر اتر آتے ہیں مثلاً جاگیرداری، وڈیرہ شاھی، قبائلی تسلط، سیاسی جماعتوں پر خاندانی غلبہ، عدم مساوات، بے روزگاری، ناانصافیاں، کرپشن عدم احتساب اور اس طرح کے بے شمار مصائب جنہوں نے زندگی کو جہنم بنادیا ہے۔ایسا نہ ہو کہ کبھی شیر آہی جائے اور ہمیں سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملے۔

(روزنامہ نوائے وقت 08 جنوری 2013)

☆☆☆☆☆

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

دو دن قبل مجھے ایک ایس ایم ایس موصول ہوا جو آدھا سچ اور بقیہ بھی جھوٹ نہیں ہے ۔ایس ایم ایس یوں ہے ۔

"Pakistan has officially opened the world's first human Hunting safari. Come to Pakistan. Kill Pakistanis, pay and leave....."

یہ طنزیہ ایس ایم ایس تو قطعاً ریمنڈ ڈیوس کے حوالہ سے ہے جس نے براہ راست روا دربالواسطہ تین پاکستانیوں کی بلا وجہ اور بلا استحقاق جان لے لی ۔ دو جانوں کے عوض بیس کروڑ روپے دیت ادا کر کے انتہائی اہتمام کے ساتھ چلا گیا ۔جبکہ تیسری جان بلا ادائیگی رہی ۔ایس ایم ایس تو انتہائی مہذب انداز میں طنز ہے جبکہ یہی بات ایک امریکی اٹارنی جنرل نے اس حقارت سے کی تھی "These bloody Paki's can sell their mother for twenty dollars"

جنرل پرویز مشرف نے اپنی کتاب In the line of Fire کے صفحہ 237 پر لکھا ہے ۔

"..... we have captured 689 and handed over 369 to the United States. We have earned bounties totaling millions of dollars. Those who habitually accuse us of not doing enough in the war on terror should simply ask CIA how much prize money it has paid to the Government of Pakistan"

یہ ساری رقم ان پاکستانی مسلمانوں کی جانوں کے عوض لی گئی جن کی جان امریکنز نے لے لی یا اس وقت تک گوانتاناموبے میں ہیں ۔

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

گزشتہ کئی سالوں سے پاکستانی علاقوں میں امریکن ڈرون حملے ہو رہے ہیں جن میں اس وقت تک سرکاری ریکارڈ کے مطابق 2241 جانیں لی گئی ہیں ۔ایک ہفتہ قبل شمالی وزیرستان میں ایک قبائلی جرگہ پر ڈرون حملہ میں درجنوں بے گناہ پاکستانی شہید کیئے گئے جس پر پاکستان کی سیاسی جماعتیں، حکومتی زعماء اور فوج کے سپاہ

سالار اعلیٰ نے یک زبان ہو کر احتجاج کیا۔ احتجاج بجا لیکن یہ ڈرون حملے کیری لوگر بل کے ذریعہ پاکستان کے سالانہ بجٹ کے زیادہ سے زیادہ دو فیصد حصے کے عوض ہو رہے ہیں۔

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

جہاں تک ریمنڈ ڈیوس کے مقدمہ کا تعلق ہے یہ تعزیرات پاکستان اور ضابطہ فوجداری کے مطابق حل ہوا ہے تاہم جس عجلت، رازداری، اور غیر شفاف طریقہ سے یہ عمل تکمیل پذیر ہوا اس نے معاملہ کو مشکوک بنا دیا ہے۔ کسی بھی عدالتی یا حکومتی حکم کے قانون ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی Legitimacy, propriety اور Transparency بھی شک وشبہ سے بالاتر ہونی چاہیئے۔ اس مقدمہ اور اس کے فیصلہ کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس کا credit اگر کوئی ہے تو وہ ہر ایک لینا چاہتا ہے لیکن اس کے زلت آمیز پہلو کی ذمہ داری قبول کرنے کو کوئی تیار نہیں۔ حسب معمول غیبی ہاتھوں کے دباؤ کے تحت قومی اور بین الاقوامی اہمیت کے اس مقدمہ کا فیصلہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ماتحت عدلیہ سے کرایا گیا جبکہ اس سے پہلے کی پاکستان کی تاریخ میں اس قسم کے فیصلے اسی طریقہ سے سپریم کورٹ کرتی رہی ہے جو "ملکی مفاد" کے نام پر آئین اور قانون سے ماوراء خود ساختہ اصولوں کے تحت کئے جاتے رہے جیسے کہ ایوب خان۔ یحییٰ خان۔ جنرل ضیاء الحق اور جنرل مشرف کا مارشل لاء کو جائز قرار دینا۔

کیا ملک کا آئین اور قانون ملکی مفاد میں نہیں ہیں کہ ماوراء آئین اور قانون اقدامات کو فوقیت دی جا رہی ہے؟ ملک میں آج تک یہی ہوتا رہا اور اب بھی یہی سلسلہ جاری ہے۔ آئین اور قانون سے ماوراء اقتدار میں آنے اور ان کو تحفظ دینے والے گمنامی اور ذلت کی زندگی اور موت سے دوچار ہوئے ہیں۔ غلام محمد سے لیکر مشرف تک اور جسٹس منیر سے لیکر ڈوگر تک عبرت ناک مثالیں موجود ہیں۔

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

مدد لینی بند کریں کشکول توڑ دیں اور الفاظ کو عمل میں بدلیں آئین اور قانون توڑنے کے بجائے اپنی ہوس، حرص، لالچ کو ملکی مفاد میں چھوڑیں تو پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ امریکی سفیر کو وزارت خارجہ طلب کرنے اور صدر اور وزیر اعظم کے بے توقیر الفاظ کے ذریعہ احتجاج سے امریکہ مرعوب نہیں ہوتا۔ گزشتہ دنوں فوج کے سپہ سالار اعظم نے نیٹو کی کانوائی بند کر کے ان کی چیخ نکلوا دی تھیں۔ اب کی بار شمالی وزیرستان پر حملہ پر فوج کے سپہ

سالار اعظم نے شدید الفاظ میں احتجاج کیا ہے۔اس سے بات نہیں بن سکتی۔فوج کو حملے کا جواب بیان سے نہیں بلکہ برابر کے حملے سے ہی دینا چاہیئے اور یہی فرمان الٰہی ہے کہ ''زیادتی کے بدلے کا جواب اتنی ہی زیادتی سے دیا جائے جتنی تم سے ہوئی ہے''۔یہ بیان فوج کو عوامی دباؤ سے بچانے کے مقاصد تو پورا کر سکتا ہے لیکن فوجی تقاضے نہیں۔اس بیان میں جان ہوتی اگر اس میں یہ الفاظ بھی ہوتے کہ ''وگرنہ آئندہ ایسے ڈرون کو مار گرایا جائیگا''۔فوج کے سپہ سالار کے اا لفاظ کو سیاست دانوں کے بیانات کے مقابلے میں زیادہ معتبر اور سنجیدگی سے سنا اور سمجھا جاتا ہے۔یہ واضح قومی امنگوں کے مطابق اور فیصلہ کن ہونا چاہیئے۔

ایک مشہور سنسکرت محاورہ کا ترجمہ یوں ہے:

"For the family sacrifice the individul, for the community the family, for the country the community, and for the Soul the whole world ."

(روزنامہ نوائے وقت 07 مارچ 2011)

☆☆☆☆☆

دوراندیشی کا موازنہ

یہ غالباً 1967 اور 1969 کے زمانے کی بات ہے جب میں بارہمولا کالج میں زیر تعلیم تھا کہ میں نے Illustrated weekly یا Indian Express میں دو الگ الگ موضوعات پر مضامین پڑھے تھے جن میں سے ایک ہندوستانی (سنٹرل ریزرو پولیس) کے کشمیر میں ڈیوٹی دینے والے آفیسر اور دوسرا کسی ماہر ارضیات نے لکھا تھا۔ اولذکر میں پولیس آفیسر نے Pebbler کے عنوان سے لکھا تھا کہ کشمیر کے ان نوخیزوں پر توجہ دی جائے جو آج ہاتھ میں پتھر اور کنکریاں لئے لڑ رہے کل ان کے ہاتھ میں بندوق اور توپ ہوگی۔ دوسرے مضمون کا مرکزی خیال یہ تھا کہ ہندوستان اپنے آبی وسائل کو اسطرح مربوط کرے کہ اگر اسکو ''برصغیر'' کے علاقوں کو سنبھالنا پڑے تو کم از کم خرچ پر پورا برصغیر سیراب ہو سکے۔ پہلی بات تو آسان تھی کہ ہندوستان کشمیر میں برسرپیکار نوجوانوں کو کنٹرول کرے اور اس دوراندیشی کا نتیجہ 1990 کی دہائی میں مشاہدہ میں آیا لیکن دوسری بات اب سمجھ آ رہی ہے جب ہندوستان سینکڑوں ڈیم بنانے کے علاوہ ہندوستانی سپریم کورٹ کے حکم پر ہندوستان کے کم وبیش 40 چھوٹے بڑے دریاؤں کو آپس میں ملانے کے پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ ہماری کوتاہ اندیشی دیکھیں کہ جو دریا قدرتی طور پاکستان کو آتے تھے ان کے عوض باقی دریا انڈیا کو دے کر پاکستان کو ان دریاؤں کے پانی سے محروم کر دیا گیا اور اب پورے برصغیر کی سیرابی ہندوستان کے کنٹرول میں ہے۔ سادگی اپنی بھی دیکھ اور ان کی عیاری بھی دیکھ۔

کشمیر کے دو حصوں میں بس سروس چلنے کے بعد مجھے ایک دو سال کے بعد کشمیر جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ وہاں کے اخبار و جرائد میں کشمیری نوجوانوں کے ہندوستانی فوج، ہندوستانی سول سروسز اور ہندوستانی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں جانے کے رجحان کو فروغ پانے کے علاوہ کشمیری سرمایہ کاروں کی ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں سرمایہ کاری کی خبریں پڑھتا رہا۔ کشمیر کے انٹلیکچولز کا کشمیری میں انڈسٹری، موسمیات کے اثرات، سیلف امپلائمنٹ، ہندوستان کے ساتھ ہندوستان کے آئین کے اندر از سرِ نو جائزے کے علاوہ پاکستان کی کمزوریوں، نظریاتی کشمکش وغیرہ پر مقالے، مباحثے، کالم اور سیمناروں کے انعقاد کی خبریں دیکھنے سننے میں آئیں۔ تعمیر و ترقی جغرافیائی خدوخال کے قطع نظر، ہمارے ہاں زیادہ ہے، لیکن ذہنی بلوغت بدقسمتی سے عنقا ہے۔ آزاد کشمیر سے نکلنے والے تمام برائے نام جرائد، اخبارات وغیرہ بیان بازی اور الزام تراشی کے اعتبار سے

پاکستانی اور ہندوستانی ایٹمی دھماکوں سے زیادہ دھماکہ خیز لیکن فکر انگیز مضامین، قومی سوچ پر مبنی مباحثوں، تعمیر و ترقی کے منصوبوں کی نشاندہی، پاکستان اور دنیا میں اپنے سیاسی مستقبل کے بارے میں بحث وتمحیث نام کی کوئی چیز مشاہدے میں نہیں آتی۔ ہمارے ہاں بنیادی سیاسی ورکر اپنے لیڈروں اور پارٹیوں کی بددیانتیوں اور بدکاریوں کی صفائی دینے میں مصروف ہیں جبکہ لیڈران کرام پاکستان میں اپنی مرکزی جماعت کے لیڈران کی اس امید پر خوش آمد میں مصروف ہیں کہ ان کی مرکز میں ان کی حکومت آنے پر ادھر ان کے بھاگ کھل جائیں گے۔ اقتصادی۔ سیاسی، آئینی ارتقاء منجمد ہے۔ جو بہت بڑا قومی المیہ ہے۔ کشمیر کا نوجوان نہ صرف ہندوستان بھر میں مسابقت کے لئے کوشاں ہے بلکہ دنیا کے ساتھ بھی۔ ہمارے ہاں بدقسمتی سے سرکاری ملازمتوں میں ہی نہیں بلکہ میڈیکل کالجوں میں بھی کوٹہ کے بل بوتے پر پذیرائی ہے اور میرٹ نام کی چیز مفقود ہو گئی ہے۔

ہندوستان میں شیڈول کاسٹ اور شیڈول ٹرائب کے لئے برائے نام کوٹہ کے علاوہ سنٹرل سروسز اور ٹیکنیکل کالجز میں کوٹہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور یہی اصول کشمیر میں بھی کارفرما ہے۔ مقامی ایڈمنسٹریٹو سروس میں بھرتی ہونے والے افراد میں کشمیر ایڈمنسٹریٹو سروس، کشمیر پولیس سروس، کشمیر اکاؤنٹس اور فارسٹ سروسز وغیرہ شامل ہیں جو ایک خاص مدت ملازمت اور گریڈ کو پہنچنے کے بعد جو ہمارے ہاں گریڈ 18 کے برابر ہے، خود بخود ہندوستان کی ہم پلہ سروسز میں شامل ہو جاتے ہیں جس کے بعد اپنی اہلیت اور استعداد کے مطابق ملک میں کہیں بھی جگہ پا لیتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں باقی ملک کے ساتھ ایک ہی یونیورسٹی اور اکیڈیمی سے فارغ تحصیل مقامی سطح پر ہی زیادہ سے زیادہ سیکرٹری کی پوزیشن سے ریٹائر ہو جاتے ہیں مرکز میں ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ میں نے آزاد کشمیر میں کئی غیر معمولی ذہین اور فطین سول سرونٹس اور ٹیکوکریٹ دیکھے ہیں جو یہیں گل سڑ رہے ہیں۔ آزاد کشمیر کے لیے مخصوص سنٹرل سروس میں کوٹہ سٹیٹ سبجیکٹ کے نام پر پاکستان میں آباد مہاجرین اور جعلی مہاجرین لے لیتے ہیں جبکہ ہماری حکومت اس کا کوئی نوٹس نہیں لیتی۔ گذشتہ چار سالوں میں کشمیر کے کم وبیش بیس نوجوان Indian Administrative Servient(IAS) میں سلیکٹ ہوئے جبکہ 2005 میں شاہ فیصل نامی ایک دیہاتی کشمیری نے لاکھوں ہندوستانیوں میں سے IAS میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ مرکزی نمائندہ اداروں میں نمائندگی نہ ہونے کی وجہ سے ہماری ریاست کا مقبوضہ کشمیر کے مقابلے میں ملکی سطح پر کوئی وزن نہیں ہے۔ سیاسی شعور کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان کے ساتھ نفرت کے اظہار میں علی گیلانی صاحب کی کال پر ستر فیصد لوگ سڑک پر آجاتے ہیں لیکن اپنے مسائل اور حقوق کی خاطر الیکشن میں بھی ستر فیصد پولنگ ہوتی ہے۔ جبکہ ہمارے سیاسی آئینی اور انتظامی ارتقاء کو خودغرض سیاستدانوں نے اپنے اقتدار کی

خاطر کشمیر کے مسئلہ کا اسیر بنا دیا ہے جو اس وقت تک کبھی حل نہیں ہوگا جب تک پاکستان ہندوستان کے مقابلے میں اقتصادی سیاسی اور سفارت کاری میں طاقتور نہیں ہو جاتا، اور آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے لوگ مرکزی نمائندہ اداروں میں اپنا رول ادا نہیں کرتے۔ لداخ کو سیاحت کے لئے ہندوستان نے قابل رشک بنا دیا ہے اور دہلی سے روزانہ کئی پروازیں اڑ جاتی ہیں جبکہ ہمارے جنت نما گلگت اور سکردو میں بین الاقوامی سیاحوں کا جانا کارے دارد اور کئی کئی ہفتے فلائٹس نہیں ہوتیں۔ حالانکہ موسمی، جغرافیائی اور دفاعی اعتبار سے دونوں حصے ایک جیسے ہیں۔ خدارا اس کا ادراک کریں اور اپنی حالت کو بدلنے کی تدبیر کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے نفوس کو نہ بدل لیں یعنی اپنی سوچ فکر اور اپروچ میں تبدیلی نہ لائیں۔ ہماری حالت گذشتہ کئی دہائیوں سے منجمد ہوگئی ہے اور ارتقاء کا عمل رک گیا ہے جبکہ وہ مسلمان یقیناً قصوروار رہتا ہے۔ جس کا آنے والا کل جانے والے کل سے بہتر نہ ہو۔

(روزنامہ سیاست 30 جولائی 2012)

☆☆☆☆☆

مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ نون

مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ؟

نوائے وقت تحریک الحاق پاکستان کی داعی اور جناب مجید نظامی اس کے بے باک نقیب ہیں ان کی مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کے ساتھ وابستگی بھی کوئی راز نہیں ہے۔ نظامی صاحب جیسی عظیم ہستی بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے کہ وفاق کے ساتھ رشتہ مضبوط کرنے کے لئے مسلم لیگ کا دائرہ کار آزاد کشمیر تک بڑھنا چاہیئے۔ یہ بات ان کو مسلم کانفرنس کی لیڈر شپ کے طرز عمل کی وجہ سے کہنا پڑی اور یقیناً یہ وقت کا تقاضا ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کے مسلمانوں نے ڈوگرہ سامراج کے ظلم وستم مسلمانوں کی حق تلفیوں اور اپنے شہری حقوق کے حصول اور تحفظ کے لئے آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس کے نام سے ایک پلیٹ فارم بنایا جس کے جھنڈے تلے حقوق کے حصول کی جنگ لڑنا شروع کی۔ وادی کشمیر میں اس کے روح رواں شیخ محمد عبداللہ مرحوم اور صوبہ جموں سے چوہدری غلام عباس مرحوم تھے۔ کچھ عرصہ بعد ان ہی دونوں لیڈروں نے حقوق کے حصول کی تحریک کو وسیع البنیاد اور ہمہ گیر بنانے کے لئے مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدل دیا جس کے بعد ڈوگرہ سامراج کے خلاف تحریک کشمیریوں کی نیشنلسٹ تحریک بن گئی جس میں کشمیری پنڈت اور جموں سے چند غیر ڈوگرہ ہندو اور چند نامور سکھ لیڈر بھی شامل ہو گئے۔ شیخ محمد عبداللہ مرحوم کے انڈین نیشنل کانگرس، بالخصوص پنڈت جواہر لال نہرو کی طرف جھکاؤ اور وادی کشمیر اور جموں کے کچھ حصوں میں شیخ صاحب کے ذاتی سحر اور ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے دیگر مسلم لیڈرس بالخصوص چوہدری غلام عباس مرحوم نے اس کو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف سمجھتے ہوئے مسلم کانفرنس کی احیائے نو کی۔ اس طرح ریاست میں دونوں جماعتیں حکمران ڈوگرہ خاندان کے خلاف صف آرا ہو گئیں۔ مسلم کانفرنس خالصتاً مسلمانان کشمیر کی جبکہ نیشنل کانفرنس بلا تخصیص مذہب ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کی ترجمانی کی دعویدار۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیری لیڈروں میں سے ہندوستان بھر میں بلا شبہ زیادہ اثر رسوخ کے حامل تھے۔ ریاست میں پرجا سبھا کے ہونے والے 1934 اور 1937 کے الیکشن میں مسلم کانفرنس کے امیدواروں نے میدان مارا اس وقت مسلم کانفرنس یک جان تھی جو 1938 میں نیشنل کانفرنس میں بدل گئی مسلمانان کشمیر نے بلا تخصیص جماعت ووٹ ڈالے یہ بلا شبہ مہاراجہ کے خلاف ریفرنڈم تھا۔ میرے ادراک کے مطابق یہ جیت مسلم کانفرنس کی نہیں بلکہ مسلمانان کشمیر کی تھی جس کا کریڈٹ بجا طور پر مسلم کانفرنس لے رہی ہے کیونکہ اس کا کوئی اور دعویدار نہیں ہے اور نیشنل کانفرنس کا

ابھی وجود نہیں تھا۔ وادی کے اندر میر واعظ صاحب مرحوم نے 1934 کے الیکشن میں مسلم کانفرنس کے امیدواروں کے بالمقابل پانچ سیٹوں پر آزاد مسلم کانفرنس کے امیدوار فیلڈ کیئے تھے لیکن ان کی بری طرح سے شکست ہوئی جو اس حقیقت کی غماز ہے کہ مسلم کانفرنس کے امیدواروں کو شیخ محمد عبداللہ مرحوم کی سپورٹ حاصل تھی کیونکہ ''شیر اور بکرا'' کے نام پر وادی میں تقسیم کی وجہ سے شیخ صاحب کا وزن میر واعظ صاحب کے خلاف تھا جس وجہ سے ان کے امیدوار ہار گئے ۔ہندوستان کی آزادی، پاکستان کے قیام اور کشمیر کی غیر فطری تقسیم کے ساتھ ہی مسلم کانفرنس کے صف اول کے لیڈروں نے پاکستان ہجرت کر لی اور چوہدری غلام عباس مرحوم جو اس وقت جیل میں تھے بھی رہائی کے فوراً بعد پاکستان ہجرت کر آئے ۔سردار محمد ابراہیم خان مرحوم کو سرینگر سے منگوایا گیا جس کے بعد مقبوضہ ریاست میں مسلم کانفرنس کے نام کی کسی چیز نے 1947 کے قتل و غارت کے دوران ریاست جبر کی مزاحمت نہیں کی بالخصوص صوبہ جموں میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والا کوئی نہیں رہا مسلم کانفرنس نے عملی طور آزاد کشمیر ہجرت کر لی جس کا افسوس ناک نتیجہ لاکھوں مسلمانوں کی شہادت اور ہجرت کے طور نکلا۔ مسلم کانفرنس نے قائداعظم کے اس فرمان پر ہی قناعت کی کہ کشمیر میں مسلم کانفرنس ہی مسلم لیگ ہے ۔اس کے برعکس اسحاق قریشی مرحوم جو مسلم کانفرنس کے جانے پہچانے لیڈر تھے نے 1994 میں Herald میں ایک انٹرویو میں جو انکشاف کیئے ہیں وہ ہوش ربا ہیں جو الگ اور مستقل موضوع کا تقاضا کرتے ہیں پھر کسی وقت ان کا تذکرہ کیا جائے گا۔قائداعظم کے ریاست میں 1944 میں دوبارہ دورہ کے بعد مسلم کانفرنس مسلم لیگ کے کسی مسلمہ لیڈر کو کشمیر کا دورہ نہ کرائی اور نہ ہی مہاراجہ کشمیر کے ساتھ تعلقات بنائے جبکہ والیان ریاست کو الحاق کا حق دینے کا مطالبہ مسلم لیگ ہی کا تھا، کانگرس یہ حق اہلیان ریاست کو دینے کے حق میں تھی ۔اس کے برعکس کانگرس کے صف اول کے تمام لیڈرس نے ریاست کا دورہ اور مہاراجہ کے ساتھ روابط قائم رکھے حتی کے اگست 1947 کے پہلے ہفتے میں بھی مہاتما گاندھی نے بذات خود کشمیر کا دورہ کیا اور مہاراجہ سے روابط قائم رکھے۔

سیاست کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں سمجھتا ہوں کہ اگر ریاست میں بھی برٹش انڈیا کے دیگر علاقوں کی طرح مسلم لیگ قائم کی گئی ہوتی تو شیخ عبداللہ مرحوم کے لئے مسلم قومی دھارے سے نکلنے کے لئے کوئی گنجائش نہ رہتی اور مسلم لیگی لیڈرشپ بھی کشمیر اور اس کے مہاراجہ پر اتنی ہی توجہ دیتے جتنی ہندوستان کے باقی حصوں پر۔ مسلم لیگ کی یہ روش بدقسمتی سے اس وقت تک قائم ہے اور اس کے کچھ مرکزی لیڈروں کو اس تاثر کے تحت مس لیڈ کیا جا رہا ہے کہ مسلم کانفرنس ریاستی جماعت ہے اور ریاست کی آزادی تک قائداعظم کے فرمان کے مطابق ادھر مسلم لیگ قائم نہ کی جائے ۔جیسا کہ ررج بالا ہے مسلم کانفرنس ریاست کے مسلمانوں کے ڈوگرہ ہندو

مہاراجہ کے خلاف اپنے حقوق کے حصول اور تحفظ کے لئے بنائی گئی تھی ریاستی ہندو اس میں شامل نہیں تھے ۔اب یہ کس کے خلاف ہے؟ مقبوضہ ریاست میں نیشنل کانفرنس کے ریاستی جماعت ہونے کا مطلب سمجھ آتا ہے کیونکہ وہ ریاست کو ہندوستان کے اندر 1953 کی پوزیشن سے پہلی والی حالت میں لانا چاہتی ہے جب ریاست کو ملکی اندرونی خودمختاری حاصل تھی کیا مسلم کانفرنس آزاد کشمیر کو پاکستان سے الگ کر کے 1947 کی پوزیشن میں لے جانا چاہتی ہے ۔اگر کشمیر بنے گا پاکستان کا فلسفہ درست ہے تو اس کی ابتداء آزاد کشمیر سے کی جائے ۔کہ مقبوضہ کشمیر کی دعویدار جماعتیں مرکز میں بھی پیدا ہوں ۔جہاں مسلم کانفرنس ہونی چاہیئے تھی وہاں 1990 کی تحریک کے بعد گھڑے گئے پروفیسر عبدالغنی بٹ صاحب کے علامتی وجود کے علاوہ اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور پروفیسر صاحب کے وٹلب کے حلقہ میں بھی سید علی گیلانی میرے خیال میں تین بار پروفیسر صاحب کے بھائی مرحوم عبدالرحیم بٹ کو بھاری اکثریت سے ہرا کر ریاستی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوتے رہے،اس وقت بھی کشمیر میں سوائے علی گیلانی کے پاکستان کے حق میں مضبوط ترین اور غیر مبہم آواز اور کوئی نہیں قائداعظم کا فرمان اپنی جگہ ان حالات میں بجا لیکن اب مسلم کانفرنس درجن بھر مسلم لیگیوں میں سے کس مسلم لیگ کی قائمقام ہے؟ قائدؒ نے ایک مسلم لیگ اور ایک جمہوریہ پاکستان بنا کر چھوڑا تھا جس کے دو ملک، درجن بھر مسلم لیگیں اور تیس سال سے زیادہ عرصہ تک آمروں کی حکومت رہی ۔آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی قیادت بھی مالک بدلتی رہی ۔جن واقعات کا میں گواہ ہوں ان میں مسلم کانفرنس کی قیادت پی این اے کی تحریک اچانک چھوڑ کر بھٹو مرحوم کی گود میں آ گئی، جن کی شہادت کے بعد ضیاالحق مرحوم کی گود کی زینت بنی،ان کے بعد میاں صاحب کو اپنا برخوردار کہنے لگے اور ان کے استلاء کے دور میں جنرل مشرف اور چوہدری شجاعت کے ہاتھ پر بیت کی اور اب پیپلز پارٹی کی حلیف ہے۔ اس اچھل کود کا تعلق اقتدار کے ساتھ ہے نظریات کے ساتھ نہیں ۔

ہوس لقمہ تر کھا گئی لہجے کا جلال

اب کسی حرف کو حرمت نہیں ملنے والی

مسلم لیگ فی الحقیقت میاں نواز شریف کی قیادت والی ہی مسلم لیگ ہے ۔ ان کو اس کوتاہی کی تلافی کرنی چاہیئے اور اب اس جماعت کو کسی شخص یا اشخاص کی پسندیدگی یا ناپسندگی سے بالاتر ہو کر جماعت کا دائرہ کار آزاد کشمیر میں بڑھانا چاہیئے تاکہ پیپلز پارٹی اور دیگر قومی جماعتوں کی طرح یہ بھی آزاد کشمیر کو ملک کے قومی دھارے میں شامل کر کے کشمیر اور پاکستان کی زنجیر کی کڑیوں کو مضبوط بنائے اور ان کوتاہیوں کی تلافی کرے جو مسلم لیگ نے قیام پاکستان کے دوران کشمیری قیادت مہاراجہ کشمیر سے رابطہ استوار نہ رکھ کر ان کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا

تھا۔کشمیر کے آزاد حصے، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کوئی مسئلہ نہیں ہیں ان کی سمت واضح ہے۔مسئلہ ہندوستانی مقبوضہ کشمیر کا ہے جس کی سمت بدلتی جا رہی ہے۔اس کو سمت دینے میں میاں صاحب کشمیری نژاد ہونے کے واسطے اپنا کردار ادا کریں اور کشمیر کے بارے میں اپنی پوزیشن واضح کر دیں کہ ان کی جماعت کشمیر کو وہی مقام دینا چاہتی ہے جو ملک کے باقی حصوں کے لئے ہے۔آخر ایسا ہو بھی کیوں نہ جب ملک کی تمام سیاسی جماعتیں اور تمام ریاستی ادارے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں اسی طرح اوپریٹ کر رہے ہیں جس طرح ملک کے باقی صوبوں اور حصوں میں۔

میں اس غلط العام بات سے اتفاق نہیں کرتا کہ میاں صاحب کو ایجنسیاں ایسا نہیں کرنے دیتیں اس کی وجہ یہ ہے کہ میاں صاحب کا سیاسی رجحان ان سے ماوراء ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب فوجی ''کو'' ہوتا ہے تو یہی ایجنسیاں مسلم لیگ کے نام کے سائے تلے اپنے قیام کا اخلاقی جواز تلاش کرتی ہیں۔یہ پاکستان کی خالق جماعت ہے پاکستانی فوج کا وجود اس کا مرہون منت ہے اور پھر مرکزی ادارہ جو خود ادھر اوپریٹ کرتا ہے وہ مرکزی جماعت کی کیوں مخالفت کرے گا جہاں ملک بھر کے لئے مرکزی نوعیت کے فیصلے مرکزی سطح پر ہی ہوتے ہیں۔میرے خیال میں آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان حکومت پاکستان کا حلقہ نہایت نہ ہونے کی وجہ سے مرکزی حکومت یا مرکزی لیول کی پارٹیاں ان علاقوں میں دست تعاون رعایت یا خیرات کے طور بڑھاتی ہیں ذمہ داری یا مجبوری کی وجہ سے نہیں جیسا کہ باقی صوبوں یا فاٹا کے لئے کیا جاتا ہے جو مرکزی حکومت بنانے اور ہٹانے کا اختیار رکھتے ہیں جس وجہ سے ان کے ناز و نخرے برداشت کیئے جاتے ہیں جبکہ یہاں کی پارٹیاں یا لوگ ان کے ناز و نخرے برداشت کرتے ہیں کیونکہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ کے اوپر ہوتا ہے۔مرکزی حکومت اور پارٹیوں کو یہ روش بدلنی چاہیئے۔ریاست کے یہ دونوں حصے پاکستان کی شہ رگ کا حصہ ہیں اور ان میں رہنے والے لوگ اس شہ رگ میں دوڑنے والا خون ہیں۔

(روزنامہ نوائے وقت 11 دسمبر 2010)

☆☆☆☆☆

آزاد کشمیر میں مسلم لیگ (نون) کا قیام اور اسٹیبلشمنٹ

۱۔ مسلم لیگ کی 104 سالہ تاریخ میں پہلی بار کشمیر میں مسلم لیگ کو عملی طور قائم کرنے کی شعوری ابتداء کی گئی ہے۔ 1944 میں قائد اعظمؒ کے کسی فرمان کے مطابق مسلم کانفرنس ہی کشمیر میں مسلم لیگ کی فرنچائز کی دعویدار تھی۔ مسلم لیگ نون کے قائد میاں محمد نواز شریف نے 26/دسمبر 2010 کو آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد میں کم وبیش پچاس ہزار لوگوں کے مجمع میں ان شکوک وشبہات اور افواہ بازیوں کا لیگ کے باضابطہ قیام کا بذات خود اعلان کر کے ختم کر دیا کہ اسٹیبلشمنٹ یا دیگر طاقتیں ایسا نہیں کرنے دیتیں۔ قائد کے جانشین کو کسی کی دل آزاری کیئے بغیر ڈکٹیٹروں کے کارندوں کے ہاتھوں پارٹی ٹکٹ لینے، ملٹری ڈیموکریسی اور ڈکٹیٹروں اور غاصبوں کی پالیسی کو ترویج دینے کی وجہ سے براہ راست لیگ بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بالفاظ دیگر ان کو اس بات کا ادراک ہوا ہے کہ باقی پاکستان کی طرح کشمیر کے لوگ بھی ڈکٹیٹروں کے جانشینوں کی غلامی سے نجات حاصل کریں یہ کشمیر کے دونوں حصوں کے لئے ایک واشگاف پیغام ہے جو نہ صرف خوش آئند بلکہ مستقبل کی راہ متعین کرنے کی طرف اہم ترین قدم ہے۔ یہ فیصلہ ایک کشمیری نژاد مسلم لیگی قائد نے کیا ہے جو یہاں کے لوگوں کے ساتھ ذاتی اور خاندانی مراسم بھی رکھتے ہیں جس وجہ سے وہ تمام کشمیری لیڈروں کے ظاہر وباطن سے واقف ہیں۔ کشمیر سے ان کی قلبی لگاؤ کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے کشمیر کی ثقافتی علامت ''کانگڑی'' جو موسم سرما کے دوران کشمیریوں کا چلتا پھرتا ہیٹر ہے پر دو منٹ بات کی اور اس کے تعلق کو اپنے بچپن اور والدہ ماجدہ سے جوڑا۔ کشمیریوں کے حق خودارادیت کا اعادہ کرنے کے علاوہ 1999 میں اٹل بہاری واجپائی کے ساتھ لاہور ڈیکلریشن کے ذریعہ کشمیر کے مسئلہ کے حل ہونے کا تذکرہ اور ان کی جانب سے پاکستان کے وجود کو ماننے کی بات بھی کی۔ جو پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد ہندوستان ماننے پر مجبور کیا گیا۔

۲۔ مسلم لیگ کے آزاد کشمیر میں قیام پر صرف سردار محمد عبدالقیوم خان صاحب کی فیملی اور ان سے واسطہ چند لوگ سیخ پا ہیں۔ اگر میاں صاحب کے علاوہ کسی نے ایسا کیا ہوتا تو سردار صاحب حسب عادت اس پر پاکستان دشمنی، قائد دشمنی، تحریک دشمنی اور نہ جانے کیا کیا الزام لگا کر دفاعی پوزیشن میں دھکیل دیتے جیسا کہ پیپلز پارٹی کے قیام پر بھٹو صاحب پر کس کس طرح کی الزام تراشی نہیں کی گئی وہ ایک تاریخ ہے۔ ملٹری ڈیموکریسی جیسی احمقانہ اصطلاح فوج کو آئینی حکومت گرانے پر اکسانے کی ترکیب ہے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کو غیر

ریاستی جماعتیں کہہ کر علیحدگی پسندوں کے جذبات کو ابھارنے ،مملکت پاکستان کے ساتھ لوگوں کے رشتوں کو کمزور کرنے ،قومی دھارے سے الگ رکھنے اور ریاست کے لوگوں کو ان حقوق سے محروم رکھنے کے مترادف ہے جو باقی صوبوں کو حاصل ہیں مثلاً ،پارلیمنٹ ،نیشنل اکانومک کونسل ،فنانس کمیشن میں نمائندگی ،ہائیڈرل جنریشن کے معاملے اور پانی کے حقوق میں حصے داری وغیرہ ۔ان حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کو علاحدگی پسند اور وطن دشمنی کی صفوں میں کھڑا کرنا سمجھ سے بالاتر ہے جبکہ پاکستان کے تمام قومی ادارے آزاد کشمیر میں اسی طرح Operate کرتے ہیں جس طرح باقی صوبوں میں تو ریاست کے اس حصے کو وہ حقوق کیوں حاصل نہ ہوں جو باقی صوبوں کو حاصل ہیں؟اس کی مخالفت کر کے پاکستان سے بدگمانی پیدا کرائی جا رہی ہے ۔جن لوگوں کو علاحدگی یا قوم پرست کہہ کر دیوار سے لگایا جا رہا ہے وہ ان ہی حقوق کی محرومی سے نالاں ہیں اور ان کو دانستہ اسی حالت میں رکھ کر مرکز کو اپنی اہمیت اور ناگزیریت کا جھانسہ دیا جا رہا ہے حالانکہ خودمختار کشمیر کے حامی لوگ نہ صرف پاکستان مخالف نہیں ہیں بلکہ واضح طور ہندوستان مخالف ہیں ۔مسلم لیگ اور اس کے قائد میاں محمد نواز شریف نے یہاں مسلم لیگ قائم کر کے اور اس کے لئے راجہ فاروق حیدر جیسے نڈر بے باک اور بے داغ ماضی کے حامل شخص کا انتخاب کر کے انتہائی سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا ۔سیاسی قیادت ایسا ہی فیصلہ کرتی ہے اور کڑی قومی آزمائشوں میں قوم کی رہنمائی اور عزت بحال کرتی ہے ۔

۳ ۔ میاں محمد نواز شریف کو اسٹیبلشمنٹ کے خلاف سمجھا جاتا ہے، ویسی بات نہیں ۔اسٹیبلشمنٹ ہمارے قومی اداروں کے مجموعے کا نام ہے جو ملک کی ریڑھ کی ہڈی، میں ان کے خلاف بھلا کوئی کیوں ہو ۔میاں صاحب اداروں کے اپنے حدود کے تجاوز کے خلاف ہیں ۔جس کا کام اسی کو ساجھے کے اصول کے پرچارک ہیں ۔ جب ادارے اپنے حدود سے تجاوز کرتے ہیں تو 1971 کی بنگلہ دیش اور 1999 کی کرگل والی ندامت اٹھانی پڑتی ہے جن کو بالآخر سیاسی قیادت نے اپنی بصیرت سے corerup کیا ہے ۔جبکہ خمیازہ پوری قوم اور اسی اسٹیبلشمنٹ کو بھگتنا پڑتا ہے ۔

میاں صاحب کو وہ ہمت اور جرات حاصل ہے جو ڈسپلن کی خلاف ورزی پر بڑے سے بڑے جرنیل کو گھر بھیج سکتے ہیں اور ان جرنیلوں کی بھی یہ عظمت ہے جنہوں نے آئینی بالادستی تسلیم کی ''مشرف'' کی طرح بغاوت نہیں کی حالانکہ ان جرنیلوں کے جرم کا لیول وہ نہیں تھا جو مشرف کا تھا ۔دینا کے دباو کے باوجود ایٹمی دھماکے کئے ۔کیری لوگر بل پر امریکہ کی بھرپور مخالفت کی ۔ میثاق جمہوریت کی پاسداری کرتے ہوئے قوم کی خاطر مخالفین کو سدھرنے کا موقعہ دے رہے ہیں ۔عدلیہ کی بحالی کے لئے جان کی بازی لگا لی ۔اس دیدہ دلیری کو

دیکھتے ہوئے مجھے اطمینان ہے کہ پاکستان اور کشمیریوں کے مفاد میں کشمیر کے مسئلے کا حتمی حل صرف میاں صاحب ہی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جس کی بنیاد 1999 کا مشترکہ اعلامیہ ہے۔ پیپلز پارٹی کے بعد اب مسلم لیگ کے ذریعے کشمیر کے لوگوں کے باقی ملک کے لوگوں کے ساتھ براہ راست رابطہ قائم ہونے سے تکمیل پاکستان کی راہ ہموار ہو گئی اور کشمیر بنے گا پاکستان کے پرفریب نعرے کو عملی صورت میں بدلنے کی امید پیدا ہوئی ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت 22 جنوری 2011)

☆☆☆☆☆

تبدیلی ناگزیر ہے

جناب میاں محمد نواز شریف صدر پاکستان مسلم لیگ (ن) میرپور آزاد کشمیر میں 5 اپریل 2012 کو آزاد کشمیر میں اپنی جماعت کے قیام کے پہلے تاسیسی جلسہ کے موقع پر جلسہ عام میں آندھی اور طوفان کی وجہ سے اپنا خطاب مکمل نہیں کر سکے۔ لیکن مقامی قیادت نے اپنی مرکزی قیادت اور حکومت پاکستان تک اپنے دل کی بات بھرپور طریقے سے پہنچائی۔ اسی اجلاس میں آزاد کشمیر میں مسلم لیگ کے مرکزی عہدے داروں کے انتخاب بھی عمل میں لائے گئے۔ الیکشن اتھارٹی کے چیرمین کی حیثیت سے میں نے مرکزی قیادت کو اس حقیقت پر مبارک دی کہ مسلم لیگ نے آزاد کشمیر میں قیام کے محض چھ ماہ (6) کے اندر اسمبلی کے انتخابات میں 12 نشستیں حاصل کر کے دوسری بڑی پارلیمانی پارٹی کا اعزاز حاصل کیا اگر مفاہمتی پالیسی اور ملٹری ڈیموکریسی کا الیکشن میں گٹھ جوڑ نہ ہوا ہوتا اور جماعت نے پانچ حلقوں میں ٹکٹ زمینی حقائق کے مطابق تقسیم کیے ہوتے تو مسلم لیگ نے 18 نشستیں حاصل کرنی تھیں جس کا اعزاز پیپلز پارٹی نے حاصل کیا اتنی نشستیں حاصل کرنے میں مسلم لیگ یا پیپلز پارٹی کا کمال نہیں بلکہ آزاد کشمیر کے لوگ جذباتی طور پاکستان کے حق میں ہیں جس کی نمائندگی دونوں مرکزی پاپولر جماعتیں کرتی ہیں جس وجہ سے لوگوں نے ریاستی اور قدیمی پارٹی کہلانے والی مسلم کانفرس کو محض چار سیٹوں تک محدود کر دیا۔ مسلم کانفرس قبل ازیں بھی مسلم لیگ کے نام یا مرکزی حکومت سے سازباز کر کے ہی الیکشن جیتی رہی ہے اپنے زور بازو پر پہلی بار میدان میں آئی وہ بھی پیپلز پارٹی کے آکسیجن پر۔ اور اپنی حیثیت کا اندازہ کر لیا۔

سردار عبدالقیوم خان اور عتیق احمد خان کو اس حیثیت کا ادراک ہو چکا ہے جس کا اعتراف کرتے ہوئے سردار عبدالقیوم خان نے کہا کہ "مسلم لیگ کے ساتھ ادغام یا اتحاد ہو سکتا ہے" جبکہ عتیق احمد خان نے کہا کہ "منظم سازش کے تحت ریاستی جماعتوں اور آل پارٹیز حریت کانفرس کو کمزور کیا جا رہا ہے" حریت کانفرس کا تڑکا اس نے حسب معمول کشمیر کے مسئلہ کو ایکسپلائیٹ کرنے کے لئے لگایا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اپنی بقاء کے لئے پارٹی کو مسلم لیگ نون میں ضم یا اس کے ساتھ اتحاد کرنے کی کوشش میں ہیں۔ میں نے میاں صاحب کو یہ بھی باور کرایا کہ مرکزی جماعتیں آزاد کشمیر کی اسمبلی میں بھی آ گئی ہیں اور وزیراعظم پاکستان اور پارلیمنٹ کے نصف درجن ممبران لوگ آزاد کشمیر کونسل میں بھی آ گئے ہیں جبکہ آزاد کشمیر مرکز تک نہیں پہنچ سکا جس کو

پہنچانے کی ذمہ داری آپ کی ہے تا کہ قومی دھارے میں شامل ہونے کے تقاضے پورے ہوسکیں ۔ورنہ یکطرفہ کاروائی نہیں چل سکتی۔

اگر پاکستان کی سیاسی جماعتوں کے آزاد کشمیر میں برسراقتدار آنے سے مسئلہ کشمیر متاثر نہیں ہوتا تو ہمارے پارلیمنٹ آف پاکستان میں جانے سے بھی متاثر نہیں، بلکہ موقف مضبوط ہونے کے علاوہ سیمت کا تعین بھی ہوجائیگا۔اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے سردار سکندر حیات خان صاحب نے بھی اس بات کا مطالبہ کیا کہ'' آزاد کشمیر کے لوگوں کے حقوق کے متعلق سوچا جائے اس کو قومی دھارے سے الگ نہ رکھا جایئے تا کہ یہ محسوس نہ ہو کہ اس کا کوئی والی وارث نہیں ہے یا ہم اپنے مقبوضہ کشمیر کے بھائیوں کو یہ کہنے پر مجبور نہ ہو جائیں کہ آپ وہاں ہی بہتر ہیں''۔

راجہ محمد فاروق حیدر خان صدر مسلم لیگ آزاد کشمیر نے بھی بہت سارے شہری حقوق کی محرومی کا تذکرہ کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ باقی صوبوں کو اٹھارویں آئینی ترمیم کے بعد جو حقوق ملے ہیں وہ آزاد کشمیر کو بھی ملنے چاہیں جبکہ مسلم لیگ (ن) آزاد کشمیر کے انتخابی منشور میں یہ واضع طور درج ہے کہ پاکستان مسلم لیگ (ن) آزاد کشمیر مرکزی آئینی اداروں فنانس کمیشن، نیشنل اکانومک کونسل، کونسل آف کامن انٹرسٹ اور پن بجلی پر حاصل ہونے والے منافع کا ممبر بنانے کی کوشش کرے گی ۔ہماری نسل کے لوگوں نے معروضی حالات اور آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے لوگوں کے باقی ہم وطنوں کے مقابلے میں حقوق سے محروم ہونے کا ادراک کرتے ہوئے مطالبہ شروع کر دیا ہے، جبکہ ہماری دوسری نسل اس کے لئے مظاہرے اور تیسری نسل مزاحمت کریگی اس لئے ملک کی تمام سیاسی جماعتوں اور مرکزی حکومت کو اس پر توجہ دے کر عبوری طور پر ان دونوں علاقوں کو وہ حقوق دے دینے چاہیں جو ملک کے باقی یونٹس کو مل رہے ہیں ۔ایسا نہ ہوا کہ پانی بہت بہہ جائے۔

ہمارے ملک کے پالیسی میکرس کا یہ المیہ ہے کسی بھی جائز مطالبہ کے شروع ہونے پر اس کو سازش سے منسوب کرتے ہیں اور جب یہ بات مزاحمت پر اُتر آتی ہے تو اُس کو دبانے اور طاقت کے استعمال سے ختم کرنے پر اُتر آتے ہیں جو ممکن نہیں ہے ۔جبکہ ان کی بنائی ہوئی پالیسوں اوپریشن جبرالٹر، اوپریشن ڈھاکہ، اوپریشن کرگل، اوپریشن کشمیر کے نتائج سب نے دیکھے لئے ہیں جس سے قوم کو وہ ہزیمت اٹھانی پڑی کہ اس کو یاد کر کے روح کانپ اُٹھتی ہے ۔یہی لوگ ناکامی کے بعد ان اقدامات کی مزمت کرتے ہیں ۔کاش یہ لوگ برقوت آواز خلق کا ادراک کر کے مسئلہ حل کرتے تو ملک ناقابل تسخیر بن گیا ہوتا ۔

دنیا کے حالات بدل گئے ہیں سات سمندر پار رہنے والے ہمارے ہمسایہ بلکہ ہم پر مسلط ہو گئے

ہیں ۔اب اس تناظر میں نئی حکمت عملی اختیار کرنے کی ضرورت ہے ۔آزاد کشمیر میں صدر کا انتخاب جب مسلم کانفرنس کے الیکٹورل کالج سے نکال کر بنیادی جمہوریت کے ممبران کو دیا گیا اور جب یہی انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر استوار کرنے کے بعد بالآخر پارلیمانی نظام میں بدل دیا گیا اس وقت بھی Status qua کی حامل طاقتوں نے اس کو سازش اور کشمیر کاز سے غداری قرار دیا تھا لیکن ان ارتقائی مراحل نے ثابت کیا یہ درست سمت میں راست اقدامات تھے ۔اب ایک قدم اور آگے بڑھنے کی ضرورت ہے تا کہ قومی دھارے میں شامل ہو کر اپنے آپ کو منوائیں جس سے ہمارے قومی موقف میں طاقت پیدا ہو گی ۔آزاد کشمیر کے اُفق پر نئی اُبھرنے والی جماعت کو نیا رول لے کر آگے آنا پڑے گا ۔گھسی پٹی باتیں سننے کو لوگ تیار نہیں ہیں ۔''ہر نئی چیز لذیز ہوتی ہے''۔جمود توڑنا مشکل تو ضرور ہے لیکن ناگزیر ہے ۔اسی لئے کہا گیا ہے ۔

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

(روزنامہ سیاست 13اپریل2012)

☆☆☆☆☆

قانون اور انصاف

انصاف

روزمرہ کے معاملات میں انصاف کا لفظ بے ساختہ استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہ لفظ عدل۔ داد رسی۔ حق رسی۔ میزان وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے اصطلاحی معنی قانون اور اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر متصادم مفادات کا غیر جانبدارانہ اور تعصب سے پاک فیصلہ ہیں۔ غلط العام میں انصاف کا حصول عدالتوں سے منسوب ہے یعنی یہ کام صرف عدالتیں کرتی ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ عدالتیں تو صرف ان متنازعہ معاملات کا فیصلہ کرتی ہیں جو ان کے پاس ایک خاص طریقہ کار کے مطابق پیش کیئے جاتے ہیں۔ عدالتیں از خود فریق نہیں ہوتیں بلکہ فریقین کی درخواست پر ان کے درمیان نزاعی معاملات کا رائج الوقت قانونی کی روشنی میں فیصلہ کرتی ہیں۔

انصاف کرنا ہر ذی شعور شہری کی ذمہ داری ہے خواہ وہ کسی سرکاری عہدے پر فائز ہے یا نہیں۔ ہر شخص معاملات میں دوسرے شخص، اشخاص یا ریاستی اداروں کے لئے انصاف کرنے کا پابند ہے۔ مثلاً میاں بیوی کے معاملات، والدین اولاد کے معاملات۔ محلے شہر کے معاملات۔ لین دین کے معاملات کو معروف اخلاقی اصولوں کے مطابق انجام دینا انصاف ہے۔ معاملہ کی انجام دہی میں کسی طور غیر متوازی ہونا ناانصافی ہے۔ ہر انسان کی ذاتی اور معاشرتی زندگی میں اس کے فرائض کی انجام دہی، دوسرے کے حقوق کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے فرائض کی انجام دہی سے ہی حقیر سی ہو سکتی ہے بہ الفاظ دیگر انصاف ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ذمہ داری یا فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی برتے تو اس سے دوسرے کی حق تلفی اور ناانصافی ہوتی ہے۔

ریاستی معاملات میں انصاف کرنے کی بنیادی ذمہ داری ریاست کی ہوتی ہے جس کی نمائندگی حکومت کرتی ہے اور حکومت یہ نمائندگی فی زمانہ مختلف محکموں کے ذریعہ اس قانون کے مطابق کرنے کی پابند ہے جو قانون سازادارے نے بنایا ہوتا ہے۔ قانون بنوانا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس پر عملدرآمد یقینی بنایا بھی حکومتی اہلکاروں کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کا چھوٹے سے چھوٹا اہلکار بھی حکومت ہوتا ہے کیونکہ وہ حکومت کی جانب سے وہ فرائض انجام دے رہا ہوتا ہے جو قانون نے اس کو تفویض کئے ہوئے ہیں مثلاً ٹریفک کو کنٹرول کرنے والا عام سپاہی، لوگوں کی زمینوں کا ریکارڈ مرتب کرنے والا پٹواری، سرکاری املاک کی حفاظت کرنے والا چوکیدار وغیرہ۔ ان کی ایک غلطی کی وجہ سے مرد سے لے کر معاشرے تک جو اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اس کی انتہا کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ان کے ہاتھوں غلطی سرزد ہونے کی صورت میں اس کے تدارک یا ازالہ کے لئے

عدالتوں میں چارہ جوئی کی جاتی ہے جو بھی اس قانون کے تحت فیصلہ کرتی ہیں جس کے تحت حکومتی اہلکار یہ کام کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔عدالتیں اپنے احکامات کے ذریعہ ان غلط انتظامی فیصلوں کو درست کرنے کی ہدایت کرتی ہیں اوراس کی تکمیل پھر بھی انتظامیہ ہی کرتی ہے۔اگر انتظامی سطح پر غلط فیصلے نہ ہوں تو عدالتوں میں جانے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی اور عدالتیں Irrelevent ہو جائینگی۔

ناانصافیوں۔ظلم اور زیادتی کی ابتداء اور انتہاء غلط انتظامی فیصلوں سے ہوتی ہے کیونکہ قانون کے مطابق عمل کرنا یا کرانا حکومت اوراس کے اہلکاروں کی ہی زمہ داری ہے۔حکومت ریاستی انتظام وانصرام چلانے کے لئے کارندے مقرر کرتی ہے جو انتظامی اور عدالتی عہدوں پر تعینات کیئے جاتے ہیں۔سب سے بڑی ناانصافی کی بنیاد اس وقت رکھی جاتی ہے جب کسی نااہل یا نابلد شخص کو کسی بھی وجہ کی بناء پر ایسے عہدے پر تعینات یا فائض کیا جاتا ہے جو اہلیت۔قابلیت۔دیانت یا امانت کے لحاظ سے اس کے قابل نہیں ہوتا۔ناانصافی کی بنیاد اس وقت پڑ جاتی ہے اور یہ نالائق شخص اپنی مربی اور محسن کے مفادات کو تحفظ دینے یا اپنے مفادات اور منصب کو بچانے کے لئے ہر وہ کام کرنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے جو قانوناً اور اخلاقاً جائز یا مناسب نہیں ہوتا۔اس طرح ناانصافیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔معاشرے میں 99% ناانصافیاں غلط انتظامی فیصلوں کی وجہ سے ہوتی ہیں ایک فیصد اجتہادی یا نفسیاتی غلطیوں کی وجہ سے۔

معاشرے میں انصاف کی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے عام لوگوں میں تعلیم،شعور اور آگہی کا ہونا ضروری ہے تاکہ انتظامیہ کے غلط فیصلوں کے خلاف متحرک ہو کر مزاحم ہو جائیں۔انتظامیہ کو قانون پر انصاف کے مطابق فیصلے کرنے اوراس کا پابند بنانے کے لئے مضبوط اعصاب کے اہل اور دیانت دار ججوں کی ضرورت ہے جو ہر قانونی غلطی کی گرفت اور ناانصافی کا ازلہ کرنے کی صلاحیت اور ہمت رکھتے ہوں۔ایسے ججوں کی عوامی سطح پر بھرپور اخلاقی مدد کی ضرورت ہے تاکہ وہ انتظامیہ کی چیرہ دستیوں اور زیادتیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ہمارے ملک میں عدلیہ آزاد ہے کیونکہ قانون کے مطابق عمل کرنے سے انہیں کوئی قانون نہیں روکتا لیکن جو جج کسی بھی وجہ کی بناء پر قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ غلام ہے۔ایسے حالات میں ججوں اوران کے طرز عمل پر نگاہ رکھنی اور غلط کاروں کو expose کرنا ہر ذی شعور شہری بالخصوص وکلاء کی ذمہ داری ہے۔پیشہ ور وکلاء کو ان وکیلوں اور ججوں کو بے نقاب کرنا چاہیئے جو سازباز کر کے باہمی مفادات کی خاطر ناانصافیاں کرتے ہیں۔

انتظامیہ اور عدلیہ میں زیادہ تر ناانصافیاں غیر متعلقہ اداروں کی مداخلت کی وجہ سے ہوتی ہیں۔کمزور اعصاب کے وہ انتظامی افسر یا جج جن کی تقرری یا تعیناتی ان اداروں کی مداخلت یا معاونت کی وجہ سے

ہوتی ہے سب سے زیادہ ناانصافیاں کرتے ہیں۔آزاد کشمیر میں ملک کے باقی صوبوں کے مقابلہ میں،اس کے قومی دھارے میں شامل نہ ہونے اور باز پرس نہ ہونے کی وجہ سے یہ مداخلت زیادہ ہے۔آزاد پریس۔پیشہ ور وکلاء اور باشعور سول سوسائٹی کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان معاملات پر نظر رکھیں۔ان کو بے نقاب کریں اور ان کے خلاف مزاحمت اور احتجاج کریں۔ظلم سہنے اور اس کی پردہ پوشی کرنے والا ظلم اور ناانصافی کا ذمہ دار ہے۔اسی وجہ سے اللہ پاک کا حکم ہے کہ ''نہ ظلم کرو اور نہ ظلم برداشت کرو''۔ریاستی بقاء کے لئے یہ فرض عین ہے اور یہی انصاف کا مفہوم ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت 29 اپریل 2011)

☆☆☆☆☆

ججز کیس میں سپریم کورٹ آزاد کشمیر کا فیصلہ

16 مئی 2012 کو سپریم کورٹ آزاد کشمیر نے ججوں کی ان متنازعہ تقرریوں کے کیس کا فیصلہ سنا دیا جن کو آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب غلام مصطفیٰ مغل نے 2010 میں اس بناء پر کالعدم قرار دیا تھا کہ ان کی تقرری آئین میں درج طریقہ کار کے مطابق نہیں ہوئی ۔آئین کے تحت چیف جسٹس صاحبان کی مشاورت سے کشمیر کونسل کے چیئر میں کی ایڈوائس پر صدر آزاد کشمیر تقرری کرتے ہیں ۔سپریم کورٹ آزاد کشمیر نے دونوں برطرف شدہ جج صاحبان کی اپیلیں خارج کرتے ہوئے ہائی کورٹ کا فیصلہ بحال رکھا ،حکومت اور کشمیر کونسل کو آئندہ ججوں کی تقریوں کے بارے میں ہدایات بھی جاری کیں ۔یہ خوش آئند قدم ہے اور سپریم کورٹ کا فیصلہ آئین اور قانون کے مطابق ہونے کے علاوہ جن مشکوک حالت میں یہ تقرریاں کی گئی تھیں ان کا ادراک کرتے ہوئے صحیح اور مناسب فیصلہ کیا جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں ۔

یوں بھی جب سے آزاد کشمیر میں آئینی بحران ختم ہوا اور 2011 میں سپریم کورٹ آزاد کشمیر میں چیف جسٹس جناب چوہدری محمد اعظم نے چارج لیا عدالتی کارروائیوں میں استحکام پیدا ہوا ہے ۔وکلاء اور لوگوں مطمئن ہیں کہ عدالت بروقت لگتی ہے ۔فیصلے بروقت اور میرٹ پر ہوتے ہیں ۔دلالی کا بازار بند ہوگیا ہے اور اعلیٰ عدلیہ میں ہم آہنگی پیدا ہوگئی ہے جو اداروں کے استحکام کے لیے ضروری ہے ۔اسطرح ہائی کورٹ کے ججز کے بارے میں بھی پیشہ ور وکلاء کی یہی رائے ہے ۔جہاں ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب غلام مصطفیٰ مغل پر قاتلانہ حملے اور اس میں شدید زخمی ہونے کے باوجود وہ خود اپنی ٹیم کے سمیت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس کے لئے وہ مبارک باد کے مستحق ہیں ۔ان پر حملہ کرنے والوں کی آج تک عدم گرفتاری اور کیس کی تفتیش میں پیش رفت نہ ہونا پولیس کی نالائقی کا منہ بولتا ثبوت ہے جو دراصل حکومت کی نالائقی اور عدم دلچسپی ہے ۔2004 کے بعد پہلی بار آزاد کشمیر عدلیہ کا رابطہ ملک کی عدلیہ سے بحال ہوا ہے جو خوش آئند ہے ۔ججوں کا اس کے علاوہ کسی حیثیت میں سوائے وکلاء کے کسی سے رابطہ نہیں ہونا چاہیے، نہ سیاست دانوں سے قربت کی کوشش کرنی چاہیے ۔یہ ان کے کوڈ آف کنڈکٹ کے خلاف ہے ۔

2006 سے 2010 تک کی عدلیہ کی کارکردگی کا اور اس میں تقرریوں کا میں ذاتی گواہ ہوں ۔اس وقت کے چیف الیکشن کمشنر کو خفیہ ایجنسیوں، وزیر اعظم سردار عتیق احمد خان اور راجہ ذوالقرنین صدر ریاست

نے 2006 کے الیکشن میں دھاندلی کے صلہ میں سات سال جونیئر ہونے کے باوجود سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنایا جس نے اپنے حکمران ٹولے کی اور خفیہ ایجنسوں کے ایجنڈے کو فروغ اور تحفظ دینے کے لئے مانیٹرنگ سیل کے نام سے ایک متوازی جوڈیشل عمل شروع کر دیا تھا جس میں چند وکلاء (جواب مکمل طور پر غائب ہیں) چند صحافیوں اور حکومتی پارٹی اور اپنے من پسند لوگوں کو نوازنے اور مخالفین کو دبانے کے لئے ہر کوئی حربہ استعمال کیا ۔ہائی کورٹ میں متنازعہ تقرریاں بھی اس کا حصہ تھیں تا کہ عدلیہ پر حکومتی ٹولے کی گرفت مضبوط کی جائے اور یہ منصوبہ 2024 تک کو سامنے رکھ کر بنایا گیا تھا۔ان تقرریوں کے بارے میں جو ریکارڈ بحیثیت چیف جسٹس سپریم کورٹ میری نظروں سے گزرا اس کے مطابق ان دونوں برطرف شدہ جج صاحبان کی تقرریوں کی سفارش اس وقت کے چیف جسٹس نے پہلے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور پھر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے کی تھی جبکہ کشمیر کونسل جو تقرریوں کی سمری تیار کرتی ہے اور اس پر منظوری لیتی ہے ، کے پاس ، ان کی تقرریوں کی منظوری کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا ۔ایک کاغذ کا ورقہ تھا جو کسی حوالدار کلرک کا ٹائپ شدہ لگتا تھا جس پر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے دو ججوں کی تقرری کی ایڈوائس پر اس وقت کے وزیر اعظم شوکت عزیز جو جنرل مشرف کی حکومت میں صوبیدار میجر سے زیادہ حیثیت کے حامل نہیں تھے ، کے دستخط تھے ۔اس کے علاوہ ان کی تقرریوں کا کوئی ثبوت نہیں تھا جس کا مطلب ہے کہ یہ سارا عمل جعل سازی اور فراڈ کا نتیجہ تھا ۔مجھے اس وقت کے صدر ریاست راجہ ذوالقرنین نے خود کہا کہ ان کے پاس تو اور لوگوں کی ایڈوائس آئی تھی جو M.I کے کسی اہلکار نے واپس لی اور از سر نو دوسرے روزان لوگوں کی ایڈوائس آئی ۔ان ججوں کی تقرریوں کے خلاف رٹ بھی دائر کی گئی تھی جس کو سپریم کورٹ میں منگوا کر تین سال تک اس پر کوئی کارروائی نہیں کی تا کہ ان ججوں کو بلیک میل کیا جائے ۔ جب سپریم کورٹ میں مجھے چیف جسٹس بننے کا موقع ملا تو میں نے یہ کیس واپس ہائی کورٹ میں فیصلہ کے لئے بھیجا اور جسٹس مغل نے جن Tense حالات میں اس کا فیصلہ کیا وہ انہی کا کمال ہے ۔ جب کہ ایجنسیوں کی حکومت اپنے بھرپور عروج پر تھی ۔

بہر حال یہ فیصلہ خوش آئند ہے جس سے آئینی صورتحال بحال ہوئی اور آئندہ مہم جوئی کے راستے بند ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے ۔آزاد کشمیر میں اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کی تقرری کلیتاً وزیر اعظم پاکستان کی ایڈوائس پر منحصر ہے جس میں ہر طرح کی Manupolation ہوتی ہے ۔وہ وقت گیا جب بھلے مانس پرائم منسٹر ہوا کرتے تھے جو خدا خوفی اور قومی فریضہ سمجھ کر یہ ذمہ داری ادا کرتے تھے ۔اب یوسف رضا گیلانی اور منظور وٹو جیسے پرائم منسٹر اور منسٹر انچارج ہیں ، جو کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسی پر یقین رکھتے ہیں ، آئینی ، قاعدے قانون پر نہیں ۔

ان حالات میں باقی ملک کی طرح آزاد کشمیر میں بھی اعلیٰ عدالتوں میں تقرریاں جوڈیشل کمیشن تشکیل دینے کے بعد ہونی چاہیں اور کوئی بھی نئی تقرری کرنے سے قبل آئین کی ترمیم کی جائے جوڈیشل کمیشن میں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحبان اور ایک ایک سینئر جج کے علاوہ ان کے تجویز کردہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ سے ریٹائر شدہ ایک ایک جج جس کے علاوہ وزیر قانون آزاد کشمیر، قائد حزب اختلاف ہنسٹر کشمیر افیرس اور بار کونسل کے وائس چیئرمین ہوں جس کی منظوری سے صدر اس کے مطابق تقرری کے احکامات جاری کرے۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو اقتدار پر فائز سیاست دانوں نے اپنے اپنے پٹھے تیار رکھے ہیں جس صورت میں چیف جسٹس صاحبان سخت امتحان سے دوچار ہونگے۔ بار ایسوسی ایشن کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس مسئلہ پر نظر رکھیں اور جوڈیشل کمیشن تشکیل دینے سے پہلے صوابدیدی طرز پر تقرریوں کا راستہ روکیں۔ اس میں ان اداروں اور ملک وقوم کا بھلا ہے۔

(روزنامہ جموں وکشمیر 21 مئی 2012)

☆☆☆☆☆

آزاد کشمیر میں عدلیہ کی زبوں حالی

ناانصافیوں کے ازالہ کی آخری امید عدلیہ ہوتی ہے جبکہ انصاف کرنے کی بنیادی ذمہ داری حکومت کی ہے جب حکومت اور اس کی مشینری انتظامی لیول پر انصاف نہیں کرتی تو ان زیادتیوں کے خلاف حکومت کی قائم کردہ عدلیہ کے پاس جایا جاتا ہے۔ اچھی انتظامیہ یا عدلیہ کی ابتداء، اہلیت کی بنیاد پر تقرری سے ہوتی ہے جو ملکی قانون کے مطابق عمل کر کے عوام الناس کو انصاف فراہم کرتی ہے اور اگر کہیں قانون کے مطابق عمل نہ ہوا ہو یا کسی اور طریقے سے ناانصافی سرزد ہو تو اہلیت پر مبنی مقرر شدہ ججوں کے ذریعہ اس ناانصافی کا ازالہ ہوتا ہے جو ملک میں خوشحالی اور حکمرانوں کی نیک نامی کا باعث بنتا ہے۔

آزاد کشمیر الحمدللہ ملک بھر کے انتظامی یونٹس میں عدلیہ کے حوالے سے مثالی کردار کی حامل ریاست رہی ہے۔ یہاں انتہائی نیک نام، لائق، ذہین اور مضبوط اعصاب کے جج ہر سطح پر رہے ہیں جو ابتدائی سطح کی عدالت سے ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ ترین منصب تک پہنچے اور منصب کے تقاضے پورے کئے۔ مثلاً سردار محمد شریف مرحوم، چوہدری رحیم داد مرحوم، سردار محمد اشرف خان وغیرہ سول جج سے ترقی کرتے ہوئے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ تک کے جج ہو کر گزرے ہیں اور ہمہ وقت قابل تقلید رہے ہیں۔ اس طرح ہائی کورٹ میں براہ راست مقرر کردہ ججز میں سے خواجہ محمد الف داد مرحوم، ملک عبدالمجید، سردار سید محمد مرحوم، چوہدری شیر زمان، شیخ بشارت احمد، قاضی عبدالغفور، خواجہ محمد سعید، سردار محمد نواز خان، غلام مصطفیٰ مغل اپنی اہلیت۔ دیانت اور کام کے باعث قابل فخر ہیں اور قابل تقلید ہیں۔ یہ صرف اس لئے ممکن ہوا کہ ان کی تقرریاں میرٹ پر ہوئی تھیں سیاسی جانبداری یا سیاسی فوائد حاصل کرنے کی غرض سے نہیں۔ ان لوگوں کی تقرریاں کرنے والے بھی ماشاءاللہ قد کاٹھ کے لوگ تھے۔

اعلیٰ عدلیہ میں زوال عملی طور پر 2006 سے شروع ہوا جب جنرل مشرف نے آزاد کشمیر کے الیکشن میں دھاندلی کے لئے اس وقت کے ایم آئی کے جنرل ندیم اور اس کے ماتحت عملہ کو فری ہینڈ دیا جنہوں نے اس وقت کے چیف الیکشن کمشنر کے ذریعہ طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ آزاد کشمیر میں اس کے out of box solution کے ذریعے کشمیر کو فروخت کرنے کے سلسلہ کا رمل گئے تھے۔ چیف الیکشن کمشنر چیف جسٹس ہائی کورٹ بھی تھے ہر وقت ایجنسی اہلکاروں کے نرغے میں رہتے تھے اور ان کا کوئی عمل بھی ان کی معاونت

اور خوشنودی کے بغیر روبہ عمل نہیں آتا تھا۔ادنیٰ ترین لیول کا ایجنسی اہلکار بھی ان پر سوار اور ان کے بیڈ روم تک رسائی رکھتا تھا۔ان تصاویروں کی نمائش اگر کی جائے تو نہ جانے کیا طوفان برپا ہو جائے۔ان لوگوں کی خواہش کے مطابق الیکشن رزلٹ دینے کے صلے میں ان کو محض بیس دن کی سروس کے بعد سپریم کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کیا گیا جنہوں نے ہائی کورٹ میں اپنی مرضی کے جج ایجنسی کے لوگوں کے ذریعہ مقرر کروائے جن کی تقرری میں آزاد کشمیر حکومت اور آزاد کشمیر کونسل کا کسی لیول پر کوئی عمل دخل نہیں رہا۔یہ ساری کارروائی چیف جسٹس، صدر آزاد کشمیر جو اس الیکشن پراسس اور سازش کا حصہ تھے اور ایجنسی کے متعلقہ لوگوں نے کی۔ان کی تقرری کا حکومت آزاد کشمیر یا کشمیر کونسل کے پاس کوئی ریکارڈ بھی نہیں ہے۔اس حقیت کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ صدر آزاد کشمیر نے 20.09.2006 کو اسلام آباد اپنے گھر میں میری اور کئی دیگر لوگوں کی موجودگی میں یہ بات کہی کہ ان کو پرائم منسٹر پاکستان شوکت عزیز کی جانب سے چند وکیلوں کی بطور جج تقرری کے لئے ایڈوائس موصول ہوئی، جن کے ناموں کا انہوں نے اظہار بھی کیا لیکن اس وقت ایک ایجنسی کے بریگیڈیئر نے ان کو فون پر بتایا کہ اس پر عملدرآمد نہ کریں اور فوراً ایک اہلکار کے ذریعہ فائل واپس منگوائی گئی جس کے کچھ دنوں بعد دیگر لوگوں کی تقرری کی ایڈوائس آئی جس کا بھی آئین کے تحت کوئی پراسس نہیں ہوا تھا اور اس میں سپریم کورٹ کے موجودہ چیف جسٹس بھی شامل ہیں۔ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری اسی بناء پر کالعدم قرار دی جا چکی ہے، جبکہ چیف جسٹس سپریم کورٹ کے خلاف کیس اس وقت بھی ہائی کورٹ کے زیر سماعت ہے۔ اس وقت سپریم کورٹ صرف دو مستقل ایڈھاک جج پر مشتمل ہے جو بھی بار سے لگائے گئے ہیں اور یہ پریکٹس کافی عرصہ سے چلی آ رہی ہے۔

سپریم کورٹ محض اپیلیٹ کورٹ ہے جبکہ 2006 سے 2010 تک اس کو مانیٹرنگ سیل کے نام پر غلط طور استعمال کیا گیا اور محض درخواستوں پر بدوں کسی کارروائی کے سرکاری مشینری کو زبردستی دبا کر فیصلے کیئے جاتے رہے جبکہ Substantial کام کا انبار لگا ہوا ہے اور درجنوں مقدمات میں بحثیں سننے کے بعد بھی فیصلے نہیں ہوئے جس کا بوجھ اب سپریم کورٹ پر پڑا ہے اور مانیٹرنگ یا بلیک میلنگ سیل کے بجائے ریگولر کام شروع کیا گیا ہے۔اس وقت کے چیف جسٹس کی خودسری اور من مانی کی وجہ سے مسلہ اتنا خراب ہو گیا ہے کہ اس کو سنبھالنے کے لئے انتھک محنت۔کاوش۔تدبر اور تعقل کی ضرورت ہے۔مجھے محض چند دن چیف جسٹس رہنے پر سپریم کورٹ کی کارکردگی کا ایسا ریکارڈ اور مانیٹرنگ سیل کی کارروائیوں کی ایسی فائلوں اور نوٹس کا مشاہدہ ہوا کہ عیاں اور بیان کروں تو لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور سسٹم سے اعتماد اٹھ جائے اس بناء پر میں اکثر لکھا اور کہا کرتا ہوں کہ سپریم کورٹ میں براہ راست بار سے تقرری نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ جب تک ایک وکیل ہائی

کورٹ کے جج کے طور کام کر کے انصاف اور انتظامی امور پر ادراک حاصل نہیں کر لیتا سپریم کورٹ میں آئین اور قانون کے مطابق انصاف اور عدل کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ براہ راست مقرر ہونے والے جج علی اور اس کے ولی کے اشاروں کے محتاج سابقہ موکلوں اور سیاسی جماعتوں پر ان کا فوری طور پر رشتہ منقطع نہیں ہوتا اور ججی کے دوران اپنے موکلوں کے خرچے پر ہفتوں سیر سپاٹے کرتے ہیں جن کے مقدمات ان کے زیر سماعت ہیں۔ جبکہ ٹرینڈ اور بالخصوص ہائی کورٹ سے آنے والے کسی جج کے خلاف ایسا کوئی الزام نہیں لگ سکتا۔ بار کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ایسے حالات میں سپریم کورٹ کو مربوط کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد کریں یہ جس طریقے سے بھی ممکن ہو سکتا ہے، کیا جائے تا کہ سپریم کورٹ کی عظمت رفتہ بحال ہو سکے۔ حکومت کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس ادارہ کو اپنی ذاتی خواہشات اور انا سے بالاتر بنائیں۔ اور آئندہ براہ راست بار سے تقرری نہ کی جائے یہ ہماری آخری امید ہے سپریم کورٹ کو Original جورسڈکشن بھی دی جائے جس طرح شمالی علاقہ جات کی اپیلیٹ کورٹ کو حاصل ہے۔ پاکستان کے موجودہ وزیر اعظم اور صدر آزاد کشمیر نے اعلیٰ عدلیہ کو بے توقیر کرنے اور آئین کی دھجیاں بکھیرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی اور آزاد کشمیر کو عملاً ایک کالونی سمجھا گیا۔ وقت آنے پر ان کا یقیناً محاسبہ ہوگا۔ پرائم منسٹر پاکستان ملک کی اعلیٰ عدلیہ کے ہاتھوں بے بس ہو گئے ہیں جس کا انتقام آزاد کشمیر کی عدلیہ سے لے رہے ہیں اور ہمارے لیڈر بدقسمتی سے اپنے اقتدار کی خاطر اس میں معاونت کر رہے ہیں جس کا خمیازہ آج لوگوں کو اور مستقبل میں ان کو بھگتنا پڑے گا۔

جہاں تک ہائی کورٹ کا تعلق ہے وہ اب صرف ایک چیف جسٹس پر مشتمل رہ گئی ہے۔ جبکہ اس میں چار مزید جج ہونے چاہئیں۔ ہائی کورٹ کے جن ججوں کی تقرری کو کالعدم قرار دیا گیا ہے ان کی اپیل پر سپریم کورٹ نے امتناعی حکم جاری کیا ہے کہ ان پوسٹوں کے خلاف تقرری نہیں ہونی چاہئے۔ قطع نظر اس آئینی حقیقت کے، کیا آئینی پوسٹوں کے خلاف سٹے جاری ہو بھی سکتا ہے یا نہیں یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ باقی دونوں پوسٹوں کے خلاف تو تقرریاں ہو جانی چاہئیں جو گذشتہ تقریباً ایک سال سے خالی چلی آ رہی ہیں۔ پاکستان میں غیر آئینی تقرریوں والے ججز نے برطرفی کے بعد کوئی کارروائی نہیں کی یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے کیونکہ ایسے ججز کی واپسی ادارے اور لوگوں میں بداعتمادی پیدا کرے گی جبکہ عدلیہ پر اعتماد ہونا اس کی شرط اوّل ہے۔ ہمارا کیس تو اس کی بدترین مثال ہے جہاں ساری تقرریاں ہی نہ صرف آئین کے خلاف بلکہ انتہائی مشکوک اور غیر متعلقہ لوگوں کی مداخلت سے ہوئی ہیں جن کا صدر گرامی نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔ سپریم کورٹ کو حتمی انصاف کے ادارے کی حیثیت سے یہ حقیقت ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ ایسا پنڈورہ بکس نہ کھولیں جس سے بہت

سے پردہ نشین بے نقاب ہو جائیں ۔Enough is enough۔ مانیٹرنگ سیل کے نہیں، بلکہ مسلمہ Practicingایڈووکیٹس عوام الناس، بیورکریسی کی رائے اور میں اپنے تجربے کی روشنی میں مخلصانہ طور پر تجویز کرتا ہوں کہ ہائی کورٹ کی چاروں اسامیاں شریعت کورٹ، سیشن ججز اور معروف وکیلوں میں سے ایسے لوگوں سے پر کی جائی جن کی سفارش چیف جسٹس ہائی کورٹ کریں ان کی لسٹ میں سے اگر چیف جسٹس سپریم کورٹ، حکومت یا کونسل کو اعتراض ہو تو اس کو دوبارہ غور کے لئے چیف جسٹس ہائی کورٹ کے پاس بھیجا جا سکتا ہے جو خندہ پیشانی سے اس پر غور کریں لیکن للہ غیر متعلقہ لوگوں کو اس میں مخل نہ ہونے دیں ۔ جب ان کی تقرریوں اور معاملات میں کسی اور کی مداخلت نہیں ہوتی تو آئینی اداروں میں تقرریوں میں وہ مداخلت کیوں کریں؟ ''جس کا کام اسی کو ساجھے'' کا سنہری اصول اپنایا جائے ۔ چیف جسٹس سپریم کورٹ کی ریٹائرمنٹ پر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کو ان کی جگہ لیا جائے تب تک وہ ہائی کورٹ میں اپنے جانشین کو تیار کریں جو ان کی جگہ لے سکے ۔

آزاد کشمیر میں کوئی وطن دشمن یا سماج دشمن شخص نہیں بستا کہ سرکاری ایجنسیوں کے اہلکار چیف جسٹس کے تجویز کردہ نام پر اعتراض کریں ۔ مجھے بطور چیف جسٹس ہائی کورٹ اس وقت کے GOC مری جنرل شاہد عزیز نے ایک وکیل کو بطور جج تجویز کرنے کو کہا جس پر میں نے ان سے استفسار کیا کہ وہ اس کو ذاتی طور جانتے ہیں جس پر انہوں نے کہا کہ ان کے پاس رپورٹس ہیں جس پر میں نے ان کو کہا کہ چیف جسٹس کی رپورٹس زیادہ معتبر ہو سکتی ہے یا کسی حوالدار کی یا میجر کی رپورٹ ۔ انہوں نے مسکرا کر میری بات کی تائید کی شکریہ ادا کیا اور کہا I stand corrected ایسا کردار پیدا کریں ۔

ماتحت عدلیہ کو ایک ٹرینڈ چیف جسٹس نے بھرپور سہارا دیا ہے ۔ تن واحد ہونے کے باوجود انہوں نے عدالتی کام کے علاوہ ماتحت عدالتوں میں تقریباً بائیس سول ججوں اور درجن بھر قاضیوں کی بھرتی کی جو ان کی اہلیت اور انتظامی صلاحیت کا ثبوت ہے ۔ لیکن ججز نہ ہونے کی وجہ سے مقدمات التواء کا شکار ہو رہے ہیں جس سے نہ صرف عوام بلکہ حکومت پر بھی مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں ۔

ماتحت عدلیہ اور اس کے عملہ کی تنخواہیں ان کے ہم پلہ ملک کے باقی صوبوں کے برابر نہیں کی گئیں جس وجہ سے آئے روز ماتحت عملہ ہڑتال پر ہوتا ہے جو کسی طور مناسب نہیں ہے جو حکومت کی بدانتظامی کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ عارضی ملازمین کو مستقل کرنے یا غیر ضروری Unproductive محکموں اور Overstaffing کو کم کر کے، ان ہی عدالتوں کی آمدنی مثلاً رجسٹریشن، کورٹ فیس، fines کی رقم سے ان کی ضرورتیں پوری کی جا سکتی ہیں ۔ جموں و کشمیر کونسل کے بجٹ اور کشمیر منسٹری کے زیر اہتمام کشمیر پراپرٹی سے بھی ان کے لئے رقوم حاصل

کی جاسکتی ہیں ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ چیف جسٹس ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کو مالی خودمختاری حاصل ہونے کے باعث ہر دو صاحبان خود بھی تنخواہوں میں اضافہ کر سکتے ہیں لیکن یہ ان کے تدبر اور اچھی انتظامی صلاحیت کا مظاہرہ ہے کہ ایسا نہ کر کے انہوں نے حکومت کو آزمائش میں نہیں ڈالا وگرنہ ان کی جانب سے مقرر کردہ تنخواہ اور الاونسز میں اضافی رقم مہیاء کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور یہ گورنمنٹ کے بجٹ پر چارج کی حیثیت رکھتا ہے جو ہر مہذب ملک میں ہوتا ہے ۔

ارباب اختیار کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان آئینی ، قانونی ، واقعاتی حقائق اور مشکلات کا ادراک اور ان کا حل کر کے گڈ گورننس کا ثبوت دیا جائے ۔ مقربین کی misleading میں نہ آئیں خلق خدا کی آواز سنیں ۔ ہائی کورٹ کے ججز اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی برطرفی کے بعد خلق خدا کی ستائش سے اندازہ لگائیں کہ لوگ ان سے کتنے بیزار تھے ۔اور ان کے بعد جو ڈیشری مکمل نہ ہونے کے باوجود اطمینان سے کام کر رہی ہے اس کو ترویج اور تحفظ دیں یہ ان کے اور ملک کے مفاد میں ہے ۔جج کو صرف قانون اور آئین کا جج ہونا چاہیئے اپنا یا پرایا والی بات سیاسی ورکروں کی حد تک محدود کریں ۔اگر اصلاح شدہ ماحول کو الٹنے یا پراپگنڈا کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے سنگین نتائج سب کو بھگتنے پڑیں گے ۔

(روزنامہ سیاست 05 اکتوبر 2010)

☆☆☆☆☆

جوڈیشل ملازمین کے مطالبات

اعلیٰ عدلیہ میں تقرریاں اور صدر ذوالقرنین

صدر آزاد کشمیر راجہ ذوالقرنین خان صاحب نے تقریباً چار ماہ سے جاری جوڈیشل ملازمین کی ہڑتال پر پالیسی بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ جوڈیشل ملازمین کے مطالبے پورے نہیں کئے جاسکتے اور نہ ہی ان کو پنجاب کے برابر مراعات دی جاسکتی ہیں کیونکہ پنجاب اور ریاست کے وسائل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مطالبہ اگر حق پر مبنی ہو تو اس کا پورا کرنا مہذب حکومت اور معاشرے کی ذمہ داری ہے اور اگر ناجائز ہو تو نہ یہ کرنا چاہیئے اور نہ ہی کوئی ماننے کا پابند ہے۔ آزاد کشمیر میں ''اصول مساوات'' یعنی آزاد کشمیر کے ملازمین کی تنخواہ و مراعات ان کے ہم پلہ پنجاب کے ملازمین کے برابر ہونگی، ستر کی دھائی سے چلا آرہا ہے اور اس کا سہرا بلاشبہ سردار عبدالقیوم خان کی ذات کے سر ہے۔ مساوات کا مطلب یہ نہیں کہ پنجاب کے سیکرٹریٹ میں ایک لاکھ ملازمین ہیں، یا پنجاب کے ہائی کورٹ میں پچاس جج ہیں، یا پنجاب کے 25 اضلاع ہیں ایسا ہی آزاد کشمیر میں بھی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری اہلکار تنخواہ و مراعات اور رتبہ میں پنجاب کے ہم پلہ سرکاری ملازمین کے برابر حقدار ہونگے۔ آزاد کشمیر کے صدر اور وزیراعظم حفظ مراتب میں باقی صوبوں کے گورنر اور وزراء اعلیٰ کے برابر ہیں اور ضرورت کے مطابق ان کے پاس جتنا بھی سٹاف یا ان کی مراعات ہیں وہ پنجاب کے برابر ہیں حتیٰ کے سرکاری رہائشگاہ کے علاوہ ان کی اسلام آباد۔ میرپور یا غازی آباد میں پرائیویٹ گھر بھی صدر یا وزیراعظم ہاؤس ڈیکلرڈ ہیں جیسا کہ پنجاب میں ہے۔ لیکن بے چارے عدلیہ کے ملازم اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ کیا سوچ اور کیا قیادت ہے؟ اسلام کا تو یہ سنہرا اصول ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کرو۔ کیا آزاد کشمیر کی حکومت آئین کی دفعہ 3 اور (5) 31 کے تحت اسلامی ریاست کے طور اس کی خلاف ورزی نہیں کر رہی؟

آزاد کشمیر کے آئین میں اعلیٰ عدلیہ کی حد تک یہ بات آئین میں طے کی گئی ہے کہ ان کے ججز کی تنخواہ۔ مراعات۔ پنشن وغیرہ پاکستان میں ان کے ہم پلہ ججوں کے برابر ہونگی اور ایسا ہو رہا ہے اس کا سہرا بھی یقیناً سردار عبدالقیوم خان صاحب کو جاتا ہے جنہوں نے 1993 میں ایسا کیا تھا۔ مجھے اس وقت ان کا ایک واقعہ یاد آتا

ہے کہ آزاد جموں وکشمیر کونسل نے آزاد کشمیر کی اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کی تنخواہ مقرر کرتے وقت ان کے ہم پلہ پاکستانی ججوں سے غالباً دوسو روپے کم مقرر کی تھی اسی طرح دیگر مراعات میں بھی کوئی تفاوت رکھی گئی تھی۔ جب ہم لوگوں نے سردار محمد عبدالقیوم خان صاحب جو اس وقت کے وزیراعظم تھے، کے نوٹس میں یہ بات لائی تو انہوں نے اس وقت کے چیف سیکرٹری راحت جرال کو بلا کر کہا کہ جج کے لئے اتنا اسپیشل الاونس مقرر کیا جائے تا کہ ان کی ماہوار تنخواہ وغیرہ ان کے ہم پلہ پاکستانی ججوں سے دو ہزار روپے زیادہ ہو جائے۔ میرے خیال میں ان کے بیٹے سردار عتیق احمد خان کو اس حقیقت کا علم نہیں یا ان میں والد صاحب جیسی خوبیاں نہیں۔ وگرنہ صدر آزاد کشمیر کو یہ کہنے کی نوبت نہ آتی۔ یوں بھی صدر آزاد کشمیر ایک نمائشی عہدہ ہے میرا مطلب ہے کہ Ceremonial عہدہ ہے کیونکہ آئین کی دفعہ 7 کے تحت وہ "اپنے فرائض کی انجام دہی میں وزیراعظم کے مشورے اور اس پر عمل کرنے کا پابند ہے اور یہ مشورہ ان پر Binding ہوتا ہے"۔ جس کا بہ الفاظ دیگر یہ مطلب ہے کہ حکومت کی کسی کارکردگی یا کارروائی کی نسبت وزیراعظم کے مشورے کے بغیر عمل کرنا تو درکنار وہ بات بھی نہیں کر سکتے کیونکہ جو معاملات حکومت سے متعلق ہوں ان کی جواب دہی کی ذمہ داری حکومت پر ہی ہوتی ہے لہذا حکومت کے کہے بنا صدر ایسی کوئی بات نہیں کہہ سکتے نہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ پارلیمانی اور سیاسی جماعتوں کو اس امر کا ادراک کرنا چاہیے سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے جواب دہ پارلیمانی حکومت کو غیر جوابدہ صدراتی طرز میں تبدیل کیا جا رہا ہے جو مستقبل کی حکومتوں کے لئے مسائل کا باعث بنے گا۔

صدر صاحب نے وکیلوں کے کینڈل مارچ کے ردعمل میں کہا کہ چیف جسٹس کو اعلیٰ عدلیہ میں تقرریوں کے لئے لکھ دیا گیا ہے جواب آنے پر کارروائی ہوگی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی غیر مرئی یا غیر تحریری یقین دہانی کی بناء پر عدلیہ سے متعلق سارے معاملات وزیراعظم نے صدر صاحب کو تفویض کر دیئے ہیں۔ شنید ہے کہ چیف جسٹس ہائی کورٹ کی جانب سے ججوں کی تقرری کے لئے کی گئی تحریک وزیراعظم نے یہ کہہ کر واپس کر دی ہے کہ یہ صدر سے متعلقہ معاملہ ہے حکومت کا اس کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہے۔ بھائی یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر یہ درست ہے تو؟ صدراتی سیکرٹریٹ سے متعلق باوثوق ذرائع کی طرف سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ یہی تحریک جب صدر صاحب کو بھیجی گئی وہ بھی چیف جسٹس کو واپس بھیج دی گئی جس میں چیف جسٹس کے خلاف مجھکا نا الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو انتہائی افسوس ناک ہے۔ اعلیٰ عدلیہ میں تقرریوں کا اختیار کونسل کی ایڈوائس پر منحصر ہے لیکن ان کی تنخواہ۔ مراعات۔ ان کی کارکردگی کی جواب دہی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ جبکہ صدر آزاد کشمیر اپنے فرائض کی

انجام دہی میں کسی عدالت، کچہری یا اسمبلی میں آئین کے تحت جواب دہ نہیں ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے سارے فرائض وزیراعظم کے مشورے پر انجام دینے کے پابند ہیں لہذا جوابدہ بھی وزیراعظم ہیں۔سپریم کورٹ پاکستان نے اپنے متعدد فیصلوں میں یہ قرار دیا ہے کہ صوبائی ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری کے لئے صوبے کے چیف منسٹر کے مشورے کو کلیدی حیثیت حاصل ہے حالانکہ پاکستان کے آئین کے تحت بھی الفاظ گورنر۔چیف جسٹس یا صدر پاکستان استعمال کیئے گئے ہیں۔جیسا کہ آزاد کشمیر کے آئین میں صدر۔چیف جسٹس اور کونسل ہے۔کیا وزیراعظم آئین کی خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ کیا وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں پہلو تہی نہیں کر رہے؟ سرکاری اور وہ بھی آئین کے۔عہدے اپنی ذات شخصیت یا ملازمت یا روزگار کے لئے نہیں بلکہ قومی امانت ہوتے ہیں اور ان کے سارے اقدامات قومی تاریخ کا حصہ ہوتے ہیں۔صدر اور وزیراعظم صاحب سرکاری ریکارڈ کی پڑتال کر کے دیکھ لیں کہ 2004 تک اعلیٰ عدلیہ میں ججوں کی تقرری کے لئے سمری وزیراعظم آزاد کشمیر کے مشورے کے مطابق آزاد جموں وکشمیر کونسل کو بھیجی جاتی رہی ہے اور اسی سمری کی روشنی میں ججوں کی تقرری ہوتی رہی ہے اور یہی درست، آئینی اور اخلاقی عمل ہے۔2004 میں پہلی مرتبہ اس وقت کے صدر نے اس وقت کے ہائی کورٹ کے سینئر موسٹ جج چوہدری تاج کے بجائے محمد ریاض اختر چوہدری کو چیف جسٹس ہائی کورٹ مقرر کرایا، اس کے بعد اس بدعت کی بنیاد پڑ گئی کہ صدر ایجنسیوں کے لوگوں سے ملکر یا ان کے کہنے پر اپنے دفتر سے اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کی تقرریوں کی سمری بناتے یا ان سے دستخط کروائے جا کر ججوں کی تقرریاں عمل میں آتی ہیں اور بدقسمتی سے ایسے ججوں سے بھی پالا پڑا جو چار گھنٹے میں انگریزی تو درکنار اردو زبان میں ''میری گائے'' پر دو صفحے کا مضمون بھی نہیں لکھ سکتے۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ کئی ججوں کے قبل از وقت Unceremoniously چلے جانے کے باوجود آزاد کشمیر کے وکلاء اور عوام نے منفی ردعمل کے بجائے اطمینان کا سانس لیا ہے اور جو موجود ہیں ان سے تحفظات کے باوجود کما حقہ بیزار نہیں ہیں جبکہ صرف ایک جائز چیف جسٹس سپریم کورٹ پاکستان کے غیر روائتی طور چلے جانے سے ملک بھر میں طوفان برپا ہو گیا تھا اور اس کے برعکس آزاد کشمیر میں ناجائز طور پر لائے گئے ججوں کے علاوہ پاکستان میں ایسے ہی 72 ججوں کے جانے پر کسی نے نوٹس بھی نہیں لیا بلکہ یہاں اس سے بدتر ہوا کہ لوگوں نے اس پر شادیانے بجائے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ چیف جسٹس کی مبینہ غیر معمولی کارکردگی اور انصاف کے ڈھنڈورے کی مصنوعی اخباری Hype جب تحلیل ہوئی اور لوگوں کو حقیقت کا پتہ چلا تو وہ خود بھی اپنے دفاع میں پیش نہیں ہو سکے۔

اس وقت آزاد کشمیر ہائی کورٹ صرف ایک چیف جسٹس پر مشتمل ہے جبکہ اس کے ساتھ مزید چار جج

ہونے چاہئیں جو مبینہ طور صدر اور چیف جسٹس سپریم کورٹ اپنی پسند کے بندے چیف جسٹس ہائی کورٹ کی لسٹ میں نہ ہونے کی وجہ سے نہیں لگنے دیتے ۔ چیف جسٹس صاحبان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اگر آزاد کشمیر حکومت ان معاملات میں دلچسپی نہیں لیتی تو وہ براہ راست آزاد کشمیر کونسل کو اپنا اپنا پینل اکھٹے یا الگ الگ بھیج کر ججوں کی تقرری کے لئے لکھیں ۔ اطلاعات ہیں کہ کشمیر کونسل نے دونوں چیف جسٹس صاحبان کو پینل کے لئے خط لکھا ہے لیکن صدر نے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے یہ بدوں اختیار عمل ہے ۔ مجھے چیف جسٹس ہائی کورٹ کی حیثیت سے احتساب کے ایک کیس میں یہ مشکل پیش آئی کہ میرے ساتھ موجود دو ججوں نے وہ کیس سننے سے انکار کر دیا جبکہ اس قانون کے تحت ایسے مقدمات کی سماعت کے لئے ڈویژن بنچ کا ہونا لازمی تھا ۔ میرے پاس دو اسامیاں خالی تھیں اور ان پر تقرری کے لئے کونسل کو تحریک کی گئی تھی لیکن تقرریاں نہیں ہو رہی تھیں ۔ مجھے مجبوراً یہ حکم دینا پڑا کہ اگر تجویز کردہ پینل میں سے آئندہ دو ہفتوں کے اندر تقرریاں نہ کی گئیں تو میں یہ باور کرنے میں حق بجانب ہونگا کہ احتساب کا قانون ڈویژن بنچ کی پابندی کی حد تک غیر موثر ہے ۔ اس حکم کی نقل کشمیر کونسل کو بھیجی گئی اور محض نو دن کے اندر ججوں کی تقرری عمل میں لائی گئی ۔ کیا چیف صاحبان ملازمین کی تنخواہوں کے اضافہ کا نوٹیفکیشن از خود ان کے اختیارات کے تحت جو مالی خود مختاری کے تحت ان کو دیئے گئے ہیں نہیں کر سکتے یا ججوں کی تقرری کے لئے کونسل کو نہیں لکھ سکتے ؟

دو دن قبل میرے نوٹس سے ایک اخباری خبر گزری ہے کہ صدر آزاد کشمیر اعلیٰ عدلیہ میں ججوں کی تقرری کے لئے ٹھیکداری طرز کی کوئی سکیم مرتب کر رہے ہیں اگر یہ بات درست ہے یا اس کی تکمیل ہو جاتی ہے یا کسی برطرف شخص یا اشخاص کو سسٹم میں دوبارہ لانے کی کوشش کی گئی تو ان کا پہلا دن ہی ان کے سمیت حکومت کا آخری دن ہوگا ۔ ایسا طوفان برپا ہوگا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا جس کو سنبھالنے کے لئے صدر صاحب کو ڈوگرہ حکومت یا پرویز مشرف کا کوئی برگیڈ لانا پڑے گا ۔ جنرل کیانی کا برگیڈ سیاست سے دور ہے ۔ 2010 میں 2004 یا 2006 کے وکیل یا لوگ نہیں ہیں ۔ 2007 سے آج تک وکیل اور لوگ ایٹی اینڈ ھن کی بھٹی سے نکل کر کندن بن گئے ہیں ۔ جس طوفان کو مشرف جیسا آمر اپنے لاہ و لشکر کے سمیت نہیں سنبھال سکا ، اس کو ملٹری ڈیموکریسی کی پیداوار کے پسماندگان کیا سنبھالیں گے جو چار سال میں چار حکومتیں بدل چکے ہیں اور اگر مسلم لیگ نون فنکشنل ہو جاتی ہے تو پانچواں بھی تیار ہے ۔

سیلاب چھاج سے نہیں روکے جا سکتے معروف اور منصفانہ طریقہ یہی ہے کہ ہائی کورٹ میں اس کے چیف جسٹس کی سفارش کردہ لسٹ میں سے اہل اور ایماندار لوگوں کی فوری تقرری کی جائے ، یہ جانچنا اسی کے

اختیار میں ہے کہ کارکردگی ۔اہلیت ۔دیانت اور امانت کے لحاظ سے اس کے ماتحت روبرو پیش ہونے والے، ساتھ یا اس کے تحت کام کرنے والے لوگوں میں سے اس معیار پر کون پورا اترتا ہے ۔موجودہ حکومت نے ماضی میں غیر آئینی اور غیر اخلاقی طور اپنی مرضی کا چیف جسٹس اور جج لگوا کر دیکھ لیا کہ ان کا کیا حشر ہوا، اب ایسا حشر برپا کروانے سے اجتناب کیا جائے ۔تاریخ سے سبق سیکھنا چاہیئے جو اپنے آپ کو دہراتی ہے ۔مناسب ہے کہ اجتماعی دانش کے ذریعہ تقرریاں عمل میں لائی جائیں۔ سپریم کورٹ میں کام چلتا ہے اس کو فی الحال چلنے دیا جائے تو اچھی بات ہے وہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ چیف جسٹس سپریم کورٹ کی تقرری خود بھی عدالت میں زیر متنازعہ اور فیصلہ طلب ہے اور وہ پانچ ماہ کے بعد ریٹائر ہو رہے ہیں ان سے کنسلٹیشن کا کوئی اخلاقی جواز نہیں ہے ۔غیر متنازعہ اور لمبے دورانیہ کے لئے تعینات ہونے والے چیف جسٹس کی تقرری کے بعد وہاں تقرری کی کارروائی کی جائے ۔اس طرح اداروں پر اعتماد ان کا وقار اور بھرم قائم ہوگا جو ان کے وجود کے لئے ناگزیر ہے ۔

(روزنامہ جموں وکشمیر 12 نومبر 2010)

☆☆☆☆☆

میڈیکل کالج کے طلباء پر ہائی کورٹ کا فیصلہ

چند روز پہلے اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آزاد کشمیر ہائی کورٹ نے میڈیکل کالج مظفر آباد کے ان طلباء کے داخلہ کو PMDC کے وضع کردہ اصولوں اور مقرر شدہ معیار کے مغائر قرار دیتے ہوئے کالعدم قرار دیا ہے جن کا داخلہ گذشتہ سال بیرون ملک دوہری شہریت کے حامل طلباء کے کوٹہ کے خلاف عمل میں لایا گیا تھا۔ چند ذمہ دار لوگوں کو زبانی ریکویسٹ کے باوجود فیصلہ کی نقل نہیں مل سکی غالباً ریٹائر لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن ہم نے اپنے وقت میں ایسا کبھی نہیں کیا۔ اس فیصلہ کا درجن بھر طلباء کا اپنے خرچے پر ایک سال مکمل ہونے کے بعد کالج سے نکالا جانا ان کے مستقبل کے علاوہ دوہری شہریت کے حامل ریاستی باشندوں کے دیگر سیاسی اور قانونی حقوق کی نسبت سوال پیدا کرتا ہے۔ اس میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ مقررہ قواعد اور معیار کے مغائر کوئی عمل بھی قانونی اور قابلِ قبول نہیں ہوسکتا جس کو بہر حال کالعدم ہی قرار دیا جانا چاہیے۔ اس سے کوئی حقوق پیدا نہیں ہوتے اور نہ ہی کوئی حق زائل ہوتا ہے۔ لیکن عدالتیں صرف ٹیکنیکل انصاف نہیں کرتیں اگر ایسا ممکن ہوسکتا تو یہ کام کمپیوٹر کے حوالہ کیا جاتا وہ زیادہ بہتر اور بہت جلدی کرتا۔ یہ کام ہمیشہ انسانوں کے پاس رہے گا کیونکہ قانون کے تقاضے عدل و انصاف اور احسان سے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ ان معاملات میں غلطی صرف ان طلباء کی نہیں بلکہ داخلہ کمیٹی اور حکومتی اہلکاران کی بھی ہے جنہوں نے مطلوبہ معیار کا بوقت داخلہ جائزہ نہیں لیا۔ جب بہت سارے لوگ غلط کاری میں برابر کے شریک ہوں تو انصاف اور احسان کا تقاضا ہے کہ جن کا نقصان زیادہ ہو رہا ہو ان کو تحفظ دیا جانا چاہیے، جو اس کیس میں طلباء ہیں۔ اس کے لئے متعلقہ اتھارٹی کو ہدایت کی جاسکتی تھی کہ متعلقہ قواعد کی حد تک نرمی کی جا کر ان کو اپنے خرچے پر کورس مکمل کرنے کی اجازت دی جائے یا اس کمیٹی اور ان حکومتی اہلکاران کو ان طلباء کی حد تک اضافی سیٹس Create کر کے ان کے جملہ اخراجات کا ذمہ دار قرار دیا جاتا جن کی غلطی کی وجہ سے ان طلباء کو ہر طرح کا نقصان اٹھانا پڑا یا اس سے چشم پوشی کی جاسکتی تھی جس طرح عام طور پر عدالتیں Aggrieved person، unclean hands، Laches کے عذر لنگ کی بنیادوں پر مقدمات خارج کرتی ہیں جن کو میں نے انصاف کے تقاضوں کے پیش نظر کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ انصاف کرنے میں ترجیح نمبر ایک ریاستی مفاد کو حاصل ہے ترجیح نمبر دو شہری کو، جبکہ حکومت نمبر تین پر ہے جس کو مخالفین کی بدنیتی پر مبنی بلیک میلنگ سے بچا کر مفاد عامہ پر توجہ دینے کا موقع مہیا کیا جانا چاہیے۔ البتہ حکومتی

بالادستی کے مقابلے میں شہری کے حقوق کو بہر حال تقدم حاصل ہونا چاہیے۔

جہاں تک دوہری شہریت کا تعلق ہے ہندوستانی اور پاکستانی علاقوں کے علاوہ، باقی دنیا میں آباد کشمیری ان ملکوں کے شہری ہیں جہاں آباد ہو گئے ہیں۔ہندوستانی آئین میں کوئی ابہام نہیں ادھر رہنے والے کشمیری ہندوستانی شہری اور کشمیر کے "باشندے" ہیں۔ان کا قانونی سٹیٹس ڈوگرہ حکومت کی مورخہ 20 اپریل 1927 کے نوٹیفکیشن پر مبنی ہے جس میں ریاستی باشندہ کی تعریف کی گئی ہے اور یہی آزاد کشمیر کے آئین کے تحت بھی ریاستی باشندوں کی قانونی بنیاد ہے۔اس نوٹیفکیشن کے تسلسل میں جاری ہونے والے تمام نوٹیفکیشن کا ہو بہو اطلاق ہوتا ہے جس میں سے ایک مورخہ 27 جون 1932 کا ہے جس کے تحت قرار دیا گیا ہے کہ

> "All emigrants from the Jammu & Kashmir states to foreign territories shall be considered state subjects and also the decedents of these emigrants born abroad for two generations;
>
> Provided that, the nationals of the J&K state shall not be entitled to claim the internal rights granted to subjects objects' of this state by the laws, unless they fulfill the conditions laid down by those laws and rules for that specific purposes mentioned there in"

ان معاملات پر قانون سازی اور انتظامی اختیار آزاد کشمیر کونسل کو حاصل ہے۔جبکہ ہندوستانی کشمیر میں یہ اختیار ریاستی حکومت کا ہے۔اس کو رکھنا ہے یا بدلنا ہے۔اس کا فیصلہ کونسل کر سکتی ہے۔اگر رکھنا ہے تو جو حقوق آزاد کشمیر کے مقامی باشندوں کو آزاد کشمیر کے اندر حاصل ہیں وہ حقوق ریاست کی سکونت ترک کرنے والوں کو حاصل نہیں ہو سکتے اور اگر اس کو منسوخ کرنا ہے تو ترک سکونت کرنے والوں کی حد تک حق خود اختیاری کے فلسفہ پر آنچ آنے کا شور وغوغا ہوگا۔اس کا فیصلہ کرنے میں بنیادی کردار آزاد کشمیر سے ترک سکونت کرنے والوں کا ہے خواہ وہ دوسرے ملک کے شہری بن گئے ہیں یا نہیں،نعرہ بازوں اور جذباتی گفتگو کے قطع نظر یہ ایک سنجیدہ مسئلہ ہے جس کے ہر پہلو پر غور کیا جانا ہر ذی شعور شہری کی ذمہ داری ہے۔سیاست دان تو پونڈ، ڈالر ریال اور بیرون ملک ان لوگوں کے خرچے پر سیر و تفریح اور شاپنگ کے شوق میں اوٹ پٹانگ بیان بازی کرتے رہتے ہیں۔لیکن رائج الوقت قانون یہی ہے۔اس قانون کی روشنی میں ترک سکونت کرنے والے باشندگان ریاست

خواہ وہ پاکستان سمیت دنیا کے کسی بھی ملک میں آباد ہوں کے حقوق اور سٹیٹس وہ نہیں ہوسکتا جو آزاد کشمیر میں آباد لوگوں کا ہے۔آزاد کشمیر کے کسی حصے سے ترک سکونت کر کے کسی دوسرے علاقے میں آباد ہونے والے باشندگان ریاست یا ان کی دوسری، تیسری نسل مہاجر بھی نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ آزاد کشمیر کے ٹیکس اور بجٹ کے محصولات پر قائم کئے گئے اداروں میں حصہ دار جس کے لئے ان کو یہاں آباد ہو کر ریاستی دہارے میں شامل ہونا پڑے گا۔کیونکہ اس وقت یہ لوگ ملک کے جن صوبوں میں رہتے ہیں وہاں ان کو مکمل صوبائی اور مرکزی حقوق حاصل ہیں۔قانون کی روشنی میں ان کا سٹیٹس ختم نہیں ہوتا لیکن مقامی حقوق بحال نہیں رہتے۔اس کا ادراک کیا جانا لازمی ہے لیپا پوتی سے بات نہیں بنے گی۔آزاد کشمیر میں یہ ایک سیاسی ایشو بن رہا ہے جس کی بنیاد قانونی ہے۔ہائی کورٹ کا فیصلہ دعوت فکر دیتا ہے۔

(روزنامہ سیاست 10 دسمبر 2012)

☆☆☆☆☆

کوٹہ سسٹم اور آزاد کشمیر سپریم کورٹ

گیارہ جنوری 2013 کو سپریم کورٹ آزاد کشمیر نے عمران بنام پبلک سروس کمیشن وغیرہ سول اپیل میں منگلا ڈیم متاثرین اور مہاجرین کشمیر مقیم پاکستان کی اسمبلی میں نمائندگی، نوکری اور فنی کالجوں میں کوٹہ پر بحث و تمحیص کے بعد ہدایت جاری کی کہ ''مہاجرین مقیم پاکستان کی طرح منگلہ ڈیم کے متاثرین مقیم پاکستان کے لئے بھی آزاد کشمیر کی سرکاری ملازمتوں، فنی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ان کے حقوق کے تحفظ کا طریقہ کار واضع کیا جائے''۔ بہ الفاظ دیگر باقی ریاستی باشندوں کی طرح وہ بھی ان جیسے ہی حقوق حاصل کریں ۔ میں ذاتی طور پر ملازمتوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کوٹہ کے خلاف ہوں ۔ہائی کورٹ میں جج کی حیثیت سے میں نے میڈیکل کالجز میں جنسی تفریق پر مبنی کوٹہ کو کالعدم قرار دیکر حکم دیا کہ میرٹ کی بنیاد پر داخلے ہونے چاہیں خواہ اس میں ایک ہی جنس کے لوگ کیوں نہ آئیں کیونکہ اس سے ملک میں ترقی، اہلیت اور قابلیت کے راستے کھلتے ہیں، موجودہ نوعیت کا کیس میرے پاس آیا ہوتا تو میں نے یقیناً اسکو بھی کالعدم قرار دیا ہوتا ۔بہر حال چونکہ سپریم کورٹ نے حکومت کو مناسب پالیسی تشکیل دینے کی ہدایت کی ہے اس لئے حکومت کو اس سارے معاملے کا ازسرِ نو جائزہ لیکر معاملات کو یکسو کرنا چاہیے ۔فیصلہ میں چونکہ مہاجرین مقیم پاکستان کے لئے کوٹہ اور ریاستی باشندگان مقیم پاکستان کے ووٹس کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے اس معاملہ میں نافذ العمل قانون کی روشنی میں بحث کا آغاز کیا جائے ۔

1927 اور 1932 کے سٹیٹ سبجیکٹ قواعد کے مطابق جو ریاستی باشندے ریاست کے باہر آباد ہو گئے ہیں ان کا ریاستی باشندے کا استحقاق دو نسلوں تک بحال رہتا ہے ۔لیکن ان کو ریاست کے اندر کے حقوق حاصل نہیں رہتے جو صرف ریاست کے اندر مقیم لوگوں کا حق ہے ۔یہ قانون عقل، فکر زمینی حقائق اور عالمی انصاف کے اصولوں پر مبنی ہے کیونکہ ریاست کے اندر اقتصادی ترقی، ٹیکس سسٹم، سماجی اور سیاسی نشو و نما میں شامل لوگ ہی ریاستی رعایتوں اور حقوق کے مستحق ہو سکتے ہیں ۔عالمی طور پر یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ "No representation without taxation" ۔اس لئے اس بنیادی فطری قانون پر سختی سے عمل ہونا چاہیے ۔ریاست کے جو باشندے، خواہ مہاجرین ہیں یا دیگر، اگر پاکستان کے دیگر صوبوں میں آباد ہو گئے ہیں جو وہاں کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی زندگی کا حصہ ہیں، وہاں صوبائی اسمبلی اور قومی اسمبلی کے ووٹر ہو گئے ہیں اور اس حیثیت سے وہاں کے تمام قانونی حقوق سے مستفید ہو رہے ہیں ان کا کشمیر سے تعلق ریاستی باشندہ کی حیثیت سے تو دو نسلوں تک یقیناً بحال رہ سکتا ہے لیکن دیگر حقوق کی حد تک وہ اس صوبے یا ملک کی ذمہ داری ہے جہاں

آباد ہو گئے ہیں، نہ کی آزاد کشمیر کے ۔منگلا ڈیم کے متاثرین کو یہاں کی جائیداد کا معاوضہ اور پاکستان میں زمین الاٹ کر کے وہاں آباد کر کے قومی زندگی کا حصہ بنایا گیا ہے ۔ہاں اگر وہ واپس آ کر ریاست میں آباد ہو جائیں تو یقیناً وہ بھی ان ہی حقوق کے حقدار ہونگے جیسا کہ باقی لوگ ہیں ۔اگر ان کو ریاست سے پیار ہے تو ریاست میں آباد ہو کر یہاں کی اقتصادی ترقی اور ٹیکس سسٹم کا حصہ بن کر یہاں کے لوگوں کی محنت اور ٹیکس سے حاصل ہونے والے وسائل کے حصہ دار بنیں ۔ایسا دنیا میں کہیں نہیں ہوتا جن کا تقاضا کیا جاتا ہے اور ہونا بھی نہیں چاہیے ۔آج نہیں تو کل یہ پاکستان بھر کے لئے مسائل کا باعث بنے گا جب لاکھوں کی تعداد میں ایک صوبے سے نکل کر دوسرے صوبوں میں آباد لوگ اپنے آبائی صوبے میں اسی طرز کے حقوق کا تقاضا کرنا شروع کریں گے ۔جیسا کہ کشمیری مہاجرین مقیم پاکستان، جو پاکستان کی سیکورٹی کے لئے بہت بڑا چیلنج ہوگا ۔کشمیر کے نام پر کچھ سیاست دانوں نے اپنے محفوظ حلقے تلاش کر کے مہاجرین کی نمائندگی کا جو ڈھونگ رچایا ہے وہ بھی ریاستی مفاد اور پاکستان کے مفاد کے خلاف ہے کیونکہ لاکھوں کی تعداد میں غیر ریاستی باشندوں کو ووٹر درج کرا کر ریاست کی Demography کو تبدیل کیا جا رہا ۔اگر یہ روش بحال رہی تو جموں میں مغربی پنجاب کے آباد کار بھی ریاستی باشندے بن جائیں گے ۔پاکستانی صوبوں میں ریاستی باشندوں کی اسمبلی سیٹوں نے مملکتِ پاکستان اور ان نمائندوں نے آزاد کشمیر کو یرغمال بنا دیا ہے جیسا کہ کراچی میں دو مہاجرین سیٹوں پر ہوا جن پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے ایم ۔کیو ۔ایم نے حکومت سے اپنا تعاون With draw کر کے حکومت کو مفلوج بنا دیا جبکہ لاہور میں ایک سیٹ پر الیکشن آج تک نہیں ہو سکا ۔یہ فراڈ ختم ہونا چاہیے اور ان لوگوں کو روزگار کے نئے مواقع تلاش کرنے چاہیں ۔علاقائی نمائندگی کے لئے نامزدگیاں بھی ہو سکتی ہیں گو کہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے ۔کیونکہ آزاد کشمیر کی حکومت کو کشمیر کے مسئلہ کے حوالہ سے کچھ بھی کرنے کا اختیار نہیں ہے جس مفروضے کی بنیاد پر یہ فراڈ گڑھا گیا ہے ۔مجھے باقی لوگوں کے ساتھ حال ہی میں جموں ایک کانفرنس میں شریک ہونے کا موقعہ ملا جہاں معلوم ہوا کہ 1947 میں مغربی پنجاب سے ہجرت کر کے جموں آباد ہونے والے غیر ریاستی باشندوں کو تمام تر مرکزی دباؤں کے باوجود ریاستی حقوق نہیں ملے اور 1990 کی تحریک کے نتیجے میں بے گھر ہونے والے لاکھوں کشمیری پنڈت ہندوستان کے جن صوبوں میں آباد ہیں ان کو ووٹ کا حق کشمیر کے صرف اس حلقے میں حاصل ہے جہاں سے وہ ترکِ سکونت کر کے گئے ہیں خواہ وہ اس کیمپ میں ووٹ ڈالیں یا واپس آ کر اپنی آبائی جائے رہائش میں ۔ہمیں بھی آگے بڑھنے کی نئی راہیں اور جہتیں تلاش کرنی چاہیں کشمیر کے نام پر محض اپنے نفس اور مفاد کے غلام نہ بنیں ۔مقصد نظر انداز کئے بغیر طرزِ عمل بدلنا حالات کا تقاضا ہے ۔

کشمیر کے مسئلہ کے نام پر این ۔جی ۔اوز، جہادی فنڈ، کشمیر کمیٹی، مہاجرین سیٹیں، الاؤنسس، کوٹہ اور نہ جانے کیا کیا قائم کیا گیا ہے لیکن نتیجہ صفر ہے ۔اگر وادی والوں نے 1989 کے بعد ہزاروں جانیں دے کر تحریک نہ چلائی ہوتی، کشمیر آج تک لوگوں کو بھول گیا ہوتا ۔مناسب یہ ہے کہ کر کشمیر کے مسئلے کے حتمی حل تک آزد کشمیر اور گلگت و بلتستان کو بھی اسی طرح قومی دھارے میں شامل ہونا چاہیے جس طرح کہ پاکستان میں آباد لاکھوں ریاستی باشندے قومی دھارے میں شامل ہیں اور قومی سطح پر ان کی بات میں وزن ہے اور سنی جاتی ہے ۔کشمیر کے آزاد حصے بھی کشمیر کے حصے ہیں، اگر ان کو باوقار مقام نہیں دیا جاتا تو مقبوضہ علاقے والے خیر کی توقع کیسے رکھیں؟ آئین پاکستان کی فعہ 257 کا اطلاق اگر پورے کشمیر پر ہوتا ہے تو اس کے آزاد حصے پر بھی ہو سکتا ہے، بالخصوص جبکہ آزاد کشمیر کے آئین میں الحاق پاکستان کی شرط کے پیش نظر، پاکستان کے علاوہ کوئی اور چوائس ہی نہیں رکھی گئی ہے ۔قومی دھارے میں شامل ہونے سے محروم کیوں؟ کشمیریوں کے قومی اسمبلی، سینیٹ اور دیگر اداروں میں ہونے سے مسئلہ دنیا بھر میں زیادہ موثر طریقے سے پیش ہوگا۔

جہاں تک سپریم کورٹ کے فیصلہ کے پس منظر میں نئی پالیسی وضع کرنے کا تعلق ہے مناسب یہ ہے کہ ریاستی باشندوں کے حقوق کو یکساں بنانے کے لئے مہاجرین مقیم پاکستان کے کوٹہ کو سب ریاستی باشندوں کے لئے میرٹ پر Open کیا جائے جس میں مہاجرین، منگلا ڈیم متاثرین اور آزاد کشمیر سمیت دنیا بھر میں مقیم ریاستی باشندے برابر کے حقدار ہوں ۔اس کے ساتھ ہی بتدریج پورے آزاد کشمیر میں ہر سطح پر کوٹہ سسٹم ختم کر کے میرٹ، انصاف اور مساوات کے اصولوں پر عمل کیا جائے تا کہ نالائق اور سفارشی لوگوں کا راستہ بند ہو جائے، اگر حکومت ایسا نہیں کرتی تو آزاد کشمیر کی اعلیٰ عدالتوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس فراڈ کو کسی بھی کیس میں ختم کر کے اس سسٹم کو آئین، انصاف اور مساوات کے اصولوں پر استوار کریں ۔جب تک کوٹہ ختم نہیں کیا جاتا ان لوگوں کو اس کوٹہ میں شامل کیا جائے جہاں سے ان لوگوں نے ترک سکونت کی ہے جس طرح مقبوضہ کشمیر سے بے گھر ہونے والے لوگ اپنے آبائی علاقوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے لئے کوئی الگ سیٹ یا الگ کوٹہ نہیں ۔حقائق کا ادراک کیا جانا ناگزیر ہے۔ (22 جون روزنامہ سیاست / روزنامہ محاسب 2013)

دو چیفس کے خطاب

ملک کے چیف جسٹس اور چیف آف آرمی سٹاف نے یکے بعد دیگرے بالترتیب اسلام آباد اور گوادر میں اپنی ٹریننگ ۔تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں عام پاکستانیوں کے جذبات کی نمائندگی کی ہے ۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے کمانڈ اینڈ سٹاف کالج کوئٹہ کے فوجی افسروں کے دربار کو غیر مبہم الفاظ میں تلقین کی کہ ''بار بار کی فوجی مداخلت سے سول ادارے مضبوط نہیں ہو سکے جبکہ فوج اپنے حلف کے تحت آئین کی پابند ہے اور آئین کے تحت ملک کا نظم ونسق چلانے کا اختیار صرف سول حکومت یا سولینز کو حاصل ہے'' ۔جبکہ چیف آف آرمی جنرل اشفاق پرویز کیانی نے وزیر اعلیٰ بلوچستان اور عوامی دربار میں کہا کہ فوج اکیلے ملک کا دفاع نہیں کر سکتی۔ عوام مضبوط ہونگے تو ملک طاقتور رہوگا اور دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کے لئے قومی یکجہتی کی ضرورت ہے ۔قوم ان دونوں زعماء کے ادراک کی نذر یہ شعر کرتی ہے:۔

دیکھئے تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

چیف جسٹس فوج سے مخاطب تھے جس کے اکابرین نے کئی بار آئین کے تحت اپنے اٹھائے ہوئے حلف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ملک کے آئین، اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں اور عوام کے مینڈیٹ کی توہین کرتے ہوئے، سرحدوں کی حفاظت کے بجائے مبینہ قومی اور ملکی مفاد کے نام پر حکومت پر قبضہ کر لیا اور دنوں اور مہینوں کا وعدہ کر کے برسوں ملک کو تاریکی میں دھکیل دیا۔قوم کراکسر سے گذر کر سدھرتی اور سنبھلتی ہے ۔اس دوران قومی جذبے پروان چڑھتے ہیں جس سے لیڈر ابھرتے ہیں جو قوم کی راہنمائی کرتے ہیں ۔امریکہ۔ یورپ، ایشاء میں روس، چین ۔ہندوستان، جاپان ۔کوریا، ویتام نے کراکسر سے گذرتے ہوئے لیڈر پیدا کئے جنہوں نے ملک بنا کر اپنی قوم کو دنیا میں زندگی کے ہر شعبہ میں ممتاز کیا۔ان ملکوں میں فوج سول لیڈر شپ کی معاون اور مددگار کے طور پیش پیش رہی لیکن پاکستان کی طرح ملکی مفاد کے نام پر کبھی اقتدار پر قبضہ نہیں کیا۔ جنرل ایوب خان نے 1965 میں کشمیر پر مہم جوئی کر کے برصغیر میں جنگ کی آگ بھڑکا دی اور اگر اس وقت قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑی نہ ہو جاتی تو مغربی سرحدوں پر ملک کے دفاع کی کوئی امید ممکن نہیں رہی تھی ۔جنرل یحییٰ نے نصف ملک گنوا دیا ۔ضیا الحق نے سیاہ چین کا علاقہ بے آب وگیاہ کہہ کر ہندوستان کی جھولی

میں ڈال دیا۔غیر ملکی جنگ میں پاکستان کو جھونک کر دہشت گردی۔کلاشنکوف۔منشیات اور اس سے بڑھکر یہ کہ ملک کو امریکہ کی غلامی میں دینے کا راستہ ہموار کیا جس کی انتہاء جنرل مشرف نے کردی کہ پاکستان اس وقت عملی طور امریکہ کی ایک طفیلی ریاست لگتی ہے۔اگر نواز شریف ملک کو Bail out نہ کرتے مشرف کی کرگل کی مہم جوئی نے برصغیر کو آگ کی بھٹی میں جھونک دیا ہوتا۔مشرف نے ملکی اداروں کو تہہ وبالا کردیا تھا پیپلز پارٹی کی حکومت سے ہزار اختلاف لیکن ملک میں بحرانوں سے نپٹنے کے لئے Consensus develop کرتے ہوئے کسی نہ کسی پارلیمانی جماعت کو ساتھ ملا کر نظام کا تسلسل بحال رکھا ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی عوامی دباؤ پر کئی فیصلے کئے لیکن بندوق کے زور پر عوامی جذبات کو دبایا نہیں۔جنرل مشرف کے خلاف عوامی دباؤ کے نتیجے میں فوج تنہاء ہو کر رہ گئی تھی اور خود کو اتنا غیر محفوظ سمجھتی تھی کہ وردی پہن کر بازار نہیں نکل سکتی تھی۔بھلا ہو جنرل کیانی کا جس نے فوج کو سیاسی معاملات سے الگ کیا،سول حکومت کی معاونت شروع کی۔امریکہ کے سامنے قومی موقف پیش کر کے اس کو بے بس کردیا ورنہ ملک میں طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔یہ جنرل کیانی کی ہی بصیرت ہے کہ فوج کو چیف جسٹس کے ذریعہ آئین کے تحت اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلوایا۔جو کام جنرل کیانی کی اب تک توجہ کا متحاج ہے وہ جنرل مشرف کو آئین کی پامالی اور اس وقت ماتحت فوجی افسروں کو اسی کے غیر آئینی اور غیر قانونی اور سیاسی احکامات ماننے۔اور سیاست میں کھلم کھلا مداخلت کے باوجود ان کے خلاف ایکشن نہ لینا ہے۔کم از کم اتنا ضرور ہونا چاہیے تھا کہ یہ لوگ اگلے رینک میں پروموٹ نہ ہوتے تاکہ ایک واضح پیغام جاتا۔ایسی مہم جوئی کو نہ روکنے کی وجہ سے ہی جنرل ایوب،جنرل یحیٰ۔جنرل ضیاء اور جنرل مشرف پیدا ہوتے ہیں۔جنرل کیانی نے بجا کہا کہ عوام مضبوط ہونگے تو ملک طاقتور ہوگا دفاع نا قابل تسخیر ہوگا۔جنرل صاحب عوام empowerment سے مضبوط ہونگے اور empowerment عوامی حکومتوں کے تسلسل سے ہی ممکن ہے۔ایجنسیوں کے دباؤ یا ان کے ذریعہ نہیں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ سابقہ غلط کاریوں کا اعتراف کر کے غلط کاروں کو سزا اور آئندہ کے لئے سول اداروں کی معاونت اور قانون کے احترام کے لیے کمربستہ ہونا چاہیے۔ ملک کی خارجہ اور داخلہ پالیسی عوامی نمائندوں کی بحث وتمحیص سے بننی چاہیے جس میں فوج کا تسلط نہیں،بلکہ تعاون اور مشاورت ہونی چاہیے۔عوامی نمائندوں کی قوم اور دنیا کے پاس جواب دہی ہوتی ہے فوج یا بیوروکریسی کی نہیں ہوتی۔جبکہ فوج اور بیوروکریسی اپنے علم تجربے اور ٹریننگ سے سول اتھارٹیز کی صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت بڑھا سکتے ہیں جو تین دہائیوں سے فوج کے گملوں میں پرورش پا کر اپنے آپ کو لیڈر کہلا رہے ہیں لیکن Initiative کی صلاحیت سے محروم کردیئے گئے ہیں۔ ان کو اعتماد اور حوصلہ دینے کی ضرورت ہے۔

فوج اور عدلیہ ہی دو مضبوط ادارے باقی ہیں ان سے راہنمائی لینا وقت کی ضرورت ہے۔

چیف جسٹس صاحب نے جہاں فوج کو ان کی ماضی کی غلطیوں اور آئینی ذمہ داریوں کا احساس دلایا ، وہاں اپنے پیش روں کی غلط کاریوں کا تذکرہ بھی کیا ہوتا تو بہت مناسب بات ہوتی جن کی چشم پوشی سے ہی فوجی حکومت کے راستے ہموار اور ان کی حوصلہ افزائی ہوتی رہی ہے۔ بھلا ہو جنرل مشرف کا جس نے عدلیہ کو چھیڑ کر اتنے بڑے انقلاب کی بنیاد ڈالی، جسٹس افتخار چوہدری کا جس نے ''NO'' کہہ کر، اور پاکستانی وکلاء کا جنہوں نے اس No کی پاسداری کر کے ملک میں آئینی حکومت کی راہ ہموار کی۔ اب یہ آئینی حکومت اور سول بیوروکریسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ جماعتی حکومت اور غلط کاریوں کو بچانے کے لئے مختلف حیلوں بہانوں سے اداروں کو داؤ پر نہ لگائیں۔ اگر یہ خود Behave نہیں کرتے تو ان دو مضبوط اداروں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان کو Behave کرانا سیکھائیں جب تک یہ آئین، قانون اور معروف اصولوں کے تحت Proactive ہو کر کام کرتے رہیں گے عوام ان کے ساتھ رہیں گے۔

(روزنامہ نوائے وقت 29 اپریل 2011)

☆☆☆☆☆

بیوروکریسی۔او۔ایس۔ڈی اینڈ رول آف لاء

لغت میں بیوروکریٹ کے معنی ''سرکاری اہل کار،افسر شاہی یا ضابطہ پرست'' کے ہیں۔جبکہ غلط العام کے طور بیوروکریٹ کو خودسر،خود پرست یا مغرور آدمی کے طور سمجھا جاتا ہے۔فی الواقعہ بیوروکریٹ سرکاری امور کی انجام دہی میں قاعدہ قانون اور اس کے مطابق عملدرآمد کرنے یا کرانے والا شخص ہوتا ہے۔ریاست کے اندر نافذ العمل قانون اور قواعد کے عملی اطلاق کو یقینی بنانا اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔چونکہ پولیٹیکل باسز قانون اور قواعد کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے ہر ریاست میں بیوروکریسی کا ڈھانچہ قائم کیا جاتا ہے جو قانون کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے نظام کو مربوط کرتا ہے۔بیوروکریٹس کو میرٹ پر تین کیٹگریز میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔سب سے اچھے بیوروکریٹ وہ ہیں جو''لائق بھی ہیں اور دیانت دار بھی'' یہ انتہائی کمیاب قومی اثاثہ ہیں۔دوسرے وہ جو''نالائق بھی ہیں اور بددیانت بھی'' ان سے جان چھڑانا حکومت کی ذمہ داری میں شامل ہے اور تیسرے وہ ہیں جو''لائق بھی ہیں لیکن بددیانت بھی'' ان کی بددیانتی کو کنٹرول کرکے اہلیت سے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کون کرسکتا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے۔ہر ترقی پذیر معاشرے میں تعمیر و ترقی کے کاموں میں مالی معاملات کا بے حد عمل دخل ہوتا رہتا ہے جس میں لیکیج کا امکان موجود رہتا ہے اس لئے کرپشن کا عنصر بھی بہر حال موجود رہتا ہے جس کو کنٹرول کرنے کے لئے ضابطہ کار کے سخت قواعد بنانے اور ان پر عملدرآمد کرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔اس کے لئے پولیٹیکل باسز کا بیوروکریٹس سے زیادہ لائق اور دیانتدار ہونا ضروری ہے جو اپنی ذات یا جماعتی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ قانون کی حکمرانی کے لئے قواعد کا سختی سے اطلاق کریں اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے سخت تادیبی کارروائی کرکے ان کو عبرت کا نشانہ بنائیں۔کیا ہمارے ملک اور بالخصوص آزاد کشمیر میں ایسا ہوتا رہا ہے یا ہوسکتا ہے؟۔ایسا ہو تو نہیں رہا لیکن ایسا ممکن ہے کیونکہ آزاد کشمیر ایک چھوٹا سا انتظامی یونٹ ہے جہاں پر ہر شخص کی اہلیت امانت دیانت یا نالائقی اور بددیانتی ہر شخص پر عیاں ہے۔بدبو اور خوشبو چھپائے نہیں چھپ سکتی۔اس لئے اگر کنٹرولنگ اتھارٹی یعنی پولیٹیکل باسز لائق،دیانت دار اور امانتدار ہوں تو قانون کی حکمرانی کے مطلوبہ نتائج حاصل کرسکتے ہیں۔بیوروکریٹس پر حکومتی پالیسی کو نافذ کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔جہاں حکومتی پالیسی اور حکومتی احکامات قانون اور قواعد کے مغائر ہوں وہاں اُس وقت تک قانون پر عمل کرنا لازمی ہے جب تک پالیسی کے

مطابق قانون نہ بنایا جائے۔وگر نہ کسی پالیسی یا حکم پر کوئی بیوروکریٹ عمل کرنے کا پابند نہیں ہے۔بیوروکریسی میں کلرک سے لیکر چیف سیکرٹری تک ہر عہدے دار اپنی دانست کے مطابق دیانتدارانہ رائے دیکر غلط احکامات یا پالیسی پر عمل کرنے سے معذرت کرنے کا پابند ہے اور اس کے سروس کنٹریکٹ کا حصہ ہے۔اگر ایسا نہیں کرے گا تو مس کنڈکٹ کا مرتکب ہوگا۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں سیاسی جماعتوں پر مشتمل حکومتیں قانون کی حکمرانی نہیں بلکہ ذاتی یا جماعتی حکمرانی قائم کرتے ہیں اور بیوروکریٹس کو حکومت کے اندر اپنا پولیٹیکل ورکر بنانے میں لگی رہتی ہیں جبکہ یہ لیگل ورکر ہیں پولیٹیکل سیٹ اپ تبدیل ہونے کی صورت میں کلیدی عہدوں پر فائز بیوروکریٹس کو سابقہ سیٹ اپ کا ورکر سمجھ کر کھڈے لائن لگانے کے لئے افسر آن سپیشل ڈیوٹی OSD بنا دیا جاتا ہے۔بالفاظ دیگر بغیر کام کاج کے تنخواہ لینے والا آفسر۔اس طرح ایک قانونی کارندے کی صلاحیتیں زنگ آلود کر کے اپنی غیر قانونی اور ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لئے مجبور کیا جاتا ہے جو ایسا کرنے کی صورت میں رسوا، اور نہ کرنے کی صورت میں زیر عتاب ہو جاتا ہے۔جس کا خمیازہ بہر حال ریاست کو نالائق لوگوں کے آگے آنے کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔سول سرونٹ ایکٹ یا اس کے تحت بنائے گئے قواعد کے تحت کسی بھی سرکاری ملازم کو O.S.D بنا کر بے وقار اور بے توقیر کرنے کا حکومت کو کوئی اختیار نہیں ہے۔O.S.D اپنے گریڈ کی پوری تنخواہ اور مراعات لیتا ہے جبکہ کام کچھ نہیں کرتا۔کیا ایسا کیا جانا ایک ترقی پذیر معاشرے کے لئے مناسب ہے۔جہاں اس پر اُٹھنے والے اخراجات سرکاری خزانے پر بوجھ اور اس کی صلاحیتوں سے ریاست کو محروم کیا جائے؟۔سرکاری ملازم کو ریاست کا ملازم ہی رہنے دیا جائے جماعت کا ملازم بنا کر نالائقی کو پروان نہ چڑھایا جائے۔بیوروکریسی کے لوگوں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ قانون، قواعد کی خلاف ورزی کرنے کی پاداش میں زیر عتاب آنے سے بہتر ہے کہ اس پر سختی سے عملدرآمد کرتے ہوئے زیر عتاب آئے۔شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے۔آزاد کشمیر میں حال ہی میں چند باصلاحیت اور نیک نام بیوروکریٹس کو .O.S.D بنا کر ان کی صلاحیتوں سے حکومت نے اپنے آپ کو محروم کر دیا ہے۔اس سے ان لوگوں کی عزت و توقیر میں اضافہ جبکہ حکومت کی ساکھ مجروح ہوئی ہے حالانکہ حکومت کی ساکھ کا قائم رہنا قانون کی حکمرانی کے لئے لازمی ہے۔اگر کوئی ملازم سروس میں کسی مس کنڈکٹ کا مرتکب ہوا ہے، اس کے خلاف تحت قواعد کاروائی کرنے کی ہمت کرنی چاہیے نہ کہ اس کو بدوں اختیار عضو معطل بنا دیا جائے۔

(روزنامہ نوائے وقت 18 دسمبر 2011)

ہندوستانی شہری

12 اگست 2010 کو سپیکر قانون ساز اسمبلی جناب شاہ غلام قادر کے خلاف تحریک عدم اعتماد کے دوران جناب فاروق حیدر نے ڈپٹی سپیکر محترمہ مہر النساء کے بارے میں اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ وہ بھارتی پاسپورٹ پر ٹریول کر کے پاکستان آئی ہیں اس لئے بھارتی شہری ہیں جو آزاد کشمیر اسمبلی کی رکن منتخب نہیں ہو سکتیں۔ جناب شاہ غلام قادر صاحب نے بھی یہ کہا کہ ان کو (شاہ صاحب کو) سرینگر کا ہونے کے باعث برداشت نہیں کیا گیا۔

میں ذاتی طور پر دونوں حضرات کی شرافت، متانت اور دیانت کا مداح ہوں۔ ان دونوں حضرات کی سٹیٹمنٹ سیاسی ہونے کے علاوہ اپنے اندر آئینی اور قانونی پہلو بھی رکھتی ہے اس لئے ریکارڈ اور قانون کو صحیح سمت پر رکھنے کے لئے یہ حقیقت ریکارڈ کرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ریاست جموں و کشمیر کے باشندے آزادی سے قبل بین الاقوامی سطح پر مسلمہ طور پر ہندوستانی شہری اور آزادی کے بعد ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں رہنے والے ریاستی باشندے ہندوستانی اور آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں رہائش پذیر ریاستی باشندے بین الاقوامی طور پر پاکستانی شہریت کے حامل ہیں۔ ان کے پاس بین الاقوامی سفر کے لئے ان دو ملکوں کے پاسپورٹ کے علاوہ اور کوئی قانونی دستاویز ہو ہی نہیں سکتی۔ محض پاسپورٹ کے ہونے سے کوئی شخص کسی ملک کی شہریت کا حامل نہیں ہو جاتا۔ آزاد کشمیر ہائی کورٹ نے اس سلسلے میں متعدد فیصلے بھی کئے ہیں جن میں یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ ہندوستانی مقبوضہ کشمیر سے ہندوستانی پاسپورٹ پر سفر کر کے آنے والے کشمیری باشندوں کے آزاد جموں و کشمیر میں وہی حقوق ہیں جو آزاد کشمیر کے اندر رہنے والے ریاستی باشندوں کے ہیں کیونکہ آزاد کشمیر کے آئین کے تحت حقوق ''ریاستی باشندوں کے ہیں'' آزاد کشمیر یا مقبوضہ کشمیر کی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ قانون سے دلچسپی رکھنے والے حضرات آئین کے علاوہ آئین کی تشریح کے ادراک کے لئے PLD 1993 AJK 153 PLD2001 AJK 33 کا ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

مملکت پاکستان بھی بین الاقوامی سطح پر ''کشمیریوں کے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہے کشمیر کی نہیں'' اس لئے محترمہ مہر النساء صاحبہ کا اسمبلی کا ممبر یا اس حیثیت میں ڈپٹی سپیکر ہونا آئین سے انحراف نہیں ہے۔ موصوفہ آج

نہیں بلکہ 2006ء میں ممبر بنی ہیں جب یہ سب لوگ آپس میں شیر وشکر تھے۔اگر یہ آج غلط ہے اس وقت بھی غلط تھا جب ان لوگون کے ووٹ سے موصوفہ کا انتخاب ہوا تھا۔اس کے علاوہ 2006 سے اب تک بے شمار آئینی دھاندلیاں ہی نہیں بلکہ ''دھاندلے'' ہوئے جن میں سے کچھ کا بہت دیر کے بعد ادراک کر کے ازالہ کیا گیا لیکن جس وقت ان کے خلاف آواز اٹھنی چاہیے تھی اس وقت سردار خالد ابراہیم اور بیرسٹر سلطان محمود کے علاوہ سب پارلیمنٹیرین کی زبانیں گنگ تھیں جنہوں نے آئین کی بالادستی کا حلف لیا ہوا ہے۔

''رنج بتوں نے دیا تو خدا یاد آیا''

مہرالنساء صاحبہ کے معاملہ کا ایک اور قانونی، سیاسی اور اخلاقی پہلو بھی ہے۔ہندوستانی پاسپورٹ پر آزاد کشمیر میں ریاست کے باشندوں کے آنے اور ادھر سکونت اختیار کرنے کے لئے قواعد بنے ہوئے ہیں جن کے تحت حکومت پاکستان کی وزارت داخلہ کی رپورٹ اور آزاد جموں وکشمیر کونسل کی مشاورت کے بعد ایسے اشخاص کو پہلے اپنا ہندوستانی پاسپورٹ سرنڈر کرنا پڑتا ہے جس کے بعد یہاں پر اس کی باضابطہ رجسٹریشن ہو کر ریاستی باشندہ ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا جا سکتا ہے جس کے بعد قومی شناختی کارڈ اور پھر پاکستانی پاسپورٹ حاصل کیا جا سکتا ہے۔محترمہ اس پراسس سے گزری ہیں یا نہیں مجھے اس کا علم نہیں لیکن جس بات کا مجھے علم ہے وہ یہ ہے کہ محترمہ ایک معروف کشمیری لیڈر جناب سید یوسف نسیم کی اہلیہ ہیں اور ان کے شوہر نامدار حریت کانفرنس کے پاکستانی چیپٹر کے چیئرمین تھے جب محترمہ کا بطور ممبر آزاد کشمیر اسمبلی انتخاب ہوا تھا۔مجھے یہ بات قانونی طور نہیں لیکن اخلاقی اور سیاسی طور اس وقت بھی ناگوار گزری تھی اور اب بھی میری رائے میں کوئی فرق نہیں۔حریت کانفرنس تحریک حریت کشمیر کی نمائندہ تنظیم ہے اور کم وبیش ستائیس کشمیری تنظیموں کا مجموعہ ہے۔مقبوضہ کشمیر میں ان کا یہ ایک مسلمہ موقف ہے کہ الیکشن پالیٹکس میں حصہ نہیں لینا۔پاکستان میں اس تنظیم کے سربراہ کی بیگم کا آزاد کشمیر اسمبلی اور اس کے ذریعہ یہاں کی حکومت کا حصہ بننا تحریک کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف ہے۔یہ عمل اس تحریک اور آزاد کشمیر اور اس کے پس پشت قوتوں کی غیر سنجیدگی کی انتہا ہے۔ایک معمولی سے فائدے کے لئے اتنی بڑی تحریک اور اس کے لیڈروں کو داغدار بنایا گیا، تقسیم در تقسیم کیا گیا، آزادی کی مقدس تحریک سے نکال کر حکومتی عیاشیوں کا راستہ دکھایا گیا جس کا نہ تو کوئی قانونی یا اخلاقی جواز ہے نہ ہی سیاسی۔مقبوضہ کشمیر کی حریت کے دونوں دھڑے بہ آواز بلند کہتے ہیں کہ ''ہمیں پار سے تقسیم کیا گیا ہے'' اور یہ الیکشن اس کا بین ثبوت ہے۔اس مقصد کے لئے تو مہاجرین کے لئے بارہ نشستوں کا اہتمام کیا گیا ہے جس سے موجودہ وزیراعظم بھی مستفید ہوتے رہے ہیں اور اب ان کو ختم کرنے پر تلے ہیں جو پاکستانی صوبوں میں بسنے والے کشمیریوں کا کشمیر سے

واحدواسطہ ہے۔تحریک کوپاکستان کےاندر یہ لوگ فائدہ دے سکتے ہیں۔کیونکہ یہ اوران کے دوڑقومی اسمبلی کے ممبران کے حلقہ نیابت میں اپنا رول ادا کرتے ہیں اورقومی اسمبلی ہی پاکستانی اور ریاست جموں وکشمیر کے معاملات پر ہرلحاظ سے محیط ہے۔

مقبوضہ کشمیر ریاست کے جو باشندے پاکستانی یا آزادکشمیر کےقومی دھارے میں شامل ہوگئے ہیں ان کی حیثیت ان لوگوں سے یکسر مختلف ہے جومحض تحریک آزادی کے نام پر پاکستان جس میں آزاد کشمیر بھی شامل ہے، میں مقیم ہیں۔ان ہی لوگوں میں سے جو کسمپرسی کے عالم میں 89-1988 میں اپنے گھربار چھوڑکر آزادکشمیر کے مختلف کیمپوں میں آباد ہیں ان کوتو ریاستی باشندہ ہونے کا سرٹیفکیٹ اورقومی شناختی کارڈ بھی جاری نہیں کیاجارہا حالانکہ پاکستان کے citizenship Act, 1950 کی دفعہ 14B کے تحت وہ پاکستان کے شہری ہیں،آزادکشمیر کے آئین کے تحت ریاستی باشندے اورآزادکشمیر کی اعلیٰ عدلیہ کے متعدد فیصلوں کے تحت یہ ان کا حق ہے۔

یہاں جس کو پیا چاہے وہی سہاگن ہوئے والی مصداق ہے۔جوکام ہونے چاہییں اوربروقت ہونے چاہییں،جس کا فائدہ ایک کونہیں ہزاروں کو۔جس کا سیاسی اوراخلاقی اثر ہمہ گیر ہوسکتا ہے جس کے اقتصادی، معاشی اورمعاشرتی فائدے ہوسکتے ہیں اورجس کا message ریاست کے دونوں حصوں میں ثبت جاسکتا ہے وہ کیوں نہیں ہورہے؟ کیا اس کا کسی اورکوادراک ہوسکتا ہے یا کوئی کرسکتا ہے؟۔جناب غلام قادرشاہ صاحب اورجناب فاروق حیدرصاحب جن کوکشمیری زبان بولنے کی وجہ سے مہاجر کہاجاتا ہے اور مہاجرین کے 12 نمائندوں کواس بات کا ادراک اس وقت کرنا چاہیے تھا جب اس سال 11-10 مئی کی رات خوشنودعلی خان صاحب کے P.T.V پروگرام میں مہاجرین کے خلاف ہرزہ سرائی کی گئی اوروقت کے صدراور آج کے وزیراعظم جواس پروگرام میں مہمانِ خصوصی تھے نے چپ سادھ کراس کی تائید کی۔اسی رات فاروق حیدرکی حکومت کاانتم سنسکار ہونا تھا،لیکن دورس نگاہوں نے ایسانہیں ہونے دیا اورایک بہت بڑی آفت کوٹال دیا۔یہی سوچ آزادکشمیر کے چندخودغرض حلقوں جوقومی دھارے میں شامل نہیں ہیں، میں کارفرما ہےاور جہاں اس سوچ کے حامل لوگوں کا بس چلتا ہے وہ اپنا تیر چلا دیتے ہیں۔ویلی کشمیر کے اندرجان دینے والوں پرمرثیہ پڑھنا ہی کافی نہیں۔ان لوگوں کے حقوق کا تحفظ بھی لازمی ہے جوان سے بچھڑ کے اپنی ریاست کے دوسرے حصے میں آباد ہیں۔جبکہ پاکستان کے دوسرے صوبوں میں بسنے والے کشمیریوں کے خلاف ایسی کوئی سوچ کارفرما نہیں۔ایسا اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک ریاست کے آزاد حصے قومی دھارے میں شامل نہیں ہوجاتے

جہاں بلا تخصیص اور بلا امتیاز پاکستانی کشمیری جنرل عزیز، چوہدری امیر حسین، محبوب الحق، فاروق نائیک اور اگر بہت پیچھے جائیں تو علامہ اقبال، نواز شریف کے نام سے قومی افق پر چمک سکتے ہیں۔

(ڈیلی خبرنامہ 20 اگست 2010)

☆☆☆☆☆

''بنگلہ دیش ماڈل''

کافی عرصہ سے ملک میں ''بنگلہ دیش ماڈل'' حکومت کی بات ہو رہی ہے اور جب سے سپریم کورٹ میں این۔آر۔او اور میموگیٹ سکینڈل کا معاملہ زیر بحث آیا ہے، اس بات اور خدشات نے زور پکڑ لیا ہے۔ بنگلہ دیش ماڈل کیا ہے؟ بنگلہ دیش سابق مشرقی پاکستان تھا جو بدقسمتی سے مغربی پاکستان کی پولیٹیکل سول و ملٹری بیوروکریسی کے آمرانہ ہتھکنڈوں سے مجبور ہو کر 1971 میں ایک الگ اور آزاد اور خود مختیار ملک بن گیا ہے۔ چونکہ پاکستان کے دونوں حصوں کی سیاسی تاریخ ایک تھی اس لئے الگ ملک بننے کے بعد بھی وہاں آمرانہ ذہنیت قائم رہی اور مغربی پاکستان کی طرح ہی سیاسی اور پارلیمانی جمہوریت کے بجائے فوجی ڈکٹیٹر شپ کا غلبہ اور سیاسی قوتوں کے ایک دوسرے کو، اور الیکشن کے نتائج نہ ماننے کی ریت بحال رہی۔

اس پس منظر میں بنگلہ دیش نے 1972 کے آئین میں 1996 میں ترمیم کر کے ایک نئے چیپٹر مشتمل بر دفعات 58B تا 58E کا اضافہ کیا جس کو ''غیر جماعتی نگران حکومت Non Party Care-Taker Government'' کا نام دیا گیا۔ اس چیپٹر کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جب اسمبلی کی مدت ختم ہو جائے یا اس کو پہلے تحلیل کیا جائے تو صدر مملکت ایک چیف ایڈوائزر Chief Advisor کی تقرری کریں گے جو بنگلہ دیش سپریم کورٹ کے سب سے آخری یا اس سے پہلے ریٹائر ہونے والے چیف جسٹس رہے ہوں۔ اس کو عبوری مدت کے دوران حکومت کے تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ چیف ایڈوائزر ایسے دس ایڈوائزر مقرر کر سکتے ہیں جو اس بات کی ضمانت دیں گے کہ وہ پارلیمنٹ کے انتخاب میں حصہ نہیں لیں گے۔ نگران حکومت اپنا کام ملک کی سروس میں موجود لوگوں کی مدد سے چلائیں گے۔ ماسوائے ناگزیر حالات کے نگران حکومت روزمرہ کے کام کرے گی۔ گو کہ اس چیپٹر کا اختصار کے ساتھ مفہوم یہی ہے لیکن اس کے اندر پورا آئین اور نگران حکومت کے فلسفہ کا مقصد چھپا ہے۔

چیف ایڈوائزر کا سابق چیف جسٹس ہونا اور حکومت کے تمام اختیارات حاصل ہونا اس کا اور اس کے مشیروں کا غیر سیاسی ہونا اور سیاست میں حصہ نہ لینے کی ضمانت دینا۔ عبوری عرصہ کے دوران حکومت کے کام کاج ملک کی سروس میں موجود لوگوں کی مدد اور حمایت سے چلانا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس نگران حکومت کی کوئی مدت مقرر نہ ہونا واضح طور ان حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس ملک (اور پاکستان) کے پراگندہ

سیاسی، ماحول میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔عبوری رنگران حکومت کے قائم کرنے میں وہ تمام ایکٹر اپنا رول ادا کرتے ہیں جو سیاست اور حکومتی فیصلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔یعنی ''ملک کی فوج،سول اور جوڈیشل بیوروکریسی''۔یہ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہے جو فی الواقع ہوتا ہے جس کو آئینی صورت میں منضبط کیا گیا ہے۔

ان اداروں کے فیصلوں اور اثر رسوخ سے ملک میں دور اس نتائج مرتب ہوتے رہتے ہیں۔گو کہ آئین کے الفاظ میں جبری طور ٹیکو کریٹ کے الفاظ نہیں ہیں لیکن ملفوف انداز اور ان کی روح یہی ہے۔بنگلہ دیش نے ان حقائق کا جو اس ملک کے وجود میں آنے سے پہلے اور بعد میں جمہوری حکومتوں کے قائم ہونے کے راستے میں حائل ہوتے ہیں اور اپنے سیاست دانوں،سول،اور ملٹری بیوروکریسی اور دنیا کی سازشوں کا ادراک کر لیا،جن کے تحفظات کو زیر نظر رکھتے ہوئے جانے اور آنے والی حکومت یا اس کے دوران تعطل پیدا ہونے کی صورت میں اسمبلی کی برخواستگی سے نبرد آزما ہونے کے لئے کئے جانے ضروری ہیں۔یہ ''دم قرار'' Respite period ''فی الواقع آکسیجن کا کام کرتا ہے۔جن لوگوں کی وجہ سے نظام کا تسلسل بحال رہتا ہے یعنی سول،ملٹری اور جوڈیشل بیوروکریسی ان کو اس عرصہ کے دوران سابقہ غلط کاریوں کی گرفت اور ان کے مستقبل میں نہ دوہرائے جانے کی پالیسی وضع کرنے کا موقع ملتا ہے جو غلط کاروں کے لئے عملی درس ہے۔حکومتی عمل صرف وزیروں،مشیروں کا نہیں بلکہ اس نظام کو چلانے والے سارے چھوٹے بڑے کارندوں کا عمل ہے اور اس کا مرحون منت ہے۔جب ایک نظام وضع ہو جائے یعنی جو حکومتی رولز آف بزنس،ہیں،جن میں آئین سے لیکر تمام دفتری قوائد بھی شامل ہیں،ان کے مطابق عمل کرنا ہر کارندے کا فرض ہے۔جو بھی اس سے انحراف یا خلاف ورزی کرے اس کی گرفت ضرور ہونی چاہیے۔ہمارے ملک میں چونکہ سیاسی ادارے کمزور ہیں جہاں پر برسر اقتدار طبقہ کو بیوروکریسی کے قانونی اعتراضات یا تجاویز کو اپنے خلاف دشمنی سمجھا جاتا ہے اور اعتراض کرنے والے زیر عتاب آجاتے ہیں،اس لئے کوئی ان کی مرضی کے خلاف رائے نہیں دیتا جو ''انتہائی بددیانتی ہے''۔اس لئے عبوری یا نگران سیٹ اپ میں اس بیوروکریسی کا بھی احتساب کیا جاتا ہے اور کیا جانا چاہیے جو قومی خزانے کے خرچ پر ٹھاٹ باٹھ کی زندگی گزارتے ہیں لیکن ان فرائض کی ادائیگی نہیں کرتے جن کے لئے ان کو ان عہدوں پر فائض کیا جاتا ہے۔پاکستان میں اٹھارہویں آئینی ترمیم سے پہلے دفعہ 58(2)B تقریباً اس طرز پر موجود تھی جس کو اپنے وقت کے صدور نے انتہائی غلط اور بے دریغ استعمال کیا۔اس کو موجودہ حکومت بنانے والی پرلیمنٹ نے تبدیل کر کے آئین کو اصل حالت میں بحال کر دیا۔تھیوری یا کاغذوں پر یہ کارروائی تو درست ہے لیکن ملک کی عمومی سیاسی تاریخ اس عمل کی سپورٹ نہیں کرتی۔پارلیمنٹ نے غالباً اپنے ملک کی سیاسی تاریخ

سے سبق نہیں سیکھا اور نہ ہی ہمارے قومی مزاج اور آئینی رویہ کا ادراک کیا وگرنہ دفعہ 58(2)B کو بہتر کر کے پیش کیا جا سکتا تھا۔ اگر خدانخواستہ ملک کی موجودہ عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کے سینگ کانٹوں میں اسی طرح الجھے رہے تو اس تعطل سے نکلنے کے لئے آئین میں کوئی براہ راست ہدایت موجود نہیں ہے۔ لیکن یہ خوش آئند بات سامنے آئی ہے کہ سول ملٹری اور جوڈیشل بیوروکریسی ایک دوسرے کے حدود کے احترام میں صف آرا اور معاون بن رہے ہیں۔ ملٹری بیوروکریسی نے پاکستان کی آئینی تاریخ میں پہلی بار عدلیہ کے حدود اور اختیار کا ادراک کرتے ہوئے ان تمام نوٹسز کا قوائد کے مطابق جواب دیا ہے جو سپریم کورٹ کی طرف سے ان کو بھیجے گئے اور یہی آئین پاکستان کی دفعات 187,189,190 کا تقاضا بھی ہے۔ ایسے حالات میں سپریم کورٹ ان ہی دفعات کے تحت اس تعطل سے نکلنے کی راہ نکال سکتی ہے۔ جس پر سول اور ملٹری بیوروکریسی عملدرآمد یقینی بنا سکتے ہیں۔

پیپلز پارٹی کی لیڈرشپ فوج اور جوڈیشری کی توہین اور بے توقیری کرنے میں انتہاء کو پہنچ چکی ہے جس کے بعد حکومت میں شامل پیپلز پارٹی کے ممبران پاکستان کے آئین کی دفعات 63(1)(g) کے تحت ممبر شپ سے نااہل ہو گئے ہیں جس کا سپیکر اسمبلی اور چیئرمین سینٹ کو پورا ادراک ہے اور ہونا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر وہ ان کے خلاف کارروائی بعمل نہیں لاتے، تو عدلیہ کو اختیار حاصل ہے وہ خود اس سلسلے میں وہ اختیارات استعمال کرے جو سپیکر اور چیئرمین سینٹ بدنیتی سے نہیں کرتے اور حکومت کو ایسی ہدایت جاری کرے کہ آئندہ اس قسم کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے ان خطوط پر مناسب آئین سازی رقانون سازی کرے۔

☆☆☆☆☆

لاڈ نذیر احمد، ناپسندیدہ شخصیت

آزاد جموں وکشمیر کابینہ نے اپنے اجلاس منعقدہ 24 نومبر 2011 کو تیراں (13) نکات پر مبنی ایک متفقہ قرارداد منظور کروائی جس کا پیرا نمبر (9) یوں ہے کہ "یہ اجلاس مملکتِ خداداد پاکستانی کے خلاف بیرون ملک جا کر منفی سرگرمیوں میں ملوث عناصر کی مذمت کرتا ہے، بالخصوص سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا اور کشمیر نژاد برطانوی شہری لاڈ نذیر احمد کی طرف سے جمہوریت اور جمہوری اداروں کے خلاف کی جانے والی محلاتی سازشوں پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ **حکومت آزاد کشمیر لاڈ نذیر احمد کی منفی سرگرمیاں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے اور لاڈ نذیر احمد کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دیتی ہے۔**"

آزاد جموں وکشمیر نہ تو خودمختار ملک ہے اور نہ ہی پاکستان کا صوبہ تاہم سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تحت پاکستان کے آئین کی دفعہ (d)(2)(1) کے تحت یہ پاکستان کا حصہ ہے۔ حکومت پاکستان اس کو باقی صوبوں کی طرح چلاتی ہے تاہم پاکستان کے آئین کی دفعات 153 تا 163 کے تحت اسکو وہ صوبائی حقوق حاصل نہیں ہیں جو ایک المیہ ہے۔ مرکز اور صوبوں ماسوائے پنجاب کے پاکستان میں اس وقت پیپلز پارٹی کی حکومت ہے لیکن مرکزی حکومت سمیت کسی بھی صوبائی حکومت نے اس وقت تک ذوالفقار مرزا اور لاڈ نذیر احمد کے خلاف کوئی مذمتی قرارداد پاس نہ کی اور میری دانست کے مطابق اسوقت تک ذوالفقار مرزا کو پاکستان پیپلز پارٹی کی رکنیت سے خارج بھی نہیں کیا گیا ہے۔ اس پس منظر میں آزاد کشمیر کابینہ کی قرارداد "بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ" کے مترادف ہے۔ یہ مرکزی اور صوبائی پیپلز پارٹی کا معاملہ ہے۔ آزاد کشمیر کا اس کے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں۔ ہمارا تعلق لارڈ نذیر احمد سے ہے جو مسلمہ طور پر کشمیری نژاد برطانوی شہری ہے اور ریاست کا باشندہ درجہ اوّل ہیں۔ پریس میں کابینہ کے ساتھ یہ بات بھی منسوب کی گئی ہے کہ لارڈ صاحب کی ریاستی شہریت بھی منسوخ کی گئی ہے۔ لیکن قرارداد میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس لیے رپورٹنگ کو درست نہیں مانا جاسکتا اور نہ ہی اسطرح کی رپورٹنگ کی جانی چاہیے تھی۔ آزاد کشمیر کے ایکٹ 1974 کی زیر دفعہ 2، کے تحت جو شخص بھی ڈوگرہ حکومت کے نوٹیفکیشن مجریہ 20 اپریل 1927 کے تحت ریاست میں پیدا ہوا یا رہتا تھا وہ ریاست کا پشتنی باشندہ تصور ہوگا جس کو عرف عام میں سٹیٹ سبجیکٹ کہتے ہیں۔ سٹیٹ سبجیکٹ شہریت نہیں بلکہ جائے پیدائش یا رہائش کے استحقاق کا ثبوت ہے۔ جس سے کسی شخص کو کوئی محروم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ جائے پیدائش

ایک حقیقت ہے اور حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ ریاست کے باشندے دنیا کے کسی بھی ملک کے شہری بن سکتے ہیں لیکن دنیا کا کوئی شخص اس قانون کی موجودگی میں ریاست کا باشندہ نہیں بن سکتا اس لئے لاڈ نذیر صاحب کو اس استحقاق سے محروم نہیں کیا گیا۔ تاہم اس قرارداد کے ذریعہ لاڈ نذیر کو **ناپسندیدہ شخص** قرار دینا عقل سے بالاتر ہے کہ یہاں کی حکومت یا کابینہ نے کس قانون یا اخلاقی اختیارات کے تحت یہ قرارداد پاس کی ہے۔ کابینہ کوئی معمولی ادارہ نہیں ہوتا۔ یہ ریاست کا اعلیٰ ترین انتظامی ادارہ ہے جس کی منظوری کے بعد ہی ریاست کے اندر کوئی کام کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی منظوری بھی قانون کے تابع ہے۔ اور اگر یہ کوئی ایسی قرارداد یا حکم صادر کرتی ہے جو کسی قانون کے تحت اس کے اختیارات میں نہیں ہے وہ باطل اور بے اثر ہے۔ لیکن کابینہ کی رائے کو سرسری طور پر نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا ہے یہ کوئی کھیلواڑ یا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس کے ہر فیصلے سے دانش، قانون اور اخلاق پھوٹنا چاہئے نہ کہ تمسخر کا باعث ہو۔ جہاں تک ''ناپسندیدہ شخص'' کا تعلق ہے اسکو Vienina convention 1961 کے تحت سفارتی معاملات میں بین الاقوامی قانون کا درجہ حاصل ہے جس کو لاطینی زبان کے لفظ Persona grata کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے یعنی ''پسندیدہ شخص''۔ کوئی بھی خودمختار ملک دوسرے خودمختار ملک میں اس کے پسندیدہ شخص کو اپنا نمائندہ مقرر کرسکتا ہے جس کو عرف عام میں Diplomate کہتے ہیں اگر یہ شخص میزبان ملک میں ناپسندیدہ (Persona Non Grata) قرار دیا جائے تو اسکو بھیجنے والا ملک واپس بلانے کا پابند ہے بصورت دیگر میزبان ملک اس کو ملک بدر کرنے کا مجاز ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آزاد کشمیر مملکت پاکستان سے کوئی الگ ملک ہے جس کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے؟ کیا لاڈ نذیر احمد برطانوی حکومت کی طرف سے آزاد کشمیر میں کوئی سفارتی فرائض انجام دے رہا ہے یا حکومت آزاد کشمیر نے ان کو برطانیہ میں سفیر بنا کر بھیجا ہے جس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے؟۔ کابینہ کے ممبران اگر قانون سے نابلد تھے تو کیبنٹ سیکرٹری کس مرض کی دوا ہیں، جو چیف سیکرٹری اور مرکز کے نمائندہ بھی ہیں۔ کابینہ کو پارٹی اور حکومت کو الگ الگ طور پر دیکھنا چاہیے۔ کابینہ سب کی کابینہ ہوتی ہے خواہ اس کے ممبران کو بحیثیت ممبر اسمبلی کسی کا ووٹ ملا ہو یا نہیں۔

قطع نظر اس قانونی پہلو کے، جہاں تک لارڈ نذیر کا تعلق ہے وہ کشمیر کے ایک قابل فخر سپوت ہیں جو برطانیہ کی لیبر پارٹی کے پلیٹ فارم سے سال 1998 میں ہاؤس آف لاڈز کے تاحیات ممبر منتخب ہوئے ہیں۔ میرا ان کے ساتھ کوئی تعلق یا تعارف نہیں لیکن وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ان کی عالمی امن، دنیا کے مسلمانوں اور مسلم ممالک کے مسائل اور مصائب کے حل کے لیے قابل قدر خدمات ہیں جن میں سرفہرست

کشمیر کا مسئلہ ہے جوان کی روح اور جان میں رچا بسا ہے۔ ہاوس آف لاڈز اور اس کے ممبر کی حیثیت سے دنیا کے جس پلیٹ فارم سے ان کو بولنے کا موقعہ ملتا ہے وہ بدرجہ اتم کشمیریوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور پاکستان کے شہری ہونے کا فرض ادا کرتے ہیں۔گذشتہ سالوں میں کشمیر کے مسئلہ کو اُجاگر کرنے کے لے پورے برطانیہ میں علامتی بس چلا کر ہلچل مچا دی۔ پاکستان کے لئے پاکستان کے سفارتی عملہ سے بڑھ چڑھ کر سفارت کاری کرتے ہیں۔جس کو کوئی گھر میں بھی نہیں پہچانتا اسکو بھی ہاوس آف لارڈز میں اپنا موقف بیان کرنے کا موقعہ فراہم کرتے ہیں دنیا بھر کے لوگوں کے انسانی حقوق بالخصوص مسلمانوں کی فلاح اور بہبود کے لیے کیے جانے پہچانے جاتے ہیں۔مذہبی تعصب، بین الاقوامی کشیدگی، دہشت گردی، جبری شادیوں کے تدارک کے لئے قانون سازی میں ان کا نمایاں کردار ہے۔کشمیر، افغانستان، فلسطین، چیچنیا الغرض تمام مسلم ممالک پر ہونے والی زیادتیوں کے خلاف سینہ سپر ہیں۔کیا وہ اس لئے ناپسندیدہ ہیں؟ ایسے کام کرنے والے کے خلاف اس قسم کی قرارداد سے اس ریاست اور یہاں کی حکومت کا قد کتنا چھوٹا ہوا ہے کسی کو اس کا احساس ہے۔؟ ان کی پوزیشن کو Vindicate کرنے کے لئے کابینہ نہ صرف اس حد تک قرارداد واپس لے بلکہ ان سے معافی بھی مانگے۔بصورت دیگر یہ معاملہ کسی بھی مجاز عدالت میں لیا جا سکتا ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت 08 دسمبر 2011)

☆☆☆☆☆

سفر نصیب

وادی کشمیر میں 55 دن

ادراک کے قارئین سے معذرت ہے کہ چار ماہ بعد یہ کالم ان کی نذر کر رہا ہوں جن سے دو ماہ طبعی علالت اور دو ماہ وادی کشمیر میں گزرے ہیں۔ میں 25 اگست 2011 بمطابق 25 رمضان المبارک اپنی فیملی کے ساتھ ٹیٹوال کراسنگ پوائنٹ سے 35 سال بعد پہلی بار عید منانے کے لیے اپنے آبائی علاقے کرناہ میں داخل ہوا۔ لائن آف کنٹرول پر آنے جانے کے راستے کھلنے سے 72 گھنٹوں اور تقریباً تین ہزار کلومیٹر کا سفر محض چار گھنٹوں یا چالیس کلومیٹر میں سکڑ گیا، ایسا کبھی ہوگا سوچا بھی نہ تھا۔ ہمارا علاقہ ابتداء سے ہی فوج کے نرغے میں ہونے کی وجہ سے اس ''ہو'' کے عالم کا شکار نہیں تھا جیسا کہ باقی ویلی۔ ادھر تو اپنے ہی لوگ تھے لیکن اس پار بھی مجھے میرے مرتبے کے مطابق ہی ٹریٹ کیا گیا۔ گو کہ لائن آف کنٹرول کے کراسنگ پوائنٹس کسی پاسپورٹ، امیگریشن یا کسٹم ایکٹ کے تحت نہیں آتے بلکہ حکومتی پالیسیوں اور ہدایات کے مطابق چل رہے ہیں لیکن سرحد کے آر پار آنے جانے والوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک ہوتا ہے جیسا کہ بین الاقوامی سفر میں ہوتا ہے۔ جو پرمٹ ریاستی باشندوں کو اس پار جاری ہوتا ہے وہ حکومت ہند کی طرف سے پاکستانی شہریت کے حامل لوگوں کے نام سے جاری ہوتا ہے۔ ڈیوٹی پر مامور عملہ ٹرینڈ اور پختہ کار ہے۔ باضابطہ کسٹم چیکنگ اور ڈیوٹی ایبل آئیٹمز پر بالعوض رسید کسٹم ڈیوٹی لگائی جاتی ہے۔ گو کہ اس سلسلے میں کافی نرمی اور بہت ساری چیزوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے لیکن علامتی طور وہ سارے لوازمات پورے کیے جاتے ہیں جو بین الاقوامی سفر میں ہوتے ہیں۔ ہماری طرف کسٹم چیکنگ نہیں ہوتی لیکن اب کی بار بین الاقوامی معیار کے مطابق تیس کلو سے زائد سامان پر دس روپے فی کلو کے حساب سے کرایہ چارج کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ سارا ہینڈ لوڈ ہوتا ہے جس میں کسی سرکاری گاڑی، ٹرک یا سواری کا کوئی دخل نہیں ہے اس کی رسید بھی جاری نہیں کی جاتی۔ جبکہ اس پار ایسا نہیں ہوتا وہاں باز پرس کافی سخت ہے 8 ستمبر 2011 کی کراسنگ پر ہندوستان کی طرف سے آئی بی کے ایک افسر نے مسافروں کو اسی طرح تنگ کیا تھا جس کو مسافروں اور مقامی لوگوں کی شکایت پر فوری طور ہٹا دیا گیا۔ اُس پار سول انتظامیہ کا مکمل کنٹرول ہے جس میں مقامی انتظامیہ اور مرکزی آئی بی کو بالادستی حاصل ہے جبکہ فوج دونوں طرف محض سیکورٹی فراہم کرتی ہے۔ ہماری طرف مرکزی ایجنسی کو سول انتظامیہ پر بالادستی حاصل ہے۔ ڈیوٹی پر مامور عملہ تجربہ کار ہے۔ ہماری طرف مسافروں کے بیٹھنے اٹھنے اور باقی سہولتوں کا تسلی بخش انتظام ہے جبکہ دوسری طرف ایسا نہیں ہے۔ اور مسافروں کو

کافی پریشانی ہوتی ہے ۔دونوں طرف کے لوگوں کو سفری دستاویزات کے اجراء میں طوالت پر برابر کی شکایت ہے دراصل سیکورٹی کلیرنس میں کافی عرصہ لگنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے ۔ ہماری طرف آنے والے ملک بھر کے کسی کونے میں جا سکتے ہیں جبکہ اُس پار صرف ریاست کی حد تک اور بعض کیسز میں مخصوص مقامات تک رسائی ہے ۔ اگر Bona fide سٹیٹ سبجیکٹس کو دونوں طرف سے سٹیٹ سبجیکٹ سرٹیفکیٹ جو دونوں طرف کافی چھان بین کے بعد جاری ہوتا ہے کی بنیاد پر سفر کرنے کی سہولت میسر ہو جاتی تو طوالت کا دورانیہ کم ہو جاتا ۔اسی طرح چکوٹھی اور راولاکوٹ پوائنٹس پر ٹریڈ کی طرح مسافروں کی آمدورفت بھی اگر ہفتہ میں چار روز کر دی جاتی تو وہ مفاہمت زیادہ مضبوط ہو جاتی جس کے پیش نظر یہ سہولت بہم کی گئی ہے ۔فی الوقت جو بات فوری طور دونوں طرف سے کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ مسافروں اور ان کے سامان کو چیکنگ کے بعد اکٹھے چھوڑنے کے بجائے جس جس کی چیکنگ ہو جاتی ہے اس کو گزرنے دیا جائے تو آمدورفت کا دورانیہ آٹھ گھنٹے سے کم ہو کر 2/3 گھنٹے رہ جائے گا ۔بہر حال یہ بہت اچھی پیش رفت ہے جس کو زیادہ آسان اور وسیع کرنے کی ضرورت ہے ۔ بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کے کشمیر وزٹ سے ریاستی سیاستدانوں کے رابطہ کو تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔

میں 2005 کے بعد پہلی بار کشمیر گیا ۔اس وقت کے مقابلہ میں آج کے زمینی حقائق یکسر مختلف ہیں ۔ آجکل شہروں ۔قصبوں اور دیہاتوں میں فوج کی وہ گرفت اور دبدبہ نہیں ہے جو اس وقت تھا ۔گو کہ علامتی طور فوج کے مورچے اور گشت ہر جگہ قابض فوج کی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں لیکن جو ہیں ان کا رویہ پہلے جیسا نہیں یہ غالباً تحریک کو دبانے کے لئے ان کی نئی پالیسی ہے ۔مقامی سطح پر سول انتظامیہ کو فوج پر بالادستی حاصل ہے جبکہ حکومتی سطح پر سیکورٹی کے معاملات کو جوائنٹ کمانڈ طے کرتی ہے جس کے چیئرمین ریاست کے وزیراعلیٰ اور ریاست کے اندر موجود فوج ۔بارڈر سیکورٹی فورس ۔سنٹرل ریزرو پولیس ۔ریاسی پولیس اور مرکزی اور ریاستی ایجنسیوں کے سربراہوں پر مشتمل ہے ۔ملی ٹینسی کے خلاف فوج کی Zero Tolerance ہے جبکہ سیاسی سرگرمیوں حتیٰ کہ حریت پسند یا جن کو خلط العام میں علیحدگی پسند کہا جاتا ہے کی سرگرمیوں پر پابندیوں کا لیول وہ نہیں ہے ۔حتیٰ کہ علیحدگی پسند لیڈروں کی حفاظت پر بھی مقامی یا بارڈر سیکورٹی فورس ۔سنٹرل ریزرو پولیس مامور ہے ۔یہ لوگ ان کی نگرانی پر مامور ہیں یا سیکورٹی پر وہ لوگ خود بہتر جانتے ہونگے ۔سید علی گیلانی صاحب جو اکثر گھر پر نظر بند رہتے ہیں، کے گھر آنے جانے والوں پر ان لوگوں کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے ۔ریاست میں سرکاری اور آزادی پسند سیاست دانوں کے ساتھ لوگوں کی وابستگی کی عجیب کیفیت ہے ۔پنچایت کے الیکشن میں بائیکاٹ کی کال کے باوجود 85% فیصد لوگوں نے جوش وخروش سے ووٹ ڈالے جبکہ حریت پسند لیڈروں کی

کال پر بھی لوگ کمربستہ ہوتے ہیں۔عام لوگ بالخصوص نوجوان کسی لیڈرشپ کے کنٹرول میں نہیں ہیں۔لوگ اپنے ذاتی مفادات کوفوقیت دیتے ہیں۔حریت پسند لیڈروں میں سےعوام میں سیدعلی گیلانی کوفوقیت اور بالادستی حاصل ہے۔ریاست کےاندر Initative ان ہی کوحاصل ہےاور Credibility کےلحاظ سےسرکاری اور غیرسرکاری حلقوں میں ان کوعزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔سیاسی سرگرمیوں میں متحرک سیاسی جماعتوں میں سے نیشنل کانفرنس۔پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی۔کانگرس۔بھارتیا جنتا پارٹی کامقامی اورقومی اسمبلی پرغلبہ ہے۔اکادکا آزاداورچھوٹی مقامی پارٹیوں کےممبر بھی اسمبلی میں موجود ہیں۔مسلم اکثریت کےعلاقوں میں ریاستی جماعتیں نیشنل کانفرنس اورپیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کی اسمبلی میں تقریباً برابرنصف نصف نشستیں ہیں جبکہ غیرمسلم علاقوں میں ان جماعتوں کےعلاوہ کانگرس۔بھارتیا جنتا پارٹی اورپنتھرس پارٹی کےلوگ ہیں۔ماسوائے بی جے پی اور کانگرس،باقی پارٹیاں ہندوستانی آئین کےاندراسی لیول کی خودمختاری چاہتی ہیں جوڈوگرہ کےوقت ریاست کو حاصل تھی۔ہندوستان کےآئین میں اس کی وسیع گنجائش بھی موجود ہے عام لوگ بشمول ریاستی جماعتوں کے پاکستان کےساتھ پیار کرتے ہیں،محبت رکھتے ہیں اورپاکستان میں جومارودھاڑ ہورہی ہے اس پر بہت دکھی اور ماتم کناں ہیں لیکن ریاست کےمستقبل کےبارے میں پہلے کی نسبت ان کی ترجیحات میں نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے جوتوجہ طلب ہے۔گوکہ ریاست کے ہرحصوں کےبارے میں ہرحصے کےلوگوں کی اپنی اپنی ترجیحات ہیں۔ بہرحال وادی کشمیر کےلوگ ہندوستان سےمکمل طور alienated ہیں جبکہ آزادعلاقوں کےلوگوں کی ترجیح واضح ہے۔عام لوگوں کا خیال ہے کہ ریاست کےدونوں حصوں اورانڈیا پاکستان کی لیڈرشپ کشمیر کےمسلہ کو دانستہ طورپرحل نہیں ہونے دیتیں اورمحض اپنے ووٹ بنک اوربینک بیلنس میں اضافے کےلئے استعمال کرتی ہیں۔اس حقیقت میں مبالغہ بھی نہیں ہے۔میرے وادی میں عرصہ قیام کےدوران چارغیرمعمولی آئینی نوعیت کےسیاسی ایشوز زیربحث تھے۔بانڈی پورہ سے پی ڈی پی سےتعلق رکھنے والے رکن اسمبلی غلام نبی بھٹ نے کشمیر کےآئین کی دفعہ 3اور4 کی تنسیخ کےلئے ترمیم پیش کی تھی جن کےتحت کشمیرکوہندوستان کااٹوٹ انگ قرار دیا گیا ہے جبکہ لنگیٹ سے آزادممبر اسمبلی عبدالرشیدانجینئر نےمحمدافضل گورو کی پارلیمنٹ پرحملہ کی پاداش میں سزا کی معافی کی قراردادپیش کی تھی۔ان دونوں قراردادوں کا وہی حشر ہوا جومرکزی بالادستی کوچیلنج کرنے کی قراردادوں کاہوتا ہےلیکن اس سے ان لوگوں کی آزادی فکرنمایاں ہے۔مجھے حریت کانفرنس سےتعلق رکھنے والے ایک لیڈر نے کہا کہ ان دوقراردادوں نے اتنا کام کیا ہے جتنا ہمارے دس جلسے نہیں کرسکتے۔الیکشن بائیکاٹ کےبجائے اگرہم خیال لوگوں کواسمبلی میں پہنچایا جاتا تونتائج اورزیادہ حیران کن ہوتے۔ہندوستان

کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان کے خلاف موثر طور پر پارلیمنٹ کے کشمیری منتخب نمائندوں کو استعمال کرتا ہے ۔جبکہ پاکستان غیر موثر طور پر غیر کشمیریوں کو کیونکہ پاکستان پارلیمنٹ میں کشمیریوں کی کوئی نمائندگی نہیں ہے جو اس طرف کے کشمیریوں کے لئے حیران کن ہے اس کے بغیر کشمیر کے مسئلہ پر کوئی پیش رفعت نہیں ۔ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کا کشمیر پر ایک قومی موقف ہے جبکہ پاکستان کی سیاسی جماعتیں منتشر خیال ہیں تیسرا ایشو نیشنل کانفرنس کے ایک سرکردہ لیڈر محمد یوسف شاہ کی وزیر اعلیٰ عمر عبداللہ کے گھر پر اسرار طور طبعیت خراب ہونے اور اس کو پولیس کے حوالہ کرنے کے بعد اچانک موت تھی ۔اس پر دو لوگوں نے الزام لگایا تھا کہ کہ اس نے فاروق عبداللہ اور عمر عبداللہ کے لئے لیجسلیٹیو کونسل میں ممبر شپ اور منسٹری کے لئے ان سے لاکھوں روپے لئے تھے ۔لیکن کام نہیں ہوا ۔مخالف سیاسی جماعتوں کا الزام تھا کہ کرپشن کا ثبوت مٹانے کے لئے عمر عبداللہ نے اس کو مروا دیا جبکہ عمر عبداللہ کے لوگوں کا موقف تھا کہ جب اس سے ان لوگوں کو ناجائز طور لی گئی رقم واپس کرنے کا کہا گیا تو اس کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا ۔حقیقت کچھ بھی ہمارے ملک کی طرح اتنے بڑے لیول پر بھی کرپشن کی حقیقت یا افسانہ موجود ہے ۔چوتھا ایشو کچی آبادیوں میں مقیم لوگوں کو مستقل آباد کرنا جن میں جموں کے علاقوں میں اکثریت غیر ریاستی باشندوں کی ہے اس کے وہ خلاف قانون ریاستی باشندوں کے حقوق حاصل کر سکیں گے جو ریاست کی Demography کو تبدیل کر دیگا ۔مرکزی حکومت کی ترقیاتی اور بہبودی سکیموں کا ملک بھر اور ریاست میں جال بچھا ہوا ہے ۔جو تعلیم ۔صحت ۔رسل و رسائل ۔بہبود آبادی بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہیں ۔شہر میں روزگار کے ذرائع وسیع ہو گئے ہیں ۔لوگوں کی خوشحالی ان کے مکانات اور بود باش سے عیاں ہے ۔اس قدر خوشحالی کیسے آئی ہے، ہر ایک کی اپنی اپنی دلیل ہے اور اس کو زیادہ تر ''ملی ٹینسی دولت'' کہتے ہیں ۔پولیس اور فوج میں سرعت سے ترقیابی حاصل کرنے کے لئے فرضی جھڑپیں زبان زدِ عام ہیں جس کے قصے کشمیری اخباروں اور زیر تفتیش معاملات سے عیاں ہیں ۔پہلے کے برعکس اب مسلمانوں کی کثیر تعداد بھی فوج اور پیرا ملٹری فورسز میں جاتی ہے ۔ڈاکٹر اور انجینئر بننا ایک زمانے میں کشمیر میں سٹیٹس سمبل سمجھا جاتا تھا لیکن اب رجحان بدل گیا ہے پڑھے لکھے مسلمان انڈین سول سروسز میں مقابلے کے امتحانوں میں شرکت کر کے نمایاں پوزیشن حاصل کر رہے ہیں ۔گزشتہ سال کپواڑہ ضلع کے سوگام گاوں سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان نے ہندوستان بھر میں لاکھوں امیدواروں میں سے پہلی پوزیشن حاصل کی ۔ریاست میں سوائے عدلیہ کے باقی تمام محکموں میں نان گیزٹیڈ تقرریاں ضلعی اور صوبائی سطع پر ڈسٹرکٹ اور سنٹرل سلیکشن بورڈ کے ذریعہ عمل میں آتی ہیں جبکہ گیزٹڈ تقرریاں پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ ہوتی ہیں ۔ریاستی اداروں کے مقابلے

میں مرکزی اداروں پر لوگ زیادہ اعتبار کرتے ہیں۔سرکاری ملازمتوں میں ہمارے مقابلے میں وہاں کرپشن کے قصے زیادہ عام ہیں۔سوائے نیشنل کانفرنس کے باقی تمام پارٹیاں بشمول آزادی پسند لوگوں کے ہندوستانی عدلیہ اور الیکشن کمیشن پر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔آزاد کشمیر کی طرح ریاست میں تمام کلیدی عہدوں پر مرکزی سروسز کے لوگ تعینات ہیں جن کا دائرہ کار ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن تک بھی پھیلا ہوا ہے۔باقی ریاستوں کے 30:70فیصد کے برعکس ریاست میں مرکزی سروسز کا کوٹہ ففٹی ففٹی کے حساب سے ہے یعنی ایڈمنسٹریٹو سروسز میں 50فیصد ریاست کے ملازم ہیں جبکہ بقیہ 50فیصد مرکزی سروسز کے۔

لوگوں کا معیار زندگی بہت بہتر ہوا ہے۔دور دراز گاؤں میں بھی پختہ مکانات اور فلش سسٹم کے بغیر کوئی رہائش نہیں ہے واٹر سپلائی کا معقول انتظام ہے۔ موبائل ٹیلیفون نٹ ورک اور بینک کے قرضوں کی وجہ سے ٹرانسپورٹ عام ہے۔ضروریات زندگی کے بھاو بھی ہمارے جیسے ہیں جبکہ کئی معاملات میں ہم زیادہ بہتر ہیں لیکن ہمارے روپے کی قدر کم ہونے کی وجہ سے ادھر مہنگائی نظر آتی ہے فی الواقع ایسا نہیں ہے۔سوائے سبسڈائیزڈ آئیٹمز کے جن میں آٹا۔چاول۔چینی۔مٹی کا تیل اور گیس سلنڈر ہیں،باقی سارے آئیٹمز کی قیمت ادھر ادھر تقریباً ایک جیسی ہے جبکہ کھلے بازار میں سبسڈائیزڈ آئیٹم کے بھی ہمارے جیسے نرخ ہیں۔ریاست کے تمام حصوں کو سڑکوں پلوں اور ٹنلوں سے جوڑ دیا گیا ہے۔چناب ویلی کو مغل روڈ،پیر پنجال ویلی کو کٹرا گ کشتواڑ براستہ پنتھل پاس اودھم پور کو کشمیر کے ساتھ گیارہ کلومیٹر لمبی ریل ٹنل سے جوڑا جا رہا ہے جو مکمل ہو چکی ہے تاہم لائن بچھائی جا رہی ہے۔کشن گنگا ہائیڈرل پروجیکٹ کا کام آخری مرحلے میں داخل ہو گیا ہے۔گریس جہاں سے کشن گنگا کا رخ موڑا جا رہا ہے لوگوں کو فی کنال 6لاکھ سے زیادہ معاوضہ دیا گیا ہے۔حالانکہ وہ زمین ہمارے میرپور میں منگلا اپ ریزنگ کے زیر استعمال آنے والی زمین سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی جس کا معاوضہ اس کی نسبت بہت کم ہے۔درج بالا کے علاوہ دیگر تاثرات کا ہر موضوع تفصیل طلب ہے جن میں سے کہنے کے قابل وقتاً فوقتاً ادراک کے قارئین کی نذر کیے جائیں گے۔ (انشاءاللہ)

(روزنامہ نوائے وقت 19,20,21 نومبر 2011)

.....اور کمان پُل کا تالا کھل گیا

میرے والد مرحوم سید حسن شاہ گیلانی نے 20 جون صبح 2 بجے مظفر آباد اپنے گھر میں وفات پائی جس کی اطلاع مجھے سرینگر صبح پانچ بجے ملی جہاں میں 11 جون بروز سوموار چھ ہفتے کے لئے اپنے بچوں، نواسیوں کے سمیت گیا تھا۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری زندگی میں ان کی موت کی صورت میں نماز جنازہ میں نے پڑھانی ہے اور زندگی بھر مجھ سے صرف اس بات کا تقاضا کیا تھا۔میں حیران تھا کہ ان کی اس وصیت یا فرمائش کو میں کس طرح پورا کرسکتا ہوں جبکہ مظفر آباد سرینگر کا سفر ہندوستان و پاکستان کے درمیان معاہدے کے تحت صرف سوموار کو ہی ہوسکتا ہے اور اس سے قبل ہندوستان نے کئی سیاستدانوں، لیڈروں وغیرہ کی اس خواہش کی کبھی تکمیل نہیں کی تھی کہ وہ شیڈول اور طریقہ کار سے ہٹ کر کسی کو سرحد کراس کرنے کی اجازت دے۔میں نے مظفر آباد میں اپنے عزیزوں کو بتایا کہ سوموار مورخہ 26 جون سے قبل میرے آنے کا کوئی امکان نہیں۔فون بند ہونے کے بعد میرے ہمراہ بیٹی نے مجھ سے کہا "ابو کوشش کرنے میں کیا حرج ہے،ممکن ہے آج ہی جانے کی اجازت مل جائے"۔والد صاحب مرحوم ایمان، علم، ہمت، جرات، کردار اور غیرت کے لحاظ سے مکمل انسان تھے اور شریعت کے پابند تھے جن کو اللہ کی ذات اور اپنے قوت بازو پر بھرپور اعتماد تھا۔وہ کہا کرتے تھے کہ دنیا میں ہونے والا کوئی کام ناممکن نہیں ہوتا انسان کو صحیح طریقہ کار کے مطابق کوشش کر کے صحیح مقام تک پہنچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔میں نے فوراً ہی سرینگر میں کشمیر کے ایک بااثر ریٹائیرڈ بیوروکریٹ کو فون کیا جس نے مخلصانہ طور پر کہا کہ سرینگر میں کوئی اتھارٹی اس مسئلے میں کوئی مدد نہیں کرسکتی کیونکہ وزارت خارجہ سے متعلق معاملہ ہے۔آزاد کشمیر کے برعکس مقبوضہ کشمیر کی حکومت کا مرکز میں نمائندگی ہونے کی وجہ سے بڑا وزن ہے اس لئے میں نے اپنے استاد کشمیر میں نیشنل کانگرس پارٹی کے ریاستی صدر جناب سیف الدین سوز اور سول سوسائٹی کی ایک فعال ورکر Center for Dialogue and Reconcilation (CDR) دہلی کی Executive Director شوبھا باروی سے رابطہ کیا۔سوز صاحب راجیہ سبھا کے ممبر بھی ہیں اور جن کے ووٹ میں اتنا وزن ہے کہ ماضی میں اٹل بہاری واجپائی کی حکومت ان کے ایک ووٹ نہ دینے کی وجہ سے تحلیل ہوگئی تھی جبکہ باروی ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کے درمیان نزدیکی پیدا کرنے لئے کئی سیمنار کرا چکی ہیں۔دہلی میں مرکزی حکومت کے دفاتر نو بجے کھلتے ہیں اس لئے سات سے نو بجے

تک دونوں اصحاب نے رابطہ کر کے مجھ کو اطلاع دی کہ دہلی میں دفتر کھلنے پر کارروائی ممکن ہے۔نو بجے سے چند منٹ قبل ہی مجھے اطلاع ملی کہ میں اپنی فیملی کے کوائف سرینگر میں ریجنل پاسپورٹ کے پاس جمع کراؤں جہاں ایک نوجوان آفیسر نے فوری طور پر میرے کوائف لیکر وزارت خارجہ دہلی کو ارسال کر دئے۔11 بجے دن مجھے دہلی سے اطلاع ملی کہ مجاز اتھارٹی نے میری فیملی کو اسی روز براستہ اوڑی چکوٹھی پاکستان جانے کی اجازت دے دی ہے۔چونکہ کشمیر سے پاکستان فون کرنے کی سہولت میسر نہیں ہے،اس لئے میں نے امریکہ میں اپنے بیٹے کے ذریعہ مظفر آباد میں اپنے عزیزوں کو اس بات کی اطلاع دے دی جنہوں نے والد مرحوم کی مقرر وقت پر نماز جنازہ پڑھا کر تدفین میرے مظفر آباد پہنچنے تک روکنے کا فیصلہ کیا۔بارہ بجے دن کے قریب دہلی حکومت کا تحریری اجازت نامہ مل گیا اور سرینگر میں میرے دوستوں نے سفر کے لئے ٹرانسپورٹ کا بندوبست کر دیا۔

سرینگر میں اطلاع پانے والے رشتہ داروں اور دوستوں کا تعزیت کے لئے تانتا بندھ گیا جس کی وجہ سے ہم لوگ پونے ایک بجے سرینگر سے اوڑی کے لئے روانہ ہوئے۔اس اثناء میں میرے عزیزوں نے مظفر آباد میں ٹریول اینڈ ٹریڈ اتھارٹی کے ڈائریکٹر جنرل بریگیڈیر اسماعیل صاحب کو اطلاع دی جنہوں نے متعلقہ حکام کو انتظامات مکمل کرنے کی ہدایت دے دی۔سرینگر سے بذریعہ Email بھی پاسپورٹ آفیسر نے پاکستان اتھارٹیز کو مطلع کر دیا تھا۔ہم لوگ ساڑھے تین بجے اوڑی کمان پل پر پہنچ گئے راستہ میں فوج کو پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی۔جنہوں نے اوڑی سے کمان پل تک نصف درجن چوکیوں میں سے کسی بھی جگہ ہمیں نہیں روکا۔چونکہ یہ نارمل Travel کا دن نہیں تھا اس کے باوجود حکومت نے خصوصی طور پر اس سارے عملے کو چیک پوسٹ پر پہنچا دیا تھا جو مقررہ ایام پر یہاں ہوتا ہے۔اللہ کرے ایسے حالات سے نپٹنے کے لئے دونوں ملکوں کے درمیان یہ ایک مستقل CBM بن جائے۔

اس ہنگامی صورتحال میں ہندوستان کی اتھارٹیز نے جس بالغ نظری کا ثبوت دیا اس کے لئے وہ تحسین کی مستحق ہیں۔جس کے لئے میں اور میرا خاندان ان کا شکر گزار ہے۔جس تدبر اور سرعت کے ساتھ یہ قدم اُٹھایا گیا وہ ان کے اداروں کی مضبوطی،فعال اور خودمختار ہونے کا ثبوت ہے۔جس ادارے کے پاس جو اختیار ہے اس کو استعمال کرنے کے لئے اس اتھارٹی کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی،یہی کسی ملک کی کامیابی کا ضامن ہے۔اللہ کرے ایسی ہی اداراتی فعالیت اور خودمختاری ہمارے ملک میں بھی آ جائے۔آمین

مجھے مقامی ہندوستانی فوجی کمانڈر نے اطلاع دی کی انہوں نے ساڑھے تین بجے پاکستانی اتھارٹیز

کو میرے کمان پل پر پہنچنے کی اطلاع دے دی تھی لیکن ادھر سے مجھے لینے کے لئے گاڑی پونے پانچ بجے پل پر پہنچی جس پر ہندوستانی فوج کے ایک میجر سدھارتن کی کمانڈ میں غیر معمولی طور کمان پل کا تالا کھولا گیا اور میں اپنی فیملی کے سمیت اپنے وطن میں داخل ہوگیا۔ساڑھے چھ بجے شام میں نے اپنے والد مرحوم کی میت کے پاس حاضری دی حسب وصیت نماز جنازہ پڑھائی اور اسطرح ان کی پہلی ،آخری اور واحد خواہش کی تکمیل ہوئی یہ بظاہر ناممکن تھا لیکن اللہ کی مہربانی سے ممکن ہوگیا۔۔الحمدُ للہ

وہ والدین خوش نصیب ہوتے ہیں جو اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو معاشرے میں نمایاں پوزیشن میں دیکھیں اور وہ اولاد بھی خوش نصیب ہوتی ہے جس کو اپنے والدین کے سفر آخرت میں بھرپور شرکت کا موقع ملے۔ اس لحاظ سے ہم اور ہمارے والدین اللہ کے شکر گزار ہیں۔

سرینگر سے مظفر آباد تک کے غیر متوقع لیکن بروقت سفر کو ممکن بنانے کی وجوہات سرینگر اور دہلی میں میرے دوستوں کی انتھک کوششوں اور کے حکام کی فراخدلی کے قطع نظر میرے والد صاحب مرحوم کی نماز جنازہ پڑھانے کی خواہش تھی جس نے دعا کی صورت اختیار کی وگرنہ ایں خیال است ومحال است۔ مجھے زندگی میں پہلی بار اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ والدین کی خواہش بھی دعا ہوتی ہے اور اس دعا کی قبولیت کو میں نے بچشم خود قبول ہوتے دیکھا۔اللہ تعالیٰ ہر شخص کے حق میں اس کے والدین کی دعا کو اسی طرح قبول فرمائے آمین۔

میں اپنے اور اپنے خاندان کی طرف سے ان تمام مہربانوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے بہ نفس نفیس،بذریعہ فون اور خطوط ہمارے ساتھ تعزیت کا اظہار اور مرحوم کی مغفرت کی دعا کی۔اللہ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین۔

(روزنامہ سیاست 05جولائی 2012)

☆☆☆☆☆

گلگت بلتستان میں دو ہفتے

تاریخ گواہ ہے کہ مملکتوں کے جغرافیائی ردوبدل سے مملکتوں کے حدود بڑھتے سکڑتے اور نئے ملک بنتے رہتے ہیں ۔ریاست جموں کشمیر بھی ان جغرافیائی حقیقتوں میں سے ایک ہے جو مختلف ممالک کے قلمرو میں،اور کئی علاقے اس کے قلمرو میں شامل رہے ۔اس کے آخری سیاسی جغرافیہ کا تعین ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام کی تاریخ سے کیا جا سکتا ہے جس کے مطابق اگست 1947 کو ہندوستان اور پاکستان کے زیر انتظام ڈوگرہ مہاراجہ کی ریاست کے علاقے شامل ہیں جن میں بلا شبہ گلگت و بلتستان کے علاقے بھی ہیں،جن کو صرف اور صرف وہاں کے لوگوں نے اپنے لوکل سکاؤٹس کی مدد سے آزاد کرایا اور اس علاقے کے ''میروں'' اور ''راجوں'' نے اپنی اپنی جاگیروں کا تحریری الحاق ناموں کے ذریعہ پاکستان سے الحاق کیا لیکن نہ معلوم کن وجوہات کی بناء پر ان الحاق ناموں پر عملدرآمد نہیں ہو سکا ۔حتیٰ کہ سلامتی کونسل کی قراردادوں کے ذریعہ پوری ریاست متنازع قرار دی گئی ۔یہی صورتحال آزاد کشمیر کے علاقوں کی بھی ہوئی جس کو بھی یہاں کے لوگوں نے ملحق سرحدی علاقے کے لوگوں کی مدد سے آزاد کرایا لیکن پاکستان کے ساتھ ان علاقوں کا الحاق نہیں ہو سکا اسطرح دونوں علاقوں کے لوگ ڈوگرہ سامراج سے تو آزاد ہو کر اپنی مرضی سے پاکستان کے زیر انتظام ہیں لیکن ملک کے باقی علاقوں کی طرح وفاقی سطح پر آزادی کی نعمتوں سے مستفید نہیں ہیں ۔یعنی نہ تو ان علاقوں کے لوگوں کی پارلیمنٹ میں نمائندگی ہے اور نہ ہی نیشنل فنانس کمیشن،نیشنل اکانومک کونسل،واٹر کمیشن،ہائیڈل جنریشن کے فوائد،مشترکہ مفاد کی کونسل وغیرہ میں جبکہ ان اداروں کی پالیسیوں اور فیصلوں سے دونوں علاقے اسی طرح متاثر ہوتے ہیں جسطرح کہ باقی صوبے لیکن ان پر ذمہ داریاں صوبائی طرز کی ہی ہیں ۔

مجھے گلگت بلتستان میں اپنے پندرہ روزہ نجی دورے کے دوران سکردوں میں فدا محمد ناشاد صاحب سابق ڈپٹی چیف ایگزیکٹیو اور گلگت میں اسد عباس صاحب ایڈوکیٹ جنرل اور نثار عباس صاحب نمائندہ جنگ کے توسط سے مختلف اشخاص،بار ایسوسی ایشن،پریس کلبز اور دانشوروں سے ملنے کا اتفاق ہوا، میں اس تعاون پر ان کا شکر گزار ہوں ۔ میں نے آزاد کشمیر کے مقابلے میں ان لوگوں کا سیاسی نظریہ بالکل واضح اور دوٹوک پایا کہ وہ ''پاکستان کا حصہ ہیں اور صوبہ بننا چاہتے ہیں'' (ایسی ہی واضح رائے گلگت بلتستان کے ہندوستانی مقبوضہ حصے لداخ کے لوگوں کی ہے کہ وہ ہندوستان کا حصہ ہیں) اور جب رائے شماری کا موقع آیا تو پاکستان کے ساتھ الحاق کے لئے رائے دیں گے آزاد کشمیر سے ایک بڑی اور پرانی جماعت نے ''گلگت اور کھوزنگ'' ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کا نظریہ دیکر یہ

موقف اختیار کر رکھا ہے کہ ''آزاد کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں، جب پورا کشمیر آزاد ہوگا تو اس کا الحاق پاکستان سے ہوگا ''' چہ معنی دارد'' تو پھر اس کی کیا حیثیت ہے؟ جبکہ پاکستان دونوں علاقوں کو صوبے کے طور چلا رہا ہے۔ گلگت بلتستان میں اس جماعت کا کوئی اثر نہیں اس لئے وہاں کے لوگوں کی سوچ واضح اور غیر متزلزل ہے۔ اسی سوچ نے علیحدگی پسندی اور پاکستان گریز سوچ کو پروان چڑھایا ہے۔ ملک گیر جماعتوں کی وجہ سے اس سوچ پر روک لگنا شروع ہوگئی ہے خوش آئند رسمی کارروائی تھی۔ میں ملکی اور بین الاقوامی قانون، تقسیم ہند کے قانون تحریک آزادی کشمیر کی بنیاد، پاکستان کے ساتھ آزاد کشمیر کے عملی سیاسی قانونی آئینی معاشی اور معاشرتی تعلقات کی بناء پر بالکل Clear ہوں کہ ''آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان پاکستان کا حصہ ہیں تاہم صوبہ نہیں ہیں لیکن حکومت پاکستان ان کو صوبوں کے طور پر چلا رہی ہے''۔ اس لئے مناسب راستہ یہی ہے کہ ان علاقوں کو، الگ، الگ، پاکستان کے آئین میں صوبہ بنانے کے بغیر ہی ''صوبے کے برابر درجہ دیا جائے'' جو عملی طور ہو رہا ہے، تاکہ عوام اس آزادی سے مستفید ہوں جس سے ملک کے باقی حصوں کے لوگ ہو رہے ہیں۔

گلگت بلتستان کے لوگوں کو شکایت ہے کہ آزاد کشمیر کے لوگوں نے اپنے لئے پچاس کی دہائی سے ہی بے شمار آئینی اور قانونی حقوق حاصل کر لئے لیکن جب ان لوگوں کو حقوق ملنے کی بات چلی ہے تو آزاد کشمیر کی لیڈر شپ کشمیر کے مسئلہ کے نام پر آڑے آجاتی ہے جبکہ آزاد کشمیر کی لیڈر شپ معاہدہ کراچی کے تحت اس علاقے کے لوگوں سے پوچھے بغیر دستبردار ہوگئی تھی۔ میں نے وہاں کے لوگوں کی غالب اکثریت کو موجودہ نظام کو اور مربوط کرنے کے حق میں، اور گلگت بلتستان کے وزیر اعلیٰ اور گورنر کے صوبائی طرز کے سیاسی ناموں سے بہت خوش پایا۔ گلگت بلتستان کونسل کے بننے سے وہاں سیاسی Opening ہوئی ہے لیکن کونسل کو یہ لوگ پاکستانی پارلیمنٹ میں بدلنا چاہتے ہیں۔ عدم معلومات کی وجہ سے یہاں کے لوگ آزاد کشمیر سے بہت دور ہیں۔ اس دوری کو پاٹنے کی ذمہ داری آزاد کشمیر کی لیڈر شپ کی ہے جو اسلام آباد اور دنیا کے زیادہ قریب ہے۔ گلگت بلتستان کے لوگوں کی یہ شکایت عدم معلومات پر مبنی ہے کہ کراچی معاہدہ کے تحت ان علاقوں کو پاکستان کو دیا گیا جبکہ حکومت پاکستان نے ابتدا سے ہی ان علاقوں کو پولیٹیکل ریزیڈنٹ (گورنر) صوبہ سرحد کے تحت رکھ دیا تھا اور یہاں پر حکومت پاکستان نے سردار عالم کو اپنا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کیا تھا۔ معاہدہ کراچی سلامتی کونسل کی قرارداد کے پیش نظر، ریاست کی جملہ اکائیوں کو حتمی فیصلہ تک متنازعہ رکھنے کے لئے ایک رسمی کارروائی تھی۔ وگرنہ آزاد کشمیر کے پاس دینے کے لیے کیا تھا۔

گلگت بلتستان کی انتظامیہ وہاں کے گورننس آڈر 2009 کے تحت عملی طور پر منسٹری کشمیر افیرس کی ذیلی انتظامیہ ہے۔ اعلیٰ سطح پر عدلیہ یعنی سپریم اپیلیٹ کورٹ میں تقرریاں کنٹریکٹ بنیادوں پر انصاف اور آئین کے

معروف اصولوں کے مغائر ہوتی ہیں جس سے یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ عدلیہ انتظامیہ کے رحم وکرم پر ہے ۔جبکہ سپریم ہائیکورٹ کے اختیارات آزاد کشمیر سے زیادہ وسیع ہیں گورننس آڈر ایک انتظامی حکم کے تحت جاری کیا گیا ہے ۔ جسکو کوئی بھی مہم جو کسی دیگر انتظامی حکم کے تحت واپس بھی لے سکتا ہے ۔اس سسٹم کو مضبوط کرنے کے لئے لازمی ہے کہ گورننس آڈر آئین پاکستان کی دفعہ 258 کے تحت پارلیمینٹ سے منظور کروایا جائے جس میں وہاں کی حکومت اور عدلیہ کو کم از کم آزاد کشمیر، اور زیادہ سے زیادہ پاکستان کی طرز پر لایا جانا ضروری ہے ۔لوگوں کو میں نے دبی زبان میں یہ کہتے سنا کہ سٹیٹ سبجیکٹ کے قانون پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے سرکاری زمین غیر مقامی لوگوں کو الاٹ کی جاتی ہے کچھ لوگوں سے میں نے یہ نا قابل یقین اور حیران کن بات سنی کہ ہنزہ میں سلائیڈ کی وجہ سے بننے والی عطا آباد جھیل اور گلگت کا بڑا ایل گرنے کا عمل دانستہ طور پر امریکہ کے دباؤ پر کیا گیا ہے تا کہ چین کا عمل دخل محدود ہو جائے ۔ان لوگوں کا کہنا تھا کہ چین نے عطا آباد جھیل پاٹنے کی پیشکش بھی کی تھی جو حکومت نے نہیں مانی جس سے اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ یہ عمل دانستہ تھا ۔اس پر فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے ۔کیونکہ یہ معاملہ پاکستان کی قومی سلامتی سے تعلق رکھتا ہے ۔ریاست کے دوسرے حصوں کی طرح لوگوں کی خواہش ہے گلگت اس کے درمیان بھی لائن آف کنٹرول پوائنٹ کھولا جانا چاہیے مجھے وہاں کسی علیحدگی پسند یا قوم پرست کے طور ملامت زدہ شخص سے واسطہ نہیں پڑا جیسا کہ عام طور پر ان سے منسوب کیا جاتا ہے ۔اگر کوئی ایسا ہے بھی وہ پاکستان دشمن نہیں شہری اور انسانی حقوق طلب کرتا ہے جو اس کا حق اور حکومت کی ذمہ داری ہے ۔اس وقت ریاست کے دونوں حصوں میں تقریباً ایک طرح کا سسٹم ہے جس کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے دونوں حصوں کے لوگوں کی مشترکہ کاوش اور کوشش سے ان کو پاکستان کے باقی حصوں کی طرح اس سطح پر لانے کی ضرورت ہے جس میں یہاں کے لوگوں اور پاکستان کے دیگر علاقوں کے لوگوں کے سیاسی اور آئینی حقوق مساوی ہوں ۔کشمیر کے مسئلہ کے حل نہ ہونے کی سزا آزاد لوگوں کو کیوں دی جائے ۔ان کو قومی سطح پر حقوق ملنے سے کشمیر کا مسئلہ متاثر نہیں ہوگا ۔بلکہ ان لوگوں کے پارلیمنٹ آف پاکستان میں پہنچنے سے کشمیری نمائندے بین الاقوامی سطح پر کشمیر کا کیس لڑیں گے جس طرح ہندوستان مقبوضہ کشمیر سے نمائندوں کے ذریعہ اپنا کیس پیش کرتا ہے اس حقیقت کا ادراک کیا جانا لازمی ہے ۔

☆☆☆